ان کفار پر اعتماد کرنا کسی عمل یا عہدے کے ذریعے انہیں مسلمانوں پر مسلط کرنا مسلمانوں کی تحقیر اور گناہ کبیرہ ہے۔

تیسرا درجہ:

اہل بدعت کا ہے۔ یہ لوگوں کو بدعات کی دعوت دیتے ہیں ان سے اظہار عداوت کرنا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اہل بدعت کو سلام نہ کرے اور نہ ہی ان کے سلام کا جواب دے کیونکہ بدعتی کا فتنہ بہت سخت ہے۔ یہ لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتا ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بدعت کی تبلیغ کرنے والے کا شر متعدی ہوتا ہے۔ اور اگر مبتدع عام آدمی ہو تو اس کا شر اتنا خطرناک نہیں۔

چوتھا درجہ:

اس نافرمان آدمی کا ہے جس کی نافرمانی اور گناہ لوگوں کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ جیسے ظلم، جھوٹی گواہی طرفداری کا فیصلہ۔ شعر کے ذریعہ کسی کی ہجو و مذمت۔ غیبت کرنا اور لوگوں میں فساد برپا کرنا۔ ایسے لوگوں سے اعراض کرنا، گفتگو کے وقت ان سے تلخ اور سخت لہجہ اختیار کرنا بہت مستحسن امر ہے۔ اور ان سے دوستی کا تعلق استوار کرنا مکروہ ہے۔ ظاہر فتوٰی کے مطابق ان سے دوستی حرام کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں سختی سے حکم وارد نہیں ہوا۔

پانچواں درجہ:

ان لوگوں کا ہے جو شرابی اور فاسق ہیں۔ اگر کسی کو اس شرابی اور فاسق سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ رہی ہے تو اس کا شر اتنا زیادہ نہیں۔ اس سے نرمی اور نصیحت سے پیش آنا بہتر ہے۔ اگر نصیحت قبول کرنے کی امید ہو ورنہ اس سے بھی اعراض بہتر ہے۔ ہاں اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ البتہ اس پر لعنت کرنا درست نہیں۔ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعدد دفعہ شراب نوشی کی۔ اور شراب نوشی کی سزا میں متعدد دفعہ اسے کوڑے بھی لگائے گئے۔ صحابہ میں سے کسی نے اس پر لعنت کی اور کہا تو کب تک اس گناہ کا ارتکاب کرتا رہے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں لعنت سے منع کیا اور فرمایا خود شیطان اس کی دشمنی کے لیے کافی ہے۔ تو شیطان کا مددگار نہ بن۔

دوسرا باب صحبت کے حقوق و شرائط:

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر آدمی دوستی اور صحبت کے لائق نہیں۔ بلکہ ایسے آدمی سے دوستی کا تعلق قائم کیا جائے۔ جس میں تین باتیں موجود ہوں۔

۱۔ عقلمند ہو کہ احمق کی صحبت و دوستی سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ انجام کار ندامت اور نقصان لاحق ہوتا ہے۔

کیونکہ جب تیرے ساتھ نیکی کرنا چاہے گا تو اس کی حماقت سے تجھے نقصان پہنچے گا۔ اور اسے اس نقصان کا شعور بھی نہ ہو گا۔ علماء کرام فرماتے ہیں احمق سے دور رہنا ہی اس کے قریب ہونا ہے اور اس احمق کا چہرہ دیکھنا گناہ ہے اور احمق وہ ہوتا ہے جو کاموں کی حقیقت نہ جانتا ہو۔ اور سمجھانے سے سمجھ نہ سکتا ہو۔

۲۔ نیک اخلاق ہو کہ بد اخلاق سے سلامتی کی امید نہیں جب اس کی بد اخلاقی جوش میں آئے گی تو تیرا حق اور تیرا مرتبہ ضائع کردے گی۔ اور اسے کچھ پرواہ نہ ہو گی۔

۳۔ نیک ہو کیونکہ جو گناہ پر اڑا ہوا ہو گا وہ خدائے تعالیٰ سے بھی نہ ڈرے گا۔ اور جو خوفِ خدا سے خالی ہو اس پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔ ایسے شخص کی اطاعت نہ کر جس کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کا پیروکار بنا ہوا ہے۔

اگر بدعتی ہو تو اس سے الگ رہنا چاہیئے تاکہ اس کی بدعت کی برائی کا اس پر اثر نہ ہو۔ اور جو بدعت اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اس سے بڑھ کر کوئی بدعت نہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ سختی نہ کرنی چاہیئے اور ان کو فسق و معصیت سے روکنا نہ چاہیئے کیونکہ لوگوں سے جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں اور یہ کہ ہمیں ان کے معاملات میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی یہ بات اباحت کا تخم اور الحاد و زندقہ کا سرا ہے اور بہت بڑی بدعت ہے۔ ان لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھنا چاہیئے۔ یہ ان کا ایسا قول ہے جس کی مدد کے لیے شیطان ہر وقت تیار کھڑا ہے۔ اور اس بات کو دل میں بساتا اور اباحت کی طرف جلدی سے کھینچتا ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ قسم کے لوگوں کی صحبت و مجلس سے پرہیز کرنا چاہیئے

۱۔ جھوٹے کی صحبت سے کہ ہمیشہ اس سے دھوکا کھائے گا۔

۲۔ احمق کی صحبت و مجلس سے کہ اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو بھی نقصان کرے گا۔

۳۔ بخیل سے کہ وہ تیری عین ضرورت کے وقت تجھ سے قطع تعلق کرلے گا۔

۴۔ بزدل آدمی سے کہ وہ ضرورت کے وقت تجھے ضائع کردے گا۔

۵۔ فاسق شخص سے کہ وہ ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم چیز کے عوض تجھے فروخت کردے گا۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا طمع کے باعث۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نیک خلق فاسق کی صحبت و مجلس

کو بد اخلاق تاریوں کی صحبت سے بہتر جانتا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ مذکورہ تین خصلتیں بیک وقت ایک شخص میں جمع ہونی بہت مشکل ہیں تجھے چاہیے کہ صحبت کی غرض و غایت کو ذہن میں رکھے۔ اگر اُنس ومحبت مطلوب ہو تو نیک اخلاق انسان تلاش کر۔ اور اگر دنیا مقصود ہو تو سخاوت وکرم کی جستجو کر۔ اور ہر ایک کی شرائط علیحدہ علیحدہ ہیں۔

واضح ہو کہ اخلاق تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو غذا کی مانند ہیں۔ جن کے بغیر چارہ کار نہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو دوا کی طرح ہیں۔ کہ ان کی ضرورت کبھی کبھی پڑتی ہے۔ تیسرے بیماری کی طرح ہیں کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر ان میں پھنس جاتے ہیں۔ تو ان کا علاج کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ان سے نجات پائیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے آدمی سے صحبت و دوستی کا تعلق قائم کرنا چاہیئے کہ جیسے تجھ سے فائدہ حاصل ہو یا تجھے اس سے نفع پہنچے۔

حقوق دوستی وصحبت :

جاننا چاہیئے کہ جب کسی سے دوستی اور بھائی چارے کا رشتہ اور تعلق قائم ہو گیا۔ تو اس کو نکاح کے تعلق کی طرح تصور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بھی حقوق ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ دو بھائی دو ہاتھوں کی طرح ہیں۔ کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ اور یہ دس قسم کے حقوق ہیں۔

۱۔ مال سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ کہ اس کے حق کو اپنے حق سے مقدم جانے اور ایثار و قربانی سے پیش آئے کہ اپنا حصہ بھی اسے دیدے۔ جیسے قرآن مجید میں انصار کی شان میں وارد ہوا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط — وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو ضرورت وحاجت ہو۔

چاہیئے کہ اپنے دوست کو اپنی طرح جانے اپنے مال کو اس کا اور اپنے درمیان مشترک جانے۔ سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ اُسے اپنا غلام اور خادم تصور کرے اور جو چیز اپنی ضرورت اور حاجت سے زائد ہو بے مانگے اُسے دیدے اگر اُسے مانگنے سے اور کہنے کی نوبت آئے تو دوستی کے درجہ سے خارج ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں غمخواری اور ہمدردی نہیں ہے۔ اس طرح کی دوستی اور صحبت محض عادت کے طور پر ہے۔ جس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔

عتبہ الفلاح کا ایک دوست تھا اس نے آپ سے کہا مجھے چار ہزار درہم کی ضرورت ہے اس نے جواب

دیا دو ہزار درہم دوں گا۔ دوست نے یہ سُن کر منہ پھیر لیا اور کہا تجھے شرم آنی چاہیئے۔ کہ تو اللہ کے لیے دوستی کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر دنیا کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔

صوفیا کے ایک گروہ کے متعلق کسی نے بادشاہِ وقت کے سامنے شکایت کی بادشاہ ناراض ہوا اور حکم دیا کہ ایسے تمام صوفیوں کو قتل کر دو۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ جو ان میں موجود تھے، ان سب سے آگے بڑھے۔ اور فرمایا سب سے پہلے مجھے قتل کرو۔ بادشاہ نے کہا کیوں۔ فرمایا یہ سب لوگ میرے دینی بھائی ہیں۔ میں نے چاہا ایک گھڑی کے لیے اور کچھ نہیں تو اپنی جان ہی ان پر قربان کر دوں۔ بادشاہ نے یہ ایثار دیکھ کر قتل کا حکم واپس لے لیا اور کہا جو لوگ اس درجہ کے ایثار پسند ہوں انہیں قتل کرنا ناروا ہے اور سب کو چھوڑ دیا۔

حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوست کے گھر تشریف لے گئے وہ موجود نہ تھا اس کی لونڈی سے فرمایا صندوقچہ لے آ وہ اٹھا لائی جتنے روپوں کی آپ کو ضرورت تھی اتنے اس میں سے لے لیے جب دوست گھر آیا اور یہ واقعہ سُنا تو اس لونڈی کو اس خوشی میں آزاد کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بھائی چارہ قائم کروں۔ آپ نے اس سے فرمایا تجھے حق برادری کا پتہ ہے یا نہیں عرض کی مجھے تو معلوم نہیں فرمایا اپنے سونے چاندی میں مجھ سے زیادہ حقدار نہ رہے۔ عرض کیا میں ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ تو فرمایا چلا جا یہ تیرا کام نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صحابہ کرام میں سے ایک نے کسی کو بُھنی ہوئی سری بھیجی انہوں نے فرمایا میرا فلاں دوست زیادہ ضرورت مند ہے۔ یہ اُسے دینا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ سری انہوں نے اُس کے پاس بھیج دی۔ اس نے وہ سری دوسرے دوست کے پاس بھیج دی۔ اس نے آگے کسی اور کو دی۔ غرض کئی جگہ گھوم کر پھر پہلے دوست کے پاس آ گئی۔

حضرت مسروق اور خیثمہ میں دوستانہ تھا اور ہر ایک قرضدار تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کا اسطرح قرض ادا کیا کہ دونوں میں کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک اپنے دوست پر بیس درہم خرچ کرنا سو درہم فقیروں میں تقسیم کرنے سے بہتر ہے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ جا کر دو مسواکیں توڑیں ایک سیدھی تھی اور ایک ٹیڑھی۔ ایک اصحابی آپ کے ہمراہ تھے۔ سیدھی مسواک آپ نے صحابی کو عطا کی۔ اور ٹیڑھی اپنے لیے رکھی۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھی مسواک آپ لیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص

کسی کے ساتھ ایک گھڑی کے لیے بھی صحبت و مجلس کرتا ہے۔ قیامت کے دن اس صحبت کے حق میں اس سے باز پُرس ہو گی۔ کہ اس کا حق ادا کیا یا ضائع کیا۔ اے عزیز یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حق صحبت ایثار ہے۔ یعنی اچھی اور کام کی چیز دوسرے پر قربان کرنی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب دو آدمی باہم ساتھی بنیں تو ان دونوں میں سے خدا تعالیٰ اس کو زیادہ دوست رکھتا ہے۔ جو دوسرے ساتھی کا حق زیادہ بہتر طریقے سے ادا کرتا ہے۔

دوسرا حق:

یہ ہے کہ دوست اور ساتھی کی حاجات و ضروریات ہیں اس کے کہنے سے پہلے اس کی مدد کرے اور خوشدلی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس کی خدمت کرے۔ اس کی تکالیف و مہمات ہیں اس کے کام آئے۔ سلف صالحین کی عادت مبارک تھی کہ روزانہ گھر جا کر اپنے دوستوں کے اہل خانہ سے دریافت کرتے کہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ لکڑی آٹا ہے نمک تیل موجود ہے۔ اسی طرح ان کے سارے کام اپنے کاموں کی طرح ضروری جانتے تھے۔ اس کے باوجود دوسرے کا احسان اپنے اوپر جانتے تھے۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے دینی بھائی مجھے اپنے بال بچوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ مجھے دین یاد دلاتے ہیں۔ اور بیوی بچے دنیا کی طرف لگاتے ہیں۔

حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تین دن کے بعد اپنے بھائیوں کو بلایا کرو۔ اور ان کی خبر گیری کیا کرو۔ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کیا کرو۔ اگر کسی کام میں مصروف ہوں تو ان کی مدد کیا کرو۔ اگر کوئی بات بھول گئے ہوں تو یاد دلایا کرو۔

حضرت جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دشمن بھی جب تک مجھ سے بے رخی نہ کرے اور بے نیاز نہ ہو میں اس کی حاجت برآری میں جلدی کرتا ہوں۔ تو دوست کے حق کو کیوں ادا نہ کروں۔

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ تھے۔ جنہوں نے اپنے دینی بھائی کی موت کے بعد چالیس سال تک اس کے بال بچوں کی خبرداری کا فریضہ ادا کیا۔

تیسرا حق:

زبان کا حق ہے کہ اپنے بھائیوں کے حق میں نیک بات کہے۔ ان کے عیب چھپائے۔ اگر کوئی پس پشت ان کی بدگوئی کرے تو اس کا جواب دے۔ اور ایسا خیال کرے کہ وہ دیوار کے پیچھے سُن رہا ہے اور جس طرح یہ خود چاہتا ہے کہ وہ پس پشت اس کے ساتھ وفادار رہے اس کے پس پشت یہ خود بھی اس کا وفادار رہے اور اس میں سُستی نہ کرے۔ جب وہ بات کرے تو کان لگا کر سنے۔ اس سے جھگڑا اور بحث و مناظرہ نہ کرے

اس کا راز ظاہر نہ کرے ۔ اگر چہ اس سے قطع تعلق ہو چکا ہو ۔ کیونکہ یہ بد طینی کی باتیں ہیں ۔ اس کے اہل و عیال کی غیبت سے بھی زبان بند رکھے ۔ اس کے دوست احباب کی غیبت بھی نہ کرے ۔ اگر کسی نے اس کی برائی یا مذمت کی ہو تو اُسے آکر نہ بتائے ۔ کہ اس طرح اسے تکلیف پہنچے گی ۔ دوست کی نیک اور اچھی بات جو اُسے معلوم ہو نہ چھپائے ورنہ حاسد شمار ہو گا ۔ اگر اس سے کوئی قصور صادر ہو جائے تو اس کا گلہ نہ کرے ۔ بلکہ اُسے معذور جاننے ۔ اپنے قصور یاد کرے جو وہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں کرتا ہے تو اس پر تعجب نہ کرے ۔ اگر کوئی اس کے حق میں قصور کرے ۔ اور اگر یہ خیال کرے کہ ایسا آدمی تلاش کرے جس سے کوئی قصور نہ ہوتا ہو اور نہ اس میں کوئی عیب ہو تو ایسا شخص ملنا ناممکن ہے ۔ تو اس طرح وہ لوگوں کی صحبت سے محروم رہ جائے گا ۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ عذر ڈھونڈتا ہے ۔ اور منافق ہمیشہ عیب جوئی کرتا ہے ۔ ہونا یہ چاہیئے کہ دوست کی ایک نیکی کے عوض اس کی دس برائیوں کی پردہ پوشی کرے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بُرے دوست سے پناہ مانگنا چاہیے ۔ کیونکہ جب وہ بُرائی دیکھے گا تو اُسے چھپائے گا نہیں بلکہ نشر کرے گا ۔ اور جب کوئی اچھائی دیکھے گا تو اُسے چھپائے گا ۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب دوست کا قصور درگزر کرنے کے لائق ہو تو درگزر کرے ۔ نیکی پر محمول کرے بدگمانی نہ کرے ۔ کہ بدگمانی حرام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مومن کی چار چیزیں دوسروں پر حرام ہیں ۔ اس کا مال ۔ جان ۔ عزت و آبرو اور بدگمانی ۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں تم اس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہو جو اپنے بھائی کو سوتا دیکھے تو اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتار دے ۔ اور اس کو بالکل ننگا کر دے ۔ لوگوں نے عرض کی یا روح اللہ ایسا کون شخص ہے جو اس امر کو جائز رکھتا اور ایسا کرتا ہو ۔ فرمایا تم لوگ ہی ایسا کرتے ہو ۔ اپنے بھائی کا عیب ظاہر کرتے ہو اور نشر کرتے پھرتے ہو تاکہ دوسرے لوگ بھی واقف ہو جائیں ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔ جب کسی کو اپنا دوست بنانے لگو تو پہلے اس کو غصّے میں لاؤ پھر خفیہ طور پر اس کے پاس کسی کو بھیجو تاکہ وہ تمہارا تذکرہ کرے ۔ اگر اس نے ذرا سا بھی تمہارا بھید اور راز ظاہر کر دیا تو وہ دوستی کے لائق نہیں ۔ اور بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دوستی کے لائق ایسا شخص ہے کہ تیرا حال جو خدائے تعالیٰ جانتا ہے وہ بھی جان لے تو جس طرح خدائے تعالیٰ تیرے عیب چھپاتا ہے وہ بھی چھپائے اور پوشیدہ رکھے ایک آدمی نے اپنے دوست سے اپنے راز کی بات کہہ دی بعد میں دریافت کیا تجھے وہ راز معلوم ہے اس نے جواب دیا میں اس کو بھول چکا ہوں ۔ یعنی دوسرے شخص تک اس راز کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص چار اوقات میں تیرا ساتھ چھوڑ دے وہ دوستی اور صحبت کے لائق نہیں ۔ ۱۔ رضا اور خوشی کے وقت ۔ ۲۔ غصہ کے وقت ۔ ۳۔ طمع اور لالچ کے وقت ۔ ۴۔ خواہش نفسانی کے وقت ۔ بلکہ چاہیئے

تو یہ تھا کہ تیرے حق کو ان اوقات میں نہ چھوڑتا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجھے اپنے پاس بٹھایا اور قرب عطا کیا ہے۔ بوڑھوں پر تجھے فوقیت عطا کی ہے۔ خبردار پانچ باتوں کا خیال رکھنا۔ (۱) کبھی ان کا راز ظاہر نہ کرنا۔ (۲) ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا۔ (۳) کوئی غلط اور جھوٹی بات ان سے نہ کہنا۔ (۴) جو کچھ وہ فرمائیں اس سے خلاف نہ کرنا۔ (۵) کبھی وہ تجھ سے خیانت نہ دیکھنے پائیں۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ دوستی میں سب سے زیادہ خرابی مناظرے اور دوست کی بات کی مخالفت کرنے سے آتی ہے۔ دوست کی بات کاٹنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو جاہل و احمق سمجھے اور اپنے آپ کو عقلمند اور فاضل تصور کرے۔ اور اسے تکبر و حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ سب باتیں دوستی سے دور اور دشمنی کے قریب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اپنے بھائی کی بات کے خلاف نہ کیا کرو۔ نہ اس سے ہنسی مذاق کیا کرو۔ اور اس سے جو وعدہ کرو پورا کیا کرو۔ دوستی کے باب میں بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر دوست کہے اُٹھ اور ہمارے ساتھ اور تو کہے کہاں تو یہ بات دوستی کے لائق نہیں۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً ساتھ چل پڑے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میرا ایک دوست تھا۔ میں جو کچھ اس سے مانگتا دے دیتا۔ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا کس قدر چاہیئے۔ اس کی اتنی بات کہنے سے دوستی کی حلاوت میرے دل سے نکل گئی۔ جاننا چاہیئے کہ محبت کا وجود موافقت سے والبستہ ہے جہاں تک ہو سکے موافقت کرنی چاہیئے۔

چوتھا حق:

یہ ہے کہ زبان سے شفقت اور دوستی کا اظہار کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ — جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے دوستی رکھتا ہو تو اس کو اس سے آگاہ کر دے۔

یہ آپ نے اس لیے فرمایا ہے کہ اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو۔ اس صورت میں دوسری جانب سے بھی دوستی میں اضافہ ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے زبانی سارے حالات دریافت کیا کرے۔ پھر اس کی خوشی میں خوشی ظاہر کرے اور غم میں غم۔ اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کے غم کو اپنا غم جانے۔ اور جب اُسے بلائے تو اچھے نام سے بلائے بلکہ اگر اس کا کوئی لقب یا خطاب ہے تو اس سے بلائے۔ یہ وہ اس سے زیادہ پسند کرے گا۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ دینی بھائی کی دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اُسے اچھے نام سے پکارے۔ دوسرے یہ کہ پہلے خود اُسے سلام کرے۔ تیسرے یہ کہ پہلے اُسے بٹھائے اور ان ہی باتوں میں سے یہ بات ہے کہ پس پشت اس کی تعریف کرے۔ جس سے وہ خوش ہو۔ یوں ہی اس کے بیوی بچوں کی بھی تعریف کرے۔ کہ ان باتوں سے دوستی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو آدمی اپنے دینی بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا وہ نیک کام پر بھی اس کا شکر ادا نہ کرے گا۔ اور چاہیئے کہ پس پشت اس کی مدد و اعانت کرے اور طعن و تشنیع کرنے والے کو اس کا جواب دے اور اسے اپنی طرح تصور کرے۔ اور یہ بڑا ظلم ہے کہ کوئی اس کے دوست کو بُرا کہے اور یہ چپ بیٹھا رہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اس کے دوست کی پٹائی ہو رہی ہو اور وہ بیٹھا دیکھتا رہے اور اس کی کچھ مدد نہ کرے۔ حالانکہ بات کا زخم بڑا شدید ہوتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جب کسی نے پس پشت میرے دوست کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ دوست موجود ہے۔ اور سن رہا ہے۔ تو میں نے ایسا ہی جواب دیا کہ جسے وہ بھی سنے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دو بیلوں کو اکٹھے بندھے ہوئے دیکھا۔ جب ان میں سے ایک کھڑا ہوا تو دوسرا بھی کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑے۔ اور فرمانے لگے۔ دینی بھائی ایسے ہوتے ہیں کہ آپس میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے میں ایک دوسرے کی موافقت و مطابقت کرتے ہیں۔

پانچواں حق:

یہ ہے کہ اگر اُسے علم دین کی ضرورت ہو تو سکھائے۔ کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا دنیا کے رنج والم سے بچانا دنیا کے رنج والم سے نجات دینے سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ اگر اُسے سکھایا پھر اُس نے اس پر عمل کیا تو اُسے سمجھائے نصیحت کرے۔ اور خدائے تعالیٰ کا خوف دلائے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اُسے خلوت میں نصیحت کرے۔ تاکہ شفقت کا اظہار کرے۔ علانیہ نصیحت کرنے میں اس کی شرمندگی ہے۔ اور جو کچھ اُسے سمجھائے یا نصیحت کرے نرمی سے کرے۔ سختی سے نہ کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ یعنی اپنا عیب اور نقص ایک دوسرے سے معلوم کرتا ہے۔ جب تیرا بھائی شفقت کی بنا پر تیرا عیب علیحدگی میں تجھے بتائے تو اس کا احسان سمجھتے ہوئے اس پر خفا نہ ہونا چاہیئے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی آدمی تجھے اطلاع دے کہ تیرے کپڑوں میں سانپ بچھو ہے تو تو اس سے کبھی ناراض نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا ممنون ہو گا حقیقت یہ ہے کہ انسان میں جس قدر بُری صفات ہیں وہ سب سانپ بچھو کی

مانند ہیں۔ ہاں ان کا زخم قبر میں جا کر محسوس ہوگا۔ اور روح اس کا احساس کرے گی۔ اور وہ اس جہاں کے سانپ بچھوؤں سے زیادہ سخت ہوگا کیونکہ یہ زخم بدن پر ہوتا ہے۔ نہ کہ روح پر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحمت کرے جو میرے عیب میرے سامنے ہدیۃً لائے۔

جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو فرمایا اے سلمان سچ سچ کہو تم نے میرے متعلق کیا دیکھا اور سنا ہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ اس بات سے مجھے معاف کر دیں۔ فرمایا نہیں ضرور بتانا چاہیئے۔ جب آپ نے اصرار کیا تو حضرت سلمان نے فرمایا سنا ہے کہ آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے۔ اور آپ دو کرتے رکھتے ہیں ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور سنا ہے۔ عرض کیا نہیں۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یوسف اسباط کو خط لکھا۔ تو نے اپنے دین کو دو پیسوں کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ یعنی بازار میں جا کر تو نے کوئی چیز خریدنا چاہی دوکاندار نے اس کی قیمت تین پیسے بتائی تو نے اُسے کہا میں تو دو پیسے میں لوں گا اس نے تعارف اور واقفیت کی بنا پر دو پیسے میں ہی دے دی اس نے بر چشم پوشی تیری دینداری اور نیکی کی بنا پر کی۔ سر سے غفلت کا پردہ اتار اور خواب غفلت سے بیدار ہو۔

واضح ہونا چاہیئے کہ جو شخص علم دین اور علم قرآن حاصل کر کے اس کے عوض دنیا طلبی کی رغبت کرے تو مجھے ڈر ہے کہ ایسا شخص اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ دین کی رغبت کی علامت یہ ہے کہ ایسا علم عطا کرنے کو خدائے تعالیٰ کا احسان جانے نہ کہ اسے دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ۔ لیکن تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو اچھا نہیں جانتے۔

آیۂ کریمہ میں ان جھوٹے لوگوں کی صفت بیان ہوئی ہے۔ جو شخص نصیحت کرنے والے کو اچھا نہیں جانتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکبر و غرور میں مبتلا ہے۔ تکبر و غرور اس کے عقل اور دین پر چھا گیا ہے۔ اور یہ باتیں اس وقت رونما ہوتی ہیں جب اُسے اپنے عیب دکھائی نہیں دیتے۔ اور جب اپنے عیب جاننے لگے تو اُسے ضرور نصیحت کرنا چاہیئے۔ مگر سب کے سامنے اعتراض کے طور پر کچھ نہ کہنا چاہیئے۔ اگر اس میں کوئی ایسا عیب ہو جس سے تیرے حق میں قصور و کوتاہی واقع ہوتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اُسے چھپائے اور ایسا انجان بن جائے کہ تجھ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہونے پائے۔ اگر اس قصور کے باعث دوستی میں فرق آنے لگے تو مخفی طریقے سے ڈانٹ لینا قطع تعلق کرنے سے بہتر ہے۔ لیکن زبان درازی اور جھگڑے کی نسبت قطع تعلق کر لینا بہتر ہے۔ مناسب یہ ہے کہ صحبت و دوستی سے یہ مقصد اپنے پیش نظر رکھے کہ اپنے بھائیوں کی باتوں کو برداشت کر کے اپنا اخلاق و عادات

کو مہذب و درست کرے گا۔ نہ یہ کہ ان سے نیکی کی امید رکھے۔

حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص میرے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے ساتھ رہنے سے میرے دل پہ گرانی ہوتی تھی۔ میں نے اس خیال سے اُسے کچھ دیا کہ دل سے گرانی دور ہو جائے گی۔ مگر اس طرح بھی دور نہ ہوئی پھر میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا اور کہا اپنے پاؤں کا تلوا میرے منہ پر رکھ۔ اس نے کہا یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ میں نے کہا تم ضرور یہ کام کرو۔ آخر کار جب اُس نے ایسا کیا تو وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔

حضرت ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں عبداللہ رازی کا رفیق سفر بن کر سفر کو روانہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا راستے کا سردار تم ہو گے یا میں۔ میں نے کہا آپ تبیں۔ تو فرمایا جو کچھ میں کہوں گا اُسے ماننا پڑے گا میں نے کہا بسر و چشم۔ فرمایا توبرہ لاؤ میں نے ان کے فرمانے سے توبرہ لایا۔ زاد راہ، کپڑے اور جو سامان موجود تھا اس توبرہ میں بھر کر اپنی پیٹھ پہ لاد لیا اور چل پڑے۔ میں نے انتہائی اصرار کے ساتھ عرض کیا یہ سامان مجھے دے دیں کہ اسے میں اٹھا لوں گا تاکہ آپ تھک نہ جائیں تو فرمایا تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اپنے سردار پر حکم چلاؤ۔ اب تم کو فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رات بھر مینہ برستا رہا اور آپ میرے اوپر چادر تانے کھڑے رہے تاکہ بارش مجھ پر نہ پڑے۔ جب میں گفتگو کرتا تو فرماتے میں تمہارا سردار اور امیر ہوں تم میرے مطیع فرمان ہو۔ میں اپنے دل میں کہتا کاش میں ان کو سردار نہ بناتا۔

چھٹی قسم:

حقوق کی یہ ہے کہ جو بھول چوک صادر ہو جائے۔ اسے معاف کر دینا چاہیے کہ بزرگان دین نے کہا ہے کہ اگر تیرا کوئی بھائی قصور کر بیٹھے تو اس کی طرف سے ستر قسم کی عذر خواہی قبول کر۔ اگر نفس قبول نہ کرے تو اپنے دل سے کہہ کہ تو بہت ہی بد خواہ اور بد ذات ہے۔ کہ تیرے بھائی نے ستر عذر کیے مگر تو نے قبول نہ کیے۔ اگر وہ ایسا قصور ہے جس میں گناہ ہو تو اس کو نرمی سے نصیحت کر تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔ اگر وہ اس پر اصرار نہ کرتا ہو تو چاہیئے کہ تو اس گناہ سے انجان بن جائے اسے نہ جتلائے اور اس گناہ پر مصر ہو تو اُسے نصیحت کر۔ اگر نصیحت فائدہ مند نہ ہو تو اس بارے میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کرے۔ کیونکہ پہلے اس کے ساتھ صرف اللہ کے لیے دوستی کا رشتہ قائم کیا تو اب گناہ پر اصرار کر بیٹھے باعث اللہ کی دوستی کی خاطر اس سے دوستی ختم کر دے۔ حضرت ابو الدرداء اور صحابہ کی جماعت کا مسلک یہ ہے کہ رشتہ دوستی نہ کاٹنا چاہیئے۔ کیونکہ امید ہے

کہ اس گناہ سے توبہ کرے۔ ایسے شخص سے ابتداءً رشتہ دوستی جوڑنا منع ہے لیکن جب رشتہ محبت جوڑ لیا تو اب قطع نہ کرنا چاہیئے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی گناہ کرنے کی بنا پر بھائی سے تعلق دوستی ختم نہ کر۔ کیونکہ اگر آج گناہ میں مبتلا ہے کل توبہ کرلے اور اسے چھوڑ دے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عالم آدمی کی غلطی پر اعتراض کرنے سے بچو اور اس سے قطع عقیدت نہ کرو۔ ممکن ہے کل وہ اس برائی سے باز آجائے۔

حکایت:

بزرگان دین میں سے دو بھائی ایک دوسرے کے دوست تھے ان میں سے ایک خواہش نفس کے تحت کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل بیمار ہو گیا ہے۔ اگر تیری خواہش ہے کہ مجھ سے تعلق دوستی قطع کرے۔ تو میری طرف سے تجھے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے دوست نے جواب دیا معاذ اللہ کہ صرف ایک گناہ کے سرزد ہونے پر میں تجھ سے رشتہ دوستی کاٹ لوں۔ اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے دوست کو اس گناہ سے نجات عطا نہ کرے گا میں کھانے پینے کے نزدیک نہ جاؤں گا اور دوست سے دریافت کیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے کہا بدستور مبتلائے مرض ہوں۔ دوست یہ سن کر کھانے پینے سے کنارہ کش رہا۔ اور غم سے اندر ہی اندر پگھلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بھائی آیا اور کہا خدائے تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے نجات عطا کر دی ہے۔ اور میرا دل معشوق کے عشق سے متنفر ہو گیا ہے۔ تب جا کر اس نے کھانا کھایا۔

ایک شخص سے کہا گیا تیرا بھائی خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو گیا ہے اور تو نے اس سے قطع تعلق نہیں کیا اس نے جواب دیا کہ میرے اس دوست کو آج میری دوستی اور بھائی چارے کی بہت ضرورت ہے کیونکہ وہ غلط کام میں پھنس گیا ہے میں اس حالت میں اس سے کس طرح علیحدگی اختیار کر سکتا ہوں۔ میں نرمی اور شفقت کے ساتھ اسے دوزخ کے راستے سے ہٹاؤں گا اور اس کی دستگیری کروں گا۔

حکایت:

بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ اور دونوں ایک پہاڑ پر عبادت الٰہی کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شہر میں کچھ خریدنے آیا۔ اس کی نگاہ ایک فاحشہ عورت پر پڑی اور اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ اور اس کی مجلس اختیار کرلی۔ جب کچھ روز گزر گئے تو دوسرا دوست اس کی تلاش میں آیا۔ اور اس کا حال سنا۔ اس کے پاس آیا اس نے شرمندہ ہو کر کہا کہ میں تو تجھے جانتا ہی نہیں۔ اس نے کہا برادر عزیز دل کو اس کام میں مشغول نہ کر۔ میرے دل میں تجھ پر جس قدر آج شفقت پیدا ہوئی ہے۔ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کی گردن میں

ہاتھ ڈال کر اسے بوسہ دیا گناہ میں مبتلا ہونے والے دوست نے جب اس کی طرف سے شفقت کا یہ مظاہرہ دیکھا تو جان لیا کہ میں اس کی نگاہ سے نہیں گرا۔ رنڈی کی مجلس سے اٹھا، توبہ کی اور دوست کے ساتھ چلا گیا۔ اس بارے میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا طریقہ سلامتی کے زیادہ نزدیک ہے۔ لیکن ابو درداء کا طریقہ لطیف تر اور رفقہ کے قریب ہے۔ کیونکہ یہ لطف و مہربانی اور توبہ کے راستے پر ڈالتا ہے۔ اور عاجزی اور بے لبسی کے دن دینی دوستوں کی ضرورت وحاجت پیش آتی ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں دینی دوست سے کیونکر قطع تعلق کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد دوستی جو قائم کیا جاتا ہے وہ رشتہ قرابت کی طرح ہے۔ اور قطع رحم کسی گناہ کے سبب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ — پس اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔

یعنی اگر تیرے خویش واقارب تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔ یہ نہ کہہ کہ میں تیرے سے بیزار ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا آپ کا بھائی تو معصیت وگناہ کا مرتکب ہو گیا تم اس سے دشمنی کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے جواب دیا میں اس کی معصیت کو برا جانتا ہوں۔ لیکن جب تک وہ میرا بھائی ہے۔ اس سے دشمنی اختیار نہ کروں گا۔ لیکن تاہم ایسے آدمی سے ابتداءً دوستی کا تعلق قائم نہ کرنا چاہیے کیونکہ ایسے شخص سے بھائی چارہ قائم نہ کرنا گناہ کی بات نہیں ہے ہاں صحبت اور دوستی ترک کرنا گناہ ہے اور اس حق کو نظر انداز کرنا ہے جو دوستی قائم کرنے سے ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر تیرے حق میں کوئی قصور کیا ہو تو اس کا معاف کر دینا بہت بہتر ہے۔ جب کہ وہ معذرت کرے۔ اگرچہ تجھے علم ہو کہ جھوٹی عذر خواہی کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کا بھائی اس سے عذر خواہی کرے۔ اور وہ اس کا عذر قبول نہ کرے۔ تو اس کا گناہ اس شخص کے گناہ کی طرح ہے جو لوگوں سے ظلماً مال اسباب لے لیتا ہو۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن جلد غصے میں آتا ہے۔ اور جلد ہی خوش بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے فرمایا۔ جب تیرا کوئی دوست تجھ سے زیادتی کرے تو اس پر ناراض نہ ہو۔ کیونکہ شاید اس صورت میں تو اس سے ایسی باتیں سنے جو اس زیادتی سے بھی سخت تر ہوں۔ مرید کہتا ہے جب میں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی سامنے آیا۔ جیسا کہ شیخ نے فرمایا۔

ساتویں قسم:

کا یہ حق ہے کہ اپنے دوست کو دعائے خیر میں یاد رکھے اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی نیز اس کے بال بچوں کے لیے بھی دعا کرتا رہے۔ جس طرح اپنے لیے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دعا حقیقۃً تو خود اپنے لیے کرے گا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر کہتا ہے خدا تجھے بھی ایسا ہی عطا کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اس دعا کے جواب میں عطا کرنے میں تجھ سے ابتدا کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو دعا دوستوں کے لیے ان کی عدم موجودگی میں کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں سجدے میں پڑ کر ستر دوستوں کا نام لے کر ان کے لیے دعا کرتا ہوں"

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حقیقی دوست کی نشانی یہ ہے کہ تیرے مرنے کے بعد جب وارث تیری وراثت تقسیم کرنے میں مصروف ہوں تو وہ تیرے لیے دعا اور تیرے مغفرت میں مصروف ہو اور اس کا دل اس فکر میں مشغول ہو کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مردے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ڈوب رہا ہو اور بچنے کے لیے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہو۔ بالکل اسی طرح مردہ بھی اپنے گھر والوں۔ اولاد اور دوستوں کی دعاؤں کا منتظر رہتا ہے اور ان زندوں کی دعا نور کے بڑے بڑے پہاڑ بن کر قبر میں پہنچتی ہے۔

حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ دعا کو نور کے طباقوں میں رکھ کر مردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے۔ اور مردہ یہ دیکھ کر اسی طرح خوش ہوتا ہے۔ جس طرح زندہ انسان[1] ہدیے تحفے سے خوش ہوتا ہے۔

---

[1] ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو ایصال ثواب بہت مستحسن اور نازک وقت میں ان کی زبردست امداد ہے۔ بقول حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تیجا، چالیسواں گیارہویں وغیرہ ایصال ثواب کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ اس مسئلے کے ثبوت میں بحوالہ احادیث، فقہاء کرام کے اقوال اور مخالفین کے اعتراضات کے شافی جوابات کے لیے بندہ مترجم کی کتاب تالیف "مسلک امام ربانی" شائع کردہ مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲۔

آٹھویں قسم: کا حق یہ ہے کہ وفائے دوستی کی حفاظت کی جائے۔ وفاداری کا ایک معنی یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اہل وعیال اور دوستوں سے غفلت نہ برتے۔

ایک بوڑھی عورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس کی بڑی عزت کی۔ لوگ اس عزت افزائی پر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ عورت میری زوجہ خدیجہ کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی۔ کرم نوازی کا ایسا سلوک ایمان میں سے ہے۔

دوسری وفاداری یہ ہے کہ جو لوگ بھی اس سے تعلق رکھتے ہوں جیسے اس کے اہل وعیال اس کے غلام اور شاگرد وغیرہ ان سب کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ اور اس شفقت کا اثر اس کے دل پر خود اس پر شفقت کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مرتبہ، حشمت اور اقتدار حاصل کرے تو پھر بھی اسی تواضع وانکساری کو ملحوظ رکھے جو پہلے رکھتا تھا اور دوستوں کے معاملے میں تکبر کو نزدیک نہ آنے دے۔

تیسری وفاداری یہ ہے کہ دوستی کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھے۔ اور کسی بات کو دوستی کے ختم ہونے کا سبب نہ بننے دے۔ کیونکہ ابلیس کے نزدیک سب سے اہم بات یہ ہے کہ دو بھائیوں میں نفرت اور اختلاف ڈال دے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ

بے شک ابلیس لوگوں کے مابین نفرت و عداوت پیدا کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ

اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان نفرت وعداوت پیدا کر دی تھی۔

چوتھی وفاداری یہ ہے کہ دوست کے حق میں کسی کے منہ سے بھی غلط بات سننا گوارا نہ کرے۔ اور چغلخور کو جھوٹا جانے۔

پانچویں وفاداری یہ ہے کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے۔ بلکہ اس کے دشمن کو اپنا دشمن جانے کیونکہ جو شخص کسی سے دوستی کرے مگر اس کے دشمن سے بھی رشتہ دوستی استوار رکھے اس کی دوستی ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔

نویں قسم: کا حق یہ ہے کہ دوست کے حق میں تکلیف و بناوٹ کو قریب نہ آنے دے۔ اور دوستوں

کے درمیان بھی اسی طرح رہے جیسے اکیلے رہنا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے رعب و دبدبے سے پیش آئیں تو وہ دوستی ناقص ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: "بدترین دوست وہ ہے جس سے تجھے معذرت اور تکلف کرنے کی ضرورت پڑے"۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت سے بھائیوں (دوستوں) کو دیکھا ہے۔ مگر کہیں بھی ایسے دوست نہیں دیکھے جن کے درمیان بلا کسی وجہ کے حشمت و تکلف کا سلوک و معاملہ ہو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اہل دنیا کے ساتھ ادب سے پیش آؤ اور اہل آخرت کے ساتھ علم سے اور اہل معرفت کے ساتھ جیسے چاہو۔ صوفیائے کرام کی ایک جماعت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح دوستی کرتی تھی کہ ان میں سے اگر ایک ہمیشہ روزہ رکھتا یا رمضان کے علاوہ کبھی روزہ نہ رکھتا یا تمام رات سوتا رہتا یا ساری رات نماز پڑھتا رہتا تو دوسرا یہ دریافت نہ کرتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ مختصر یہ کہ دوستی اتحاد و یگانگت کا تقاضا کرتی ہے اور یگانگت و اتحاد میں تکلف و بناوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

دسویں قسم کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے دوستوں سے کمتر خیال کرے۔ اور ان کے ساتھ کسی معاملے میں رعب و تحکم کے ساتھ پیش نہ آئے۔ اور رعایت کی بات ان سے پوشیدہ نہ رکھے اور ان کے تمام حقوق ادا کرے۔

ایک شخص حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے کہتا تھا کہ اس زمانے میں دینی بھائی ناپید اور نایاب ہو چکے ہیں۔ یہ بات اس نے چند بار دہرائی۔ اس پر حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر تو ایسا دوست چاہتا ہے جو تیرا رنج برداشت کرے اور تیری تکلیف و مشقت میں تیرا ہمدرد و غمخوار بنے تو وہ البتہ نایاب ہے۔ اور اگر ایسے دوست کا متلاشی ہے جس کے رنج و تکلیف کو تو برداشت کرے۔ میری نظر میں ایسے دوستوں کی کچھ کمی نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جو شخص اپنے آپ کو دوسروں کے برابر جانے تو اس صورت میں بھی وہ خود بھی اور دوست بھی دقت محسوس کریں گے اور اگر اپنے آپ کو ان کے اذن و اجازت کے تحت رکھے تو اس طرح یہ خود بھی اور اس کے دوست بھی راحت و سلامتی میں رہیں گے۔

حضرت ابو معاویہ الاسود نے فرمایا ہے کہ میں اپنے تمام دوستوں کو اپنے سے بہتر جانتا ہوں کیونکہ وہ ہر معاملے میں مجھے اپنے آپ پر مقدم رکھتے اور میری فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں۔

- - - - - - - - -

تیسرا باب

عام مسلمانوں، خویش و اقارب، ہمسایوں اور نوکر غلاموں کے حقوق

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کا حق اس کی قرابت اور تعلق کے مطابق ہوتا ہے۔ اور تعلق و قرابت کے بہت سے درجے ہیں۔ اور حقوق اس کی مقدار کے مطابق ہیں۔ اور قوی تر رابطہ اور تعلق خدا کے لیے برادری کا تعلق اور رابطہ ہے۔ اور اس کے حقوق بیان ہو چکے۔ بعض اوقات ایک شخص سے دوستی تو نہیں ہوتی تاہم قرابت اسلامی کا رشتہ موجود ہوتا ہے۔ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

پہلا حق :

یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرے۔ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ کہ اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضا کو بھی اس کا احساس ہوتا ہے۔ اور رنج و تکلیف سے متاثر ہوتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ دوزخ سے نجات حاصل کرے اسے چاہیئے کہ ایسے حال میں زندگی بسر کرے کہ جب موت آئے تو کلمہ شہادت پر مرے۔ اور جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا کون ہے۔ فرمایا جو اپنی طرف سے ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتا ہے۔

دوسرا حق :

یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے اذیت اور تکلیف نہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جانتے ہو مسلمان کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ خدا اور رسول جل و علا صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا مومن کون ہوتا ہے فرمایا مومن وہ ہے جس سے ایمان والوں کو اپنے مال و جان میں کوئی خوف و خطرہ نہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا مہاجر کون ہوتا ہے۔ فرمایا جو برے کام کرنے چھوڑ دے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کی طرف

آنکھ سے اس طرح اشارہ کرے جس سے اسے تکلیف پہنچے۔ اور نہ یہ حلال اور جائز ہے کہ ایسا کام کرے جس سے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلے۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل دوزخ پر ایک خارش مسلط کرے گا۔ تو وہ اس قدر اپنے جسموں کو نوچیں گے کہ ہڈیاں ننگی ہو جائیں گی۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا۔ بتاؤ اس خارش کی تکلیف کیسی ہے۔ اہل دوزخ کہیں گے۔ یہ بہت سخت عذاب کی چیز ہے۔ فرشتے کہیں گے یہ اس وجہ سے ہے کہ تم لوگ دنیا میں مسلمانوں کو اذیت اور تکلیف دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے جنت میں ایک شخص کو دیکھا جو کیف ومستی میں جھومتا پھرتا تھا یہ مقام اسے محض اتنی سی بات سے حاصل ہوا کہ دنیا میں اس نے ایک راستے سے ایسا درخت کاٹ دیا تھا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

تیسرا حق:

یہ ہے کہ کسی کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری طرف وحی نازل ہوئی کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آؤ تاکہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ آپ بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے ساتھ جاتے اور ان کی حاجات پوری کرتے اور ایسا ہرگز نہ چاہیئے۔ کہ کوئی کسی کی طرف نظر حقارت سے دیکھے کیونکہ ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور دوست ہو اور وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے تاکہ کوئی ان تک راہ نہ پا سکے۔

چوتھا حق:

یہ ہے کہ کسی مسلمان کے حق میں چغلخور کی بات کا اعتبار نہ کرے۔ کیونکہ اعتبار عادل کی بات کا ہوتا ہے اور چغلخور فاسق ہے (اور فاسق کی بات غیر معتبر ہے)

حدیث شریف میں ہے کہ کوئی چغلخور بہشت میں نہ جائے گا۔ اور یہ بات ذہن میں رہے کہ جو شخص کسی کی بدگوئی تیرے سامنے کرتا ہے وہ اس کے سامنے تیری بدگوئی بھی کرنے سے باز نہ آئے گا۔ لہٰذا ایسے آدمی سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ اور اسے جھوٹا تصور کرنا چاہیئے۔

پانچواں حق:

یہ ہے کہ تین دن۔ سے زیادہ کسی آشنا اور واقف کار سے ناراض نہ رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کسی مسلمان بھائی کے لیے حلال اور جائز نہیں کہ مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ

ناراض رہے۔ دونوں میں بہترین وہ ہے جو السلام علیکم کرنے میں ابتدا کرے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا۔ میں نے تیرا درجہ اور نام اس بنا پر بلند کیا کہ تو نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تو اپنے بھائی کی غلطی اور خطا کو معاف کر دے گا تو تیری عزت و بزرگی میں ہی اضافہ ہو گا۔

چھٹا حق:

یہ ہے کہ جو آدمی بھی اس کے پاس آئے اس سے نیک سلوک کرے۔ نیک اور بد میں فرق نہ کرے۔ حدیث میں ہے ہر ایک کے ساتھ نیکی سے پیش آ۔ کیونکہ اگر وہ نیکی کا اہل نہیں تو تو نیکی کرنے کا اہل ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ ایمان کے بعد عمدہ عقلمندی کی بات لوگوں سے محبت و پیار کرنا۔ اور نیک اور برے ہر ایک انسان کے ساتھ بلا امتیاز نیک سلوک کرنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کو پکڑتا تاکہ آپ سے کوئی بات کرے تو آپ اس وقت تک نہ چھڑاتے جب تک وہ آپ کا ہاتھ نہ چھوڑتا۔ اور جب تک کوئی شخص آپ سے مصروف گفتگو رہتا آپ اپنا چہرہ مبارک اس سے نہ پھیرتے اور اس کی بات مکمل ہونے تک صبر و ضبط سے کام لیتے۔

ساتواں حق:

یہ ہے کہ بوڑھوں کی عزت کرے۔ اور چھوٹوں سے شفقت و نرمی سے پیش آئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص بوڑھوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور فرمایا سفید بالوں کی عزت کرنا خدائے تعالیٰ کی عزت کرنا ہے۔ اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ جو جوان بوڑھوں کی عزت ملحوظ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی جوان کو اس کی خدمت پر مامور کرتا ہے جو اس کے ساتھ عزت و حرمت سے پیش آتا ہے اور یہ اس جوان کی درازی عمر کی بشارت ہے۔ کیونکہ جسے مشائخ کی تعظیم و توقیر کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خود بھی بڑھاپے تک پہنچے گا۔ تاکہ اس نیک کام کی جزا اسے بھی اللہ تعالیٰ عطا کرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستور تھا کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو لوگ اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے آپ ان کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے بعض کو اپنے آگے اور بعض کو اپنے پیچھے اور بچے آپس میں فخر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور تجھے پیچھے۔ اور لوگ

اپنے چھوٹے بچوں کو حضور کی خدمت میں لے جاتے تاکہ آپ نام تجویز کریں اور دعا کریں۔ آپ بچے کو لے کر اپنی گود میں بٹھاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا کہ بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا۔ لوگ شور مچاتے اور گود سے اٹھانے کی کوشش کرتے مگر آپ فرماتے اب گود میں ہی رہنے دو تاکہ مکمل طور پر پیشاب کر لے اب اس پر سختی نہ کرو اور پیشاب نہ روکو۔ پھر آپ بچے کے ماں باپ کے سامنے پیشاب نہ دھوتے۔ تاکہ رنج و تکلیف محسوس نہ کرے۔ جب وہ باہر چلے جاتے تو آپ دھو کر کپڑا پاک کرتے اور اگر بچہ بہت چھوٹی عمر کا ہوتا تو کپڑے پر پیشاب کی جگہ چھینٹے مار لیتے۔ دھوتے نہ تھے۔

آٹھواں حق:

یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور سب کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کشادہ رو آسانی مہیا کرنے والے بندے کو دوست رکھتا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے۔ وہ نیک کام جو مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے، آسانی مہیا کرنا کشادہ پیشانی اور خوش زبان ہونا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بے سہارا عورت راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی مجھے آپ سے ایک کام ہے آپ نے فرمایا اس کوچے میں جہاں چاہے بیٹھ جا ہم تیرے ساتھ بیٹھ جائیں گے اور تیری بات سنیں گے۔ چنانچہ آپ ایک جگہ بیٹھ گئے اور عورت کی مکمل بات چیت سن کر اٹھے۔

نواں حق:

یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس میں تین برائیاں پائی جائیں وہ منافق ہے۔ اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔ جو جھوٹ بولے اور وعدہ خلافی کرے اور امانت میں خیانت کرے۔

دسواں حق:

یہ ہے کہ ہر آدمی کی عزت و حرمت اس کی شان اور درجے کے مطابق کرے۔ اور جو زیادہ عزیز ہو لوگوں کے درمیان بھی اس کی عزت زیادہ کرے۔ اور چاہیئے کہ جب وہ اچھا کپڑا پہنے۔ گھوڑے پر سواری کرے

ل چھینٹے مارنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب کا اثر زائل کرنے کے لیے دھونے میں مبالغہ نہ کرتے بلکہ ہلکا دھوتے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

اور صاحب جمال و وقار ہو تو عزت و حرمت میں اس کو فوقیت دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں تھیں کھانے کے لیے جب دستر خوان بچھایا گیا تو ایک درویش قریب سے گزرا تو فرمایا ایک روٹی اسے دے دو۔ پھر کھانے کے دوران ایک سوار قریب سے گزرا تو فرمایا اس کو بلاؤ اور کھانے میں شریک کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے درویش کو تو جانے دیا مگر دولتمند کو بلالیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ایک مرتبہ اور درجہ دیا ہے۔ ہمیں بھی اس کے درجے اور مرتبے کے مطابق اس کے حق کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ درویش تو ایک روٹی سے خوش ہو جاتا ہے لیکن دولتمند کے ساتھ ایسا کرنا نامناسب ہے۔ اس کے ساتھ وہ سلوک کرنا چاہیے جس سے وہ خوش ہو۔

ایک حدیث میں وارد ہے جب کسی قوم کا سردار اور صاحب عزت انسان تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ اس کے لیے چادر بچھا دیتے۔ جس پر وہ بیٹھتا۔ اور ایک بڑھیا عورت جس کا آپ نے دودھ پیا تھا آپ کے پاس آئی تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا اور فرمایا مرحبا اے مادر مشفق۔ تو جس کے لیے سفارش کرنا چاہتی ہے کر۔ اور جو مانگنا چاہتی ہے مانگ۔ تاکہ میں دوں۔ چنانچہ جو حصہ غنیمت سے آپ کو ملا تھا وہ اسے عطا کر دیا۔ اور اس عورت نے غنیمت کا وہ مال ایک لاکھ درم کے عوض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس فروخت کر دیا۔

گیارھواں حق:

یہ ہے کہ جن دو مسلمانوں میں ناراضگی ہو کوشش کر کے صلح کرائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نہ بتاؤں کہ نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی افضل کون سا عمل ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں بتایئے۔ فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے کس بنا پر تبسم فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا میری امت میں سے دو آدمی اللہ رب العزۃ کے حضور دو زانو گر پڑیں گے ایک عرض کرے گا بارخدایا اس سے میرا انصاف دلا کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ خدائے تعالیٰ فرمائے گا اس کا حق اس کو دے دے۔ وہ دوسرا عرض کرے گا بارخدایا میری تمام نیکیاں اہل حقوق مجھ سے چھین کر لے گئے ہیں۔ اب تو میرے پاس کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب یہ بے چارہ کیا کرے اس کے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں۔ مظلوم عرض کرے گا میرے گناہ اس کے ذمے ڈال دے۔ تو اس کے گناہ ظالم کے ذمے ڈال دیئے جائیں گے۔ اس کے

باوجود حساب بے باق نہ ہوگا۔ اتنی بات فرماکر آپ رو پڑے۔ اور فرمایا یہ بے ظلم عظیم۔ کیونکہ اُس روز (قیامت کے روز) جب ہر شخص اس کا ضرور تمند ہوگا کہ اس کا بوجھ ہلکا ہو۔ خدائے تعالیٰ مظلوم سے فرمائے گا۔ دیکھ تیرے سامنے کیا ہے۔ وہ عرض کرے گا اے پروردگار میں اپنے سامنے چاندی کے بڑے شہر اور بڑے بڑے محلات جو سونے اور جواہر ومروارید سے آراستہ اور مرصع ہیں دیکھ رہا ہوں۔ یہ شہر اور عمدہ محلات کس پیغمبر یا صدیق یا شہید کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے۔ بندہ عرض کرے گا۔ ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس کی قیمت ادا کرسکتا ہے۔ وہ عرض کرے گا کس طرح۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس طرح کہ تو اپنے بھائی کے حقوق معاف کردے۔ بندہ عرض کرے گا۔ بارِ خدایا میں نے سب حقوق معاف کیے تو رب العزت فرمائے گا اُٹھ اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ دونوں اکٹھے جنت میں چلے جاؤ۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مخلوق میں صلح کراؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔

بارھواں حق :

یہ ہے کہ مسلمانوں کے عیوب و نقائص چھپائے۔ کیونکہ حدیث میں ہے جو آدمی اس جہان میں مسلمانوں کے عیب چھپاتا ہے۔ کل قیامت کو خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اگر چور یا شراب نوش بھی پکڑتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کی پردہ پوشی کردے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اے لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو۔ مگر ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ لوگوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیب تلاش نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتا ہے تاکہ اُن کی تشہیر کرے اللہ تعالیٰ اُس کے عیب ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ شرمندہ ہو اگرچہ گھر میں چھپ کر گناہ کرے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یاد ہے۔ کہ سب سے پہلے جو شخص چوری کے جرم میں پکڑا گیا اور حضور کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اسے دیکھ کر آپ کے چہرہ انور پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو اس کام سے نفرت ہوتی ہے۔ فرمایا کیوں نہیں۔ اپنے بھائیوں کے جھگڑے میں میں کیوں ابلیس کا مددگار بنوں۔ اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور تمہارا عذر قبول کرے تو تم بھی لوگوں کے گناہوں کو چھپاؤ کیونکہ جب بادشاہ کی عدالت میں مقدمہ پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس پر حد شرعی قائم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت چوکیدار کی حیثیت سے گشت کر رہے تھے۔ کہ ایک گھر سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ دیوار پر چڑھ کر مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی عورت کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہا ہے۔ فرمایا اے دشمن خدا تیرا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری اس معصیت کو چھپائے رکھے گا۔ وہ آدمی کہنے لگا امیر المومنین! جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں نے ایک معصیت کی ہے تو آپ تین معصیتوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَجَسَّسُوْا — لوگوں کے عیب تلاش نہ کرو

اور آپ نے تجسس کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ — گھروں میں دروازوں کے راستے داخل ہوا کرو۔

اور آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ — بلا اجازت اور بلا سلام کیے دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ۔

اور آپ بلا اجازت اور بلا السلام علیکم کے اندر آ گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تجھے معاف کروں تو توبہ کر لے گا اس نے کہا ہاں میں تائب ہو جاؤں گا۔ پھر کبھی ایسے کام کے قریب نہ آؤں گا۔ آپ نے اُسے معاف کر دیا اور وہ بھی تائب ہو گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص کسی کی ایسی گفتگو کی طرف کان لگائے جس کا سننا ان کو پسند نہ ہو۔ تو قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔

تیرھواں حق:

کسی کو تہمت لگانے سے دور رہے۔ تاکہ مسلمانوں کے دل اس کے متعلق بدگمانی سے اور ان کی زبانیں اس کی غیبت سے بچی رہیں۔ کیونکہ جو آدمی دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ وہ خود بھی اس اور گناہ میں شریک قرار دیا جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ شخص کتنا بُرا ہے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ایسا کون کر سکتا ہے۔ فرمایا جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دیں تو گویا وہ گالیاں خود وہ اپنے ماں باپ کو دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص تہمت کی جگہ بیٹھتا ہے۔ اُسے ملامت کرنی چاہیے

اگر کوئی اس پر بدگمانی کرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان المبارک کے مہینہ کے آخر میں مسجد کے اندر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باتیں کر رہے تھے کہ دو آدمی آپ کے پاس سے گزرے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری بیوی صفیہ ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ دوسرے کے متعلق تو بدگمانی ہو سکتی ہے آپ کی ذات پاک کے متعلق تو ایسا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا شیطان انسان کے بدن میں رگوں کے اندر خون کی طرح گھومتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو راستے میں ایک عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ آپ نے درے سے اس کو مارا اس نے عرض کیا یہ میری اپنی بیوی ہے۔ فرمایا ایسی جگہ اس سے باتیں کیوں نہیں کیں کہ جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ (تاکہ کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔)

چودھواں حق:

یہ ہے کہ اگر دینی بھائی صاحب اقتدار اور صاحب مرتبہ ہو تو اس کے پاس جائز حاجت والے کی سفارش کرنے میں دریغ نہ کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ مجھ سے حاجتیں طلب کیا کرو کیونکہ میرے دل میں ہوتا ہے کہ کسی کو کچھ عطا کروں اور دیر اور انتظار کرتا ہوں تاکہ تم میں سے کوئی کسی کے لیے سفارش کرے تاکہ اس کے لیے بشارت ہو۔ سفارش کیا کرو تاکہ ثواب پاؤ۔ اور آپ نے فرمایا ہے۔ کوئی صدقہ زبان کے صدقہ سے بہتر نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کیسے۔ فرمایا وہ سفارش جس سے کسی کا خون محفوظ ہو جائے یا جس سے کسی کو فائدہ پہنچے۔ یا جس سے کوئی تکلیف و رنج سے نجات پائے۔

پندرھواں حق:

یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے بارے میں سنے کہ کوئی آدمی اس کی شان میں زبان درازی کرتا ہے یا اس کا مال اٹھانے جانا چاہتا ہے تو اس کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے جواب دینے میں اس کا نائب بنے اور اس پر ظلم کرنے سے روکے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب کسی مسلمان کو کسی جگہ برائی سے یاد کیا جا رہا ہو اور سننے والا اس سے نفرت نہ کرے اور جب کوئی کسی کی بے عزتی کر رہا ہو اور دیکھنے والا اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی مدد و نصرت نہ کرے گا جہاں اس کو مدد کی شدید ضرورت ہو گی۔ اور جو مسلمان مدد و نصرت کے موقعہ پر مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں اس کو مدد کی سخت ضرورت ہو گی۔

سولھواں حق: یہ ہے کہ اگر کسی بُرے آدمی کی صحبت میں پھنس جائے تو نرمی اور تحمل کے ساتھ

اس سے نجات حاصل کرے۔ اور بالمشافہہ اس سے تلخ کلامی نہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیۃ کریمہ

یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ   وہ نیکی نیک کام کے ساتھ برائی کی مدافعت کرتے ہیں۔

کے معنی میں فرمایا ہے کہ وہ برائی کا سلام اور نرمی سے مقابلہ کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا اس شخص کو اندر آنے دو۔ یہ اپنی قوم میں بدترین شخص ہے۔ وہ آدمی جب اندر آیا تو آپ نے اس کی اتنی آؤ بھگت کی کہ مجھے گمان ہوا کہ حضور کی نگاہ میں یہ شخص بڑے مرتبے والا ہے۔ جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے خود ہی فرمایا تھا کہ یہ بڑا بُرا آدمی ہے پھر آپ نے اس کی آؤ بھگت بھی بہت کی ہے۔ فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز بدترین انسان وہ ہوگا جس کے شر کے ڈر سے لوگ اس کی آؤ بھگت کریں۔ اور ایک حدیث میں ہے جو شخص بدگو لوگوں کی بدگوئی سے بچنے کے لیے اپنی حفاظت کرتا ہے۔ یہ بھی اس کی طرف سے صدقہ میں شمار ہوگا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ اس کے منہ پر تو ہنستے ہیں۔ مگر دل سے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

ستر ہواں حق:

یہ ہے کہ درویشوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھے اور دولتمندوں کی مجلس سے پرہیز کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مُردوں کے ساتھ مجلس نہ کرو لوگوں نے عرض کیا مردے کون ہیں فرمایا دولتمند لوگ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دورِ حکومت میں جہاں مسکین دیکھتے اس کے پاس بیٹھتے اور فرماتے مسکین مسکین کے ساتھ بیٹھا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے زیادہ یہ پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو یامسکین کہہ کر بلائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا بار خدایا جب تک مجھے زندہ رکھتا ہے مسکین کی حالت میں زندہ رکھنا۔ اور جب موت دے تو مسکین مارنا۔ اور حشر کے دن مساکین کے ساتھ میرا حشر کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا بارِ خدایا میں تجھ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا شکستہ دلوں کے پاس۔

اٹھارہواں حق:

یہ ہے کہ اس بات کی کوشش اور جدوجہد میں رہے کہ مسلمانوں کے دل اس سے خوش رہیں۔ اور اس سے لوگوں کی حاجت برآری ہوتی ہو۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی مسلمان بھائی کی حاجت برآری کرتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے وہ ساری عمر خدائے تعالیٰ کی خدمت کرتا رہا۔

اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے جو شخص کسی کی آنکھ روشن کرتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ روشن کرے گا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا جو آدمی دن یا رات میں ایک گھڑی کسی کی حاجت روائی کے لیے جاتا ہے چاہے وہ پوری ہو چاہے نہ ہو مسجد میں دو ماہ اعتکاف کرنے سے اس کا ثواب زیادہ ہے اور یہ اس سے بہتر ہے۔

اور فرمایا جو شخص کسی غمناک بندے کے لیے خوشی اور مسرت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ یا کسی مظلوم کو ظلم سے نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تہتر قسم کی مغفرتیں عطا کرتا ہے۔ اور فرمایا اپنے بھائی کی مدد و نصرت کیا کرو چاہے ظالم ہو یا مظلوم۔ لوگوں نے عرض کیا ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ فرمایا ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس نیکی کو پسند کرتا ہے جس سے کسی مسلمان کا دل خوش کیا جائے اور فرمایا دو برائیاں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرک اور مخلوق خدا کو تکلیف دینا اور فرمایا جس شخص کو مسلمان کی تکلیف کا احساس نہیں وہ ہم میں سے نہیں۔

لوگوں نے دیکھا کہ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں ان بے چارے مسلمانوں کے غم میں روتا ہوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیے ہیں۔ کہ کل قیامت کے دن ان سے سوال ہوگا کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا۔ اور ذلیل و رسوا ہوں گے اور ان کا کوئی عذر نہ سنا جائے گا۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ تین بار کہتا ہے۔

اللهم اصلح امة محمد اللهم	اے اللہ امت محمدؐ کی اصلاح کر۔ اے اللہ امت
ارحم امة محمد	محمدؐ پر رحم کر۔
اللهم فرج عن امة محمد صلی	اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مصائب و
الله علیه وسلم	مشکلات دور کر۔

اس کا نام ابدال کے گروہ میں لکھ دیتے ہیں۔

انیسواں حق: یہ ہے کہ جس سے بھی ملے سلام علیکم سے ابتدا کرے۔ اور بات چیت کرنے سے

پہلے اس کا ہاتھ پکڑے (مصافحہ کرے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو آدمی سلام کہنے سے پہلے ہی گفتگو شروع کر دے۔ اس کی باتوں کا جواب نہ دو۔ جب تک پہلے سلام نہ کرے۔

ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ سلام نہ کیا۔ فرمایا جا اور السلام علیکم کہہ کر اندر آ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب مجھے حضور اقدس کی خدمت میں رہتے اور خدمت کرتے آٹھ سال ہو گئے تو فرمایا اے انس طہارت ٹھیک طرح کیا کرو تا کہ عمر دراز پاؤ۔ اور جس سے ملو پہلے سلام کیا کرو تا کہ تمہاری نیکیاں زیادہ ہوں۔ اور جب اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو اپنے اہل وعیال کو سلام کیا کرو۔ تا کہ تمہارے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہوا کرے۔

ایک آدمی حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور السلام علیکم عرض کیا۔ فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں گی۔ اور ایک آدمی آیا اور عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں گی (اتنے میں) ایک اور شخص نے حاضر خدمت ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا فرمایا اس کے عمل نامہ میں تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ جب گھر میں آؤ تو سلام کہو۔ جب گھر سے باہر جاؤ تو بھی سلام کہو۔ کہ پہلے کہنے والا بعد میں کہنے والے سے بہت بہتر ہے۔ اور فرمایا جب دو مسلمان پیار سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو ان پر ستر رحمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کم ستر اس کو ملتی ہیں جو ان دونوں میں سے زیادہ خوش اور زیادہ کشادہ رو ہوتا ہے۔ اور جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور سلام کہتے ہیں تو ان میں سو رحمت تقسیم کرتے ہیں۔ نوے اس کے حصے میں آتی ہیں جو ملاقات اور سلام سے ابتداء کرتا ہے اور دس اسے نصیب ہوتی ہیں جو جواب دیتا ہے۔

اور بزرگان دین کے ہاتھوں کو بوسہ دینا سنت ہے۔ حضرت ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہم لوگ جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو پشت کو جھکائیں فرمایا نہ۔ میں نے عرض کیا ہاتھ کو بوسہ دیں فرمایا نہ۔ میں نے عرض کیا ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں۔ فرمایا ہاں۔ ہاں سفر سے واپس آتے وقت چہرے کو چومنا اور معانقہ کرنا سنت ہے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونے کو پسند نہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے سب سے زیادہ حضور علیہ السلام سے محبت تھی۔ مگر میں تعظیم کے طور پر کھڑا نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مجھے علم تھا کہ آپ اس کو پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص تعظیم کے طور پر ایسا کرے اور اس علاقہ میں اس کی عادت بھی ہو تو پھر قیام تعظیمی میں حرج نہیں ہے۔ لیکن کسی کے سامنے کھڑے رہنا منع ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی یہ بات پسند کرے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو تو اس کو کہہ دو کہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔

بیسواں^{۲۰} حق:

کہ جب چھینک آئے تو الحمد للہ کہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھایا کہ جس شخص کو چھینک آئے چاہیے کہ الحمد للہ رب العالمین کہے۔ چھینکنے والا جب یہ الفاظ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے۔ سننے والے سے یہ الفاظ سنکر چھینکنے والا کہے یغفر اللہ لی ولکم یعنی اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے اور اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو یرحمک اللہ کا مستحق نہیں ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آواز پست کرتے۔ اور چہرہ انور پر ہاتھ رکھ لیتے۔ اور اگر کسی کو بول و براز کی حالت میں چھینک آئے تو دل میں الحمد للہ کہے۔ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو حرج نہیں۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار اگر تو قریب ہے تو راز میں تجھ سے بات کروں اور اگر دور ہے تو بلند آواز سے تجھے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار ہم مختلف حالتوں میں ہوتے ہیں۔ کبھی جنابت کی حالت میں کبھی بول و براز کی حالت میں اور ایسے وقت میں تجھے یاد کرنا تیری شان بزرگی کے خلاف جانتے ہیں۔ فرمایا جس حال میں ہو مجھے یاد کرتا رہ اور کوئی حرج محسوس نہ کر۔

اکیسواں حق:

یہ ہے کہ جس سے واقفیت اور آشنائی ہو اس کی بیمار پرسی کرے۔ اگرچہ دوست نہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے۔ جب تک اس کے پاس بیٹھا ہوتا ہے بہشت کے دربان بیٹھا ہوتا ہے۔ اور جب لوٹتا ہے تو ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کیا جاتا ہے جو رات تک اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور سنت ہے کہ بیمار کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے۔ یا اس کی پیشانی پر۔ اور پوچھے کہ کیا حال ہے۔ اور پڑھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم اعیذک باللہ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد من شر ما نجد۔	اللہ رحمٰن اور رحیم کے نام سے تیری شفا چاہتا ہوں۔ تجھے خدائے احد بے نیاز کی پناہ میں دیتا ہوں۔ جس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور جس کی نسل کوئی نہیں، ہر شے سے جسے ہم پاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں بیمار تھا۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور چند بار یہ فرمایا اور بیمار کی سنت بھی یہ ہے۔

اعوذ بعزۃ اللہ و قدرتہ من شر ما اجد۔	میں اللہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ پناہ لیتا ہوں ہر اس شر اور بیماری سے جس کو میں پاتا ہوں۔

اور جب بیمار پرسی کرنے والا کہے کس حال میں ہے تو گلہ نہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتے اس پر مقرر کرتا ہے یہ بات دیکھنے کے لیے کہ جب کوئی بیمار پرسی کے لیے آتا ہے تو یہ شکر کرتا ہے یا شکایت۔ اگر شکر کرتا اور کہتا ہے الحمد للہ تو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ میرے ذمہ ہے۔ میں اسے اگر موت دوں گا تو رحمت کی حالت میں دوں گا اور بہشت میں لے جاؤں گا۔ اور اگر صحت و شفا عطا کروں گا تو اس بیماری کے طفیل اس کے گناہ بخش دوں گا۔ اور پہلے گوشت اور خون سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جس کے پیٹ میں درد ہو وہ اپنی عورت سے اس کے مہر کی رقم سے کچھ لے کر شہد خریدے اور بارش کے پانی سے ملا کر کھائے تو اللہ شفا دے گا۔ کہ خدا تعالیٰ نے بارش کے پانی کو مبارک، شہد کو شفا اور مہر کو جو مردوں کو دے دیں خوشگوار فرمایا ہے۔ اور جب یہ تینوں چیزیں مل جائیں تو ضرور شفا حاصل ہوگی۔

الغرض بیمار کے لیے مستحب ہے کہ گلہ شکوہ نہ کرے۔ بے صبری نہ کرے۔ اور اس امر کا امیدوار رہے کہ بیماری اس کی گناہوں کا کفارہ بنے۔ اور جب دوا استعمال کرے تو دوا پر بھروسہ نہ کرے بلکہ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

اور بیمار پرسی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیں۔ اور زیادہ پوچھ گچھ نہ کریں۔ اور اس کی صحت کے لیے دعا کریں۔ اور اپنے آپ کو بھی بیمار ظاہر کریں۔ اور بیمار کے مکان کے کردوں اور دیواروں پر نگاہ نہ ڈالیں۔ اور بیمار کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی جب اجازت طلب کریں

تو سامنے نہ کھڑے ہوں بلکہ ایک طرف کھڑے ہوں۔ اور دروازے کو آہستہ بند کریں۔ اور اے غلام کہہ کر نہ بلائے اور جب اندر سے آواز آئے کون ہے تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں۔ اور اے غلام کہنے کی بجائے سبحان اللہ اور الحمدللہ کہے۔ اور جو بھی کسی کا دروازہ کھٹکھٹائے اسی طرح کرے۔

بائیسواں حق:

یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص جنازے کے ساتھ جاتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے۔ اور جو ساتھ جانے کے ساتھ ساتھ دفن تک وہاں موجود بھی رہے اُسے دو قیراط ثواب ملے گا اور ہر قیراط کا وزن کئی احد پہاڑوں کے برابر ہو گا۔ اور جنازے کے ساتھ چلنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ چلے۔ نہ ہنسے بلکہ عبرت میں مشغول ہو۔ اور اپنی موت کی فکر کرے۔

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم لوگ ایک جنازے کے ساتھ گئے۔ سب لوگ اس قدر غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ کس کی تعزیت کریں۔ اور کچھ لوگ مردہ پہ اظہار غم کرنے میں مصروف تھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ کسی موت کے وقت اپنا غم کھاؤ۔ کہ مرنے والا تو تین خوفوں سے نجات پا گیا۔ اس نے ملک الموت کا منہ دیکھ لیا۔ موت کی تلخی چکھ لی۔ اور خاتمہ کے خوف سے آزاد ہو گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تین چیزیں جنازہ کے ساتھ چلتی ہیں۔ اہل وعیال، مال اور اعمال مال اور اہل وعیال تو واپس آجاتے ہیں۔ البتہ عمل انسان کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

تیئسواں حق:

یہ ہے کہ زیارت قبور کے لیے جایا کرے۔ اور ان کے لیے دعا کیا کرے۔ اور انہیں دیکھ کر عبرت گیر ہوا کرے۔ اور یہ خیال کیا کرے کہ یہ لوگ پہلے آخرت کو سدھار گئے اور مجھے بھی جلد ان کی جگہ جانا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو شخص قبر کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ وہ قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ پائے گا۔ اور جو قبر کو فراموش کر دے گا۔ وہ قبر کو دوزخ کے غاروں سے ایک غار پائے گا۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ جن کی تربت مبارک طوس میں ہے، بزرگان تابعین میں سے تھے اور گورکنی کرتے تھے۔ جب گھر تشریف لاتے اور دل میں غفلت پیدا ہوتی تو قبر میں کچھ وقت کے لیے سو جاتے۔ اور عرض کرتے اے میرے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج تاکہ اپنے گناہوں کا تدارک کر کے آؤں۔ پھر قبر سے اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے اے ربیع تجھے اللہ نے دنیا میں بھیج دیا ہے۔ کوشش کر کیونکہ ایک وقت

وہ آنے والا ہے جب واپس نہ آنے دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے۔ ایک قبر کے سرہانے بیٹھ کر بہت روئے۔ میں آپ کے قریب تھا عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیوں روئے۔ فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے خدائے تعالیٰ سے اس کی زیارت کی اجازت چاہی اور ان کی بخشش کی بھی اجازت چاہی۔ زیارت کی اجازت تو ملی اور دعا کی اجازت نہ ملی[1]۔ میرے دل میں فرزندی کی شفقت نے جوش مارا۔ جس سے رونا آگیا۔

یہ ہے مسلمانوں کے محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے حقوق کی تفصیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہمسایوں کے حقوق

ان میں کافی تفصیل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ایک ہمسایہ وہ ہوتا ہے جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے۔ اور یہ کافر ہمسایہ ہے۔ ایک ہمسایہ وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ اور وہ مسلمان ہمسایہ ہے۔ اور ایک ہمسایہ کے تین حق ہیں۔ اور یہ رشتہ میں قریبی ہمسایہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ جبرئیل ؑ ہمیشہ مجھے ہمسایہ کے حق کی وصیت و تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اُسے میری وراثت میں بھی حصہ دار بنایا جائے گا۔ اور فرمایا جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے کہو اپنے ہمسایہ کی عزت کرے۔ اور فرمایا وہ آدمی مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ اور فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے آپس میں جھگڑنے والے دو ہمسائے ہوں گے۔ اور فرمایا جس نے ہمسایہ کے پتھر پہ پتھر رکھا اس نے ہمسایہ کو تکلیف دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی اور رات کو نماز پڑھتی ہے۔ لیکن ہمسایہ کو تکلیف دیتی ہے۔ فرمایا اس کی جگہ دوزخ ہے۔ اور فرمایا چالیس گھر ہمسائگی کا حق ہے۔

---

[1] یاد رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علوم غیبیہ تدریجاً عطا کیے گئے۔ یہ واقعہ اس بارے میں علم عطا ہونے سے پہلے کا ہے۔ نقہ کی مشہور کتاب شامی میں ہے۔ کہ آپ والدین کی قبروں پہ تشریف لے گئے۔ باذن الٰہی انہیں زندہ کر کے کلمہ پڑھایا اور شرف صحابیت سے مشرف فرمایا۔ مزید تفصیل کے لیے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کے رسالہ انباء الاذکیا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کے رسالہ شمول الاسلام کا مطالعہ کریں۔ مترجم غفرلہ۔

امام زہری نے فرمایا چالیس آگے کی طرف چالیس پیچھے کی طرف چالیس بائیں طرف اور چالیس دائیں طرف۔
جاننا چاہیئے کہ ہمسایہ کا حق یہ ہے کہ اُسے تکلیف نہ دے بلکہ اُس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ درویش اور غریب ہمسایہ اپنے امیر اور دولتمند ہمسایہ کے گلے پڑے گا اور عرض کرے گا خداوندا اس سے پوچھ کہ اس نے میرے ساتھ نیک سلوک کیوں نہ کیا اور اپنے گھر کا دروازہ مجھ پر کیوں بند رکھا۔

ایک بزرگ کو گھر کے چوہے بہت ستاتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ بلی کیوں نہیں رکھتے۔ فرمایا اس خطرے سے کہ کہیں چوہے بلی کی آواز سے ڈر کر ہمسایہ کے گھر نہ چلے جائیں۔ اور میں جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا اور کسی کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے۔ ہمسائے کا یہ حق ہے کہ اگر وہ تجھ سے مدد طلب کرے۔ اُس کی مدد کرے۔ اسے قرض کی ضرورت آئے تو قرض دو۔ غریب ہو تو اُس کی امداد کرے۔ بیمار پڑے تو اُس کی بیمار پرسی کرے۔ فوت ہو جائے تو اُس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اگر اسے خوشی نصیب ہو تو مبارکباد دے۔ مصیبت میں گرفتار ہو تو اُس کی ہمدردی کرے۔ اور اپنے گھر کی دیوار بلند نہ کرے تاکہ اُسے ہوا پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو اور جب تو میوہ کھائے تو اُسے بھیجے اور اگر تو ایسا نہ کر سکتا ہو تو پوشیدہ کر کے کھائے۔ اور ایسا نہ کر کہ تیرے بچے میوے ہاتھ میں لیے باہر نکلیں اور ہمسائے کے بچے دیکھ کر اس پر غصہ کریں۔ جو کچھ پکائے اس میں سے اُسے بھی دے تاکہ وہ بُرا نہ منائے اور آپ نے فرمایا جانتے ہو ہمسائے کا کیا حق ہے۔ اس خدائے واحد کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ہمسائے کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ مگر وہی جس پر خدائے تعالیٰ کی رحمت ہو۔

جاننا چاہیئے کہ حقوق ہمسایہ میں یہ بھی شامل ہے کہ چھت اور کھڑکی وغیرہ سے اس کے گھر میں جھانک کر نہ دیکھے۔ اور اگر وہ تیری دیوار پر لکڑیاں رکھے تو منع نہ کرے۔ اور اس کے مکان کا پرنالہ بند نہ کرے۔ اور اگر تیرے گھر کے آگے کوڑا ڈالے تو اس سے جھگڑا نہ کرے۔ اور اس کے جو عیب تجھے معلوم ہوں انہیں پوشیدہ رکھے۔ اس سے تسکین دینے والی باتیں کرے۔ اور اپنی نگاہ اس کی مستورات پر نہ ڈالے۔ اور اس کی لونڈی کو بھی بار بار نہ دیکھے۔ یہ سب حقوق عام مسلمانوں کے ان حقوق کے علاوہ ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ ان سب حقوق کا نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دوست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ جب سالن پکائے تو اس میں پانی زیادہ ڈال لیا کر اور اس میں سے ہمسایہ کو بھی بھیجا کر۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا میرے ہمسائے کو میرے غلام سے شکایت ہے ۔ اگر میں غلام کو بلا وجہ مارتا ہوں تو میں خود گنہگار ہوتا ہوں ۔ اور اگر مارتا نہیں تو ہمسایہ ناراض ہوتا ہے ۔ لہٰذا کیا کروں ۔ فرمایا ذرا انتظار کر کہ غلام سے کوئی قصور ہو تو اُسے سزا دے اور ہمسایہ کی شکایت کرنے تک سزا میں تاخیر کر پھر اس کی شکایت کرنے پر اس کو سزا دے تاکہ دونوں مقصد پورے ہو جائیں ۔

خویش و اقارب کے حقوق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میرا نام رحمان ہے اور قرابت رحم ہے میں نے رحم کا نام اپنے نام سے نکالا ہے ۔ جو آدمی قرابت کے تعلق کو جوڑے رکھے گا میں اس کے ساتھ رہوں گا اور جو اس تعلق کو کاٹے گا میں اس کو اپنی ذات سے کاٹ دوں گا ۔

اور آپ نے فرمایا جو شخص عمر دراز کا خواہشمند ہے اور یہ کہ اس کا رزق فراخ و کشادہ ہو اسے چاہیئے کہ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے ۔

اور آپ نے فرمایا ہے کہ صلہ رحمی سے زیادہ کسی عبادت کا ثواب نہیں ۔ لعض لوگ فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں ۔ جب صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مال ان کی اولاد میں اس کی برکت سے اضافہ ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا کوئی صدقہ اس سے بہتر نہیں کہ ان قرابت داروں سے جو تیرے ساتھ جھگڑتے ہوں نیک سلوک کرے ۔

اے عزیز یہ بات جان اور ذہن میں رکھ کہ صلہ رحمی کا یہ معنی ہے کہ رشتہ دار اگر تجھ سے قطع تعلق کریں تو ان سے تعلق منقطع نہ کرے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ سب سے افضل یہ ہے کہ جو تجھ سے قطع کرتا ہے تو اُس سے قطع تعلق نہ کرے اور جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کرے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اُسے معاف کر دے ۔

ماں باپ کے حقوق

اے عزیز والدین کا حق بہت زیادہ ہے ۔ کیونکہ ان کا رشتہ اور تعلق سب سے زیادہ ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ۔ کوئی شخص باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا ۔ مگر اس وقت جبکہ اپنے باپ

کو غلام پائے اور خرید کر آزاد کر دے۔ اور فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنا نماز۔ روزہ حج وعمرہ اور جہاد سے بھی افضل ہے۔ اور فرمایا لوگ جنت کی خوشبو پانچ سو برس سے سونگھیں گے۔ مگر والدین کا نافرمان اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی جو شخص والدین کی فرمانبرداری نہ کرے میں اس کو نافرمان لکھتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو شخص ماں باپ کے نام سے صدقہ دیتا ہے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اس صدقے کا ثواب ان دونوں کو بھی ملتا ہے۔ اور خود اس کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والدین فوت ہو گئے ہیں مجھ پر ان کا کیا حق ہے۔ جو ادا کروں۔ فرمایا ان کے لیے نماز پڑھ۔ اور دعائے مغفرت کر۔ اور ان کا عہد اور وصیت پوری کر۔ ان کے دوستوں کی عزت کر۔ ان کے عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کر اور فرمایا ماں کا حق باپ کے حق سے دُگنا ہے۔

اولاد کے حقوق

ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کروں۔ فرمایا والدین کے ساتھ۔ اس نے عرض کیا وہ تو فوت ہو چکے ہیں تو فرمایا اپنی اولاد کے ساتھ کہ جیسا حق ماں باپ کا حق ہے ایسا ہی اولاد کا ہے۔ اولاد کا حق یہ بھی ہے کہ ان کی بدخوئی کے باعث ان کو عاق اور نافرمان قرار نہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ اس والد پر رحمت نازل کرتا ہے جو اپنے بیٹے کو نافرمانی کے کاموں میں نہ مصروف ہونے دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لڑکا جب سات دن کا ہو جائے تو اس کا عقیقہ کرو۔ نام رکھو اور پاک کرو۔ جب چھ برس کا ہو جائے تو ادب واحترام سکھاؤ۔ اور جب نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دو۔ اور تیرہ سال کا ہو جائے تو مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور جب اس کی عمر سولہ برس کی ہو جائے تو نکاح کر دو۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہو میں نے تجھے ادب واحترام سکھایا تیری تربیت کر دی۔ اور تیرا نکاح کر دیا۔ اب خدا کی پناہ مانگتا ہوں دنیا میں تیرے فتنوں سے اور آخرت میں تیرے عذاب سے۔

اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ انہیں دینے دلانے پیار کرنے اور تمام اچھے کاموں میں مساوات کرے۔ چھوٹے بچے کو پیار کرنا اور بوسہ دینا سنت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیتے تھے۔ اقرع بن حابس نے کہا میرے دس لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحمت نازل نہیں کرتا۔

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ گر پڑے۔ آپ نے فوراً منبر شریف سے اتر کر آپ کو اٹھا لیا۔ اور یہ آیت کریمہ پڑھی:

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز ادا کر رہے تھے۔ جب سجدے میں گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گردن مبارک پر چڑھ گئے۔ اس بنا پر آپ نے سجدے میں ہی اتنی دیر کی کہ صحابہ کرام کو گمان ہوا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس لیے آپ نے سجدے کو لمبا کر دیا ہے۔ جب سلام پھیرا تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سجدے کے دوران وحی نازل ہو رہی تھی۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ حسین نے مجھے اونٹ بنا لیا تھا۔ میں نے چاہا اسے الگ نہ کروں۔ غرض اولاد کے حقوق کی نسبت والدین کے حقوق زیادہ ہیں۔ اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کی تعظیم اولاد پر واجب و لازم ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کا ذکر اپنی عبادت کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط

اور تیرے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کر اور والدین کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کر۔

والدین کے حق عظمت کی بنا پر دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اگر کھانا شبہہ والا ہو حرام خالص نہ ہو اور والدین اولاد کو کہیں اسے کھاؤ تو اولاد کو چاہیئے کہ ان کی اطاعت کرتے ہوئے کھائے۔ کیونکہ ان کی خوشی کے لیے ان کی اطاعت ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی سفر نہ کرے۔ سوائے اس سفر کے جو شرعاً فرض ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ دینی باتوں کا علم حاصل کرنے کے لیے سفر بشرطیکہ اس کے شہر میں کوئی فقیہہ اور عالم موجود نہ ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ والدین کی بلا اجازت حج اسلام کا سفر اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس میں تاخیر کرنا درست ہے۔ اگرچہ فی نفسہ فرض ہے

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے پوچھا تیری والدہ زندہ ہے۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کی خدمت میں رہ کہ تیری جنت اس

کے قدموں کے نیچے ہے۔

یمن کا ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا زندہ ہیں فرمایا ان سے اجازت لے اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی بات مان۔ کیونکہ توحید کے بعد خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی رشتہ اور عبادت اس سے بہتر نہیں ہے۔

اے عزیز بڑے بھائی کا حق باپ کے حق کے قریب ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر اس طرح ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔

لونڈی غلاموں کے حقوق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لونڈی غلاموں کے حقوق ادا کرنے میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو جو تم لوگ خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔ اور ایسا مشکل کام ان کے ذمہ نہ لگاؤ جو وہ نہ کر سکیں۔ اگر تمہارے مطلب کے ہیں تو ان کو رکھو ورنہ فروخت کر دو۔ اور خدا کے بندوں کو اذیت اور تکلیف میں نہ رکھو۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے لونڈی غلام بنایا اور تمہارے تابع کر دیا ہے۔ اگر چاہتا تو تم کو ان کے تابع اور زیر دست کر دیتا۔

ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا ہم لوگ دن میں کتنی بار اپنے لونڈی غلاموں کے قصور معاف کریں۔ فرمایا ستر بار۔

احمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا آپ نے تحمل اور بردباری کس سے سیکھی ہے فرمایا قیس بن عاصم سے کہ ایک دفعہ ان کی لونڈی بکری کا بھنا ہوا بچہ لوہے کی سلاخ میں لگا کر لا رہی تھی کہ اتفاقاً اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ان کے لڑکے پر گر پڑا۔ وہ مر گیا۔ لونڈی ڈر کے مارے بے ہوش کر گر گئی حضرت قیس بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سنبھل تیرا کوئی قصور نہیں اور میں نے تجھے خدائے تعالیٰ کی راہ میں آزاد کیا۔

حضرت عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے غلام کی نافرمانی دیکھتے تو فرماتے تو نے بھی اپنے آقا کی عادت اختیار کی ہے۔ جس طرح تیرا آقا اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے اسی طرح تو بھی اپنے آقا کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غلام کو مار رہے تھے کہ آواز سنی اے ابو مسعودؓ

آپ اس طرف پھرے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جتنی قدرت تو اس غلام پر رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ خدائے تعالیٰ تجھ پر رکھتا ہے۔

لونڈی غلاموں کے حقوق یہ ہیں کہ ان کو روٹی سالن اور کپڑے وغیرہ ضروریات سے محروم نہ رکھے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور یہ خیال کرے کہ یہ بھی میری طرح بندے ہیں اور اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو آقا خود خدا کے جو قصور اور گناہ کرتا ہے ان کا خیال کرے اور یاد کرے اور جب ان پر غصہ آئے تو اللہ احکم الحاکمین کا جو اس پر قدرت رکھتا ہے خیال کرے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب غلام نے تکلیف اور محنت اٹھا کر آقا کے لیے کھانا تیار کیا اور اسے رنج ومحنت سے بچایا تو چاہیئے کہ غلام کو کھانے میں اپنے ساتھ بٹھائے اور اس کے ساتھ مل کر کھائے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم ایک لقمہ گھی میں ڈبو کر اس کے منہ میں ڈالے اور کہے یہ لقمہ کھالے۔

چھٹی اصل

گوشہ نشینی کے آداب میں

اے عزیز جان کہ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ گوشہ نشینی بہتر ہے یا لوگوں سے ملے جلے رہنا حضرت سفیان ثوری۔ حضرت ابراہیم ادہم۔ حضرت داؤد طائی، حضرت فضیل بن عیاض۔ حضرت ابراہیم خواص حضرت یوسف اسباط، حضرت خذیفہ مرعشی، حضرت بشر حافی اور دیگر بہت سے اصحاب ورع تقویٰ کا مذہب یہ ہے کہ عزلت وگوشہ نشینی لوگوں کے ساتھ میل جول سے بہتر ہے۔ اس کے برعکس علماء ظاہر کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ لوگوں سے مخالطت اور ملے جلے رہنا افضل و بہتر ہے۔

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گوشہ نشینی سے اپنا حصہ لے لو۔ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں گوشہ نشینی عبادت ہے۔ ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ فرمایا دنیا سے روزہ رکھ اور موت تک یہ روزہ نہ کھول۔ اور لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح درندے سے بھاگتا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ہے جب آدمی نے قناعت اختیار

کر لی تو بے پرواہ ہو گیا۔ جب گوشہ نشینی اختیار کی۔ تو سلامتی میں ہو گیا۔ جب خواہش نفسانی کو پامال کر ڈالا تو آزاد ہو گیا۔ جب حسد سے کنارہ کش ہو گیا تو مردوں والا کام کیا۔ اور جب صبر کا دامن تھام لیا تو اپنے مقصد کو پالیا۔

حضرت وہب بن الورد فرماتے ہیں حکمت و دانائی کے دس حصے ہیں۔ نو خاموشی میں ہیں اور ایک گوشہ نشینی میں۔ حضرت ربیع بن خثیم اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے۔ علم سیکھ اور لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کر۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائیوں کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک ایک چیز سے کنارہ کش ہو گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس شخص کا احسان مند ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے اور مجھے سلام نہ کرے۔ اور جب بیمار پڑوں تو میری بیمار پرسی کو نہ آئے۔

حضرت سعد بن وقاص اور حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہما اکابر صحابہ میں سے تھے مدینہ منورہ کے قریب مقام عقیق میں رہتے تھے۔ یہ دونوں حضرات کسی بھی کام کے لیے لوگوں کے اجتماع میں نہ آتے۔ یہاں تک کہ اسی جگہ انتقال فرمایا۔

ایک امیر شخص نے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کچھ ضرورت و حاجت ہے۔ فرمایا ہاں۔ دریافت کیا کہ کیا حاجت ہے۔ فرمایا یہ کہ نہ تو مجھے دیکھے اور نہ میں تجھے دیکھوں۔ ایک آدمی نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں میں صحبت و مجلس رہا کرے۔ فرمایا ہم میں سے جب ایک فوت ہو جائے گا تو دوسرا کس سے صحبت اختیار کرے گا۔ اس نے کہا خدائے تعالیٰ سے۔ فرمایا تو اب بھی خدائے تعالیٰ ہی سے صحبت و سنگت رکھنا چاہیئے۔

اے عزیز اس مسئلہ میں ویسا ہی اختلاف ہے جیسا نکاح میں۔ کہ کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ بندے کے حال کے مطابق حکم بھی بدلتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص ایسا ہوتا ہے جس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہوتی ہے۔ اور ایک وہ ہوتا ہے جس کے لیے میل جول بہتر ہے۔ اور جب تک گوشہ نشینی کے فوائد اور اس کی آفات اور نقصانات تفصیل سے بیان نہ کیے جائیں اس وقت تک اس حکم کی صحیح حقیقت واضح نہیں ہو سکتی۔

گوشہ نشینی کے فوائد:

اے عزیز گوشہ نشینی کے چھ فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ:

ذکر و فکر کے لیے فراغت۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عجیب و غریب صنعتوں اور زمین و آسمان کی کائنات میں غور و فکر کرنا نیز دنیا و آخرت میں خدائے تعالیٰ کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا افضل ترین عبادت ہے۔ بلکہ اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہے کیونکہ جو کچھ خدائے تعالیٰ سے سوا ہے خدائے تعالیٰ سے دور کرنے والا ہے۔ خاص کر اس شخص کو جس شخص میں یہ طاقت نہ ہو کہ مخلوق میں رہ کر خدا کے ساتھ بھی رہے۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے کہ یہ حضرات مخلوق میں رہ کر بھی مخلوق سے جدا رہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کار وحی کی ابتداء میں گوشہ نشینی اختیار کرکے کوہ حرا میں جا گزین ہوئے اور نورِ نبوت کے قوی ہونے تک لوگوں سے قطع تعلق کیے رکھا۔ پھر اس مرتبہ پر فائز ہوئے کہ بدن سے لوگوں کے ساتھ اور دل سے خدا کے ساتھ ہوئے اور فرمایا اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی محبت نے کسی اور سے محبت کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔ حالانکہ لوگ جانتے تھے کہ آپ کو ہر ایک کے ساتھ پیار ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ حضور کی اطلاع تتبع میں اولیاء اللہ بھی اس مرتبہ کو پالیں۔

چنانچہ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں تیس برس سے خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ ہمکلام ہوں۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص پر کسی کی محبت اور عشق غالب ہوتا ہے۔ اور وہ لوگوں میں رہتے ہوئے دل سے اپنے معشوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور غلبہ عشق میں نہ کسی کی بات سنتا ہے اور نہ انہیں دیکھتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو فریب دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ لوگوں میں رہنے کے باعث خدائے پروردگار مجمع انوار کی بارگاہ سے مردود ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص نے کسی راہب سے کہا تنہائی میں رہنا بڑا کام ہے۔ اس نے جواب دیا میں تنہا نہیں ہوں بلکہ خدا میرے ساتھ ہے۔ جب میں اس سے راز و نیاز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں اور جب چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے باتیں کرے تو تورات کی تلاوت کرتا ہوں۔

لوگوں نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ گوشہ نشینی سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو فرمایا خدائے تعالیٰ کے ساتھ رشتہ انس و محبت قائم ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا یہاں ایک ایسا شخص ہے جو ہمیشہ ستون کے پیچھے رہتا ہے۔ فرمایا جب وہ موجود ہو تو مجھے بتانا۔ لوگوں نے بتایا تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا

اے شخص تو ہمیشہ اکیلا بیٹھا رہتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر کیوں نہیں بیٹھتا۔ جواب دیا میں ایک عظیم کام میں مصروف ہوں جس نے مجھے لوگوں سے جدا کر دیا ہے۔ فرمایا تو حسن بصری کے پاس کیوں نہیں جاتا اور اس کی باتیں کیوں نہیں سنتا۔ اس نے جواب دیا کہ اس کام نے حسن بصری اور تمام لوگوں سے دور کر دیا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا کام ہے۔ تو اس نے کہا کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی نعمتوں سے مجھے نہ نوازتا ہو اور میں گناہ نہ کرتا ہوں۔ اس لیے اس کی نعمتوں کے شکر اور اپنے گناہوں سے استغفار کرنے میں مصروف رہتا ہوں۔ نہ حسن بصری کے ساتھ اور نہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی فرصت و فراغت ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن بصری نے فرمایا تو اپنی جگہ بیٹھا رہ کہ تو حسن سے زیادہ فقیہہ اور عالم ہے۔

حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ حضرت ادلیس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت ادلیس نے دریافت کیا کیسے آئے ہو۔ فرمایا اس لیے آیا ہوں کہ تم سے آرام حاصل کروں۔ حضرت ادلیس نے فرمایا میں ہرگز نہیں جانتا کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کو جانتا ہو اور پھر دوسرے سے آرام کا متلاشی ہو۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب رات کی تاریکی چھاتی ہے تو میرا دل خوش ہوتا ہے۔ اپنے جی میں کہتا ہوں کہ صبح تک اپنے خدا کے ساتھ تنہائی میں بیٹھوں گا۔ جب دن طلوع ہوتا ہے تو غمگین ہوتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ لوگ مجھے خدائے تعالیٰ سے باز رکھیں گے۔

حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے ذریعے باتیں کرنے کو افضل نہیں جانتا اس کا علم بہت تھوڑا اور اس کا دل اندھا اور اس کی عمر ضائع اور برباد ہے۔

کسی دانا نے کہا ہے۔ جسے یہ خواہش ہو کہ کسی کو دیکھوں اور اسی سے باتیں کروں تو یہ اس کے نقصان کی بات ہے۔ کیونکہ جو کچھ چاہیئے اس سے تو اس کا دل خالی ہے۔ اور ادھر اُدھر سے دل بہلانا چاہتا ہے جو نہ چاہیئے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے جس کو لوگوں کے ساتھ انس ہے۔ وہ مفلس و کنگال لوگوں میں سے ہے۔ تو اے عزیز ان تمام اقوال و روایات سے یہ سمجھ لے کہ جس شخص کو اس بات کی قدرت ہو کہ ہمیشہ ذکر کے ذریعے حق تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا کرے یا ہمیشہ فکر کرنے سے اس کے جلال و جمال کی معرفت کا علم حاصل کرے تو یہ ان سب عبادتوں سے افضل و بہتر ہے جو لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیوں کہ تمام سعادتوں کی غایت یہ ہے کہ جو شخص بھی اُس جہاں میں جائے تو خدائے تعالیٰ کی محبت اُس پر غالب ہو۔ اور انس و محبت ذکر کی بدولت کامل ہوتی ہے۔ محبت ثمرہ معرفت ہے اور معرفت ثمرہ فکر اور یہ سب باتیں خلوت اختیار کرنے سے میسر آتی ہیں۔

دوسرا فائدہ:

یہ ہے کہ عزلت یعنی گوشہ نشینی کی بدولت اکثر گناہوں سے آدمی بچا رہتا ہے۔ چار گناہ ایسے ہیں کہ باہم ملے جلے رہنے سے ہر آدمی ان سے نہیں بچ سکتا۔ عیب کرنا یا عیب سننا اور یہ گناہ دین کی تباہی کا باعث ہے دوسرا امر بالمعروف اور نہی المنکر۔ کیونکہ آدمی اگر خاموش رہے گا تو فاسق و نافرمان ہو جائے گا۔ اور اگر ناراضگی کا اظہار کرے گا تو نفرت اور جھگڑے کی صورت پیدا ہو گی۔ تیسرا گناہ ریا اور نفاق ہے جس کا ارتکاب ہل جل کر رہنے کی صورت میں ضرور ہو جاتا ہے کیونکہ اگر لوگوں سے نرمی نہ کرے گا۔ تو وہ ستائیں گے اور اگر نرمی اور خوشامد کرے گا تو ریا میں مبتلا ہو گا۔ کیونکہ نفاق و ریا کو نرمی سے جدا کرنا بہت مشکل ہے۔ اور اگر دو دشمنوں سے گفتگو کرے گا۔ اور ہر ایک کے موافق کچھ کہے گا تو یہ نفاق ہے اور اگر ایسا نہ کرے گا۔ تو اس کی دشمنی سے نجات نہ ملے گی اور کم سے کم یہ بات تو ضرور ہے کہ جسے دیکھے گا اس سے کہے گا میں ہمیشہ تمہاری ملاقات کا مشتاق رہتا ہوں حالانکہ بیشتر یہ بات جھوٹی ہوتی ہے۔ اگر اس طرح نہ کہے گا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اگر اس کے ساتھ بھی ایسی بات کہے گا تو نفاق اور جھوٹ ہو گا۔ کم سے کم یہ بات تو ضرور ہے کہ ہر ایک سے یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ تم کیسے ہو اور تمہاری طرف کے لوگوں کا کیا حال ہے۔ حالانکہ حقیقتاً اُسے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ہیں تو ایسی گفتگو بھی نفاق میں شامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ کام کاج کے لیے باہر جاتا ہے اور کسی سے اس کی غرض ہوتی ہے تو از راہ نفاق اس کی اچھائی اور اس کی تعریف اس قدر کرتا ہے کہ اُس کے سر پہ ذہن رکھ کہ بے مقصد خدا کو ناراض کر کے اپنے گھر آجاتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جب کوئی دینی بھائی میرے پاس آتا ہے اور میں اپنی ڈاڑھی کے بال سیدھے کرنے کے لیے اس پہ ہاتھ پھیروں تو اُس کا ڈر ہے کہ میرا نام منافقوں میں لکھ دیا جائے۔

حضرت فضیل ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس کس لیے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ آپ کے ساتھ آرام پانے اور آپ کی زیارت کے ذریعے انس حاصل کرنے کے لیے۔ آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا۔ خدا کی قسم یہ بات وحشت اور نفرت کے زیادہ نزدیک ہے۔ تو میرے پاس نہیں آیا مگر اس لیے کہ تو میری جھوٹی مدح کرے اور میں تیری۔ اور تو مجھ پہ کوئی جھوٹ باندھے اور میں تجھ پر۔ اور تو جب لوٹے تو ہم دونوں منافق ہو چکے ہوں۔ تو اسی طرح جو شخص اس قسم کی باتوں سے پرہیز کر سکتا ہے اس کے لیے میل جول نقصان دہ نہیں ہے۔

سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم جب ایک، دوسرے سے ملتے تھے تو دنیا کا حال دریافت نہیں کرتے تھے بلکہ دین کا حال پوچھتے تھے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حامد لفاف سے فرمایا۔ کس حال میں ہو۔ اس نے کہا سلامت وعافیت سے ہوں۔ حضرت حاتم نے فرمایا سلامتی تو اس وقت نصیب ہوگی۔ جب پل صراط سے گزر جاؤ گے اور عافیت اس وقت میسر آئے گی جب بہشت میں پہنچو گے۔

لوگ، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرتے کہ آپ کس حال میں ہیں۔ تو آپ فرماتے کہ جس چیز میں میرا نفع ہے وہ تو میرے ہاتھ میں نہیں۔ اور جو چیز میرے لیے نقصان دہ ہے۔ میں اس کے دور کرنے پر قادر نہیں اور میں اپنے کام کے گرد گھومتا ہوں۔ اور حقیقت میں میرا کام دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ پس کوئی درویش بھی مجھ سے زیادہ درویش نہیں۔ اور کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ بے چارہ اور عاجز نہیں۔

لوگ جب حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھتے کہ آپ کس حال میں ہیں تو فرماتے کہ ایک ضعیف اور گنہگار انسان ہوں۔ اپنی روزی کھا رہا ہوں اور اپنی موت کے انتظار میں ہوں۔

اور جب لوگ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے کہ آپ کا کیا حال ہے۔ تو آپ فرماتے کہ دوزخ کے عذاب سے بچ گیا تو خیر ہے۔

اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب لوگ کہتے کہ آپ کا کیا حال ہے۔ تو آپ فرماتے اس شخص کا کیا حال ہوگا جو صبح کو نہیں جانتا کہ شام تک زندہ رہے گا یا نہیں۔ اور شام کو یہ علم نہیں رکھتا کہ صبح تک زندہ رہنا نصیب ہوگا یا نہیں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی عمر تو کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت حکیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا گیا۔ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ روزی تو خدا تعالیٰ کی کھاتا ہوں۔ اور فرمانبرداری اس کے دشمن ابلیس کی کرتا ہوں۔ لوگوں نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا آپ کس حال میں ہیں۔ فرمایا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ہر دن ایک منزل آخرت کی طرف نزدیک ہو رہا ہے۔

حامد لفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کس حال میں ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں اس آرزو میں ہوں کہ کسی دن تو مجھے عافیت نصیب ہو۔ لوگوں نے کہا آپ آرام اور عافیت میں نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ آرام اور عافیت میں وہ ہوتا ہے جو معصیت اور نافرمانی کے قریب نہ جائے۔

ایک شخص سے اس کی موت کے وقت لوگوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو۔ اس نے جواب دیا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو بغیر خرچ کے لمبے سفر پہ روانہ ہو رہا ہو۔ اور بغیر ساتھی کے اندھیری قبر میں جا رہا ہو۔ اور بغیر کسی دلیل اور صفائی کے عدل و انصاف والے بادشاہ کے سامنے پیش ہو رہا ہو۔ حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے حال دریافت کیا۔ فرمایا۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کے لیے مرنا ضروری ہے اور جسے حساب و کتاب کے لیے ضرور اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی سے پوچھا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کے ذمے پانچ سو درہم قرض ہو۔ اس کا کافی عیال ہو۔ اور کوئی چیز اس کے پاس نہ ہو۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سن کر اپنے گھر گئے۔ اور ہزار درہم اٹھا لائے اور آکر اسے دے دیئے۔ اور اس سے کہا کہ پانچ سو درہم سے تو اپنا قرض ادا کرو۔ اور پانچ سو درہم اپنے عیال کے خرچ کے لیے رکھو۔ اس کے بعد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ آئندہ کسی کا حال دریافت نہیں کروں گا۔ آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آپ کو خوف محسوس ہوا۔ کہ اگر میں نے اس کی مدد نہ کی۔ تو پوچھنے میں منافق شمار ہوں گا۔ کئی بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے کئی لوگوں کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کو ہرگز سلام نہ کرتے تھے۔ اور اگر ایک دوسرے کو کوئی حکم دیتا تو جو کچھ اس کے پاس ہوتا۔ سب اسے دے ڈالتا۔ اور اب ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے مرغی خانے کا حال پوچھتے ہیں اور وہ جرأت کر کے ضرورت کے تحت جار آنے مانگ لے۔ تو صاف انکار کر جاتے ہیں۔ اور یہ کھلا ہوا نفاق ہے۔ جب لوگوں کی حالت یہ ہو چکی ہے۔ تو جو آدمی ان سے میل جول رکھتا ہے۔ اگر وہ اس نفاق اور جھوٹ میں ان کی موافقت کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس نفاق اور جھوٹ میں ان کی موافقت کرتا ہے۔ اور اگر مخالفت کرتا ہے۔ تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں اور سب اس کی غیبت میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اس کا دین ان کی وجہ سے تباہ ہوتا ہے۔ اور ان کا اس کی وجہ سے۔

چوتھا گناہ جو لوگوں سے میل جول رکھنے کی بنا پر لازم آتا ہے۔ یہ ہے کہ تو جس کی مجلس اختیار کرے گا اس کی عادتیں اس طرح تیرے اندر آجائیں گی۔ کہ تجھے خبر بھی نہ ہوگی۔ اور تیری طبیعت اس کی طبیعت سے اس طرح بہت سی باتیں چرا لے گی کہ تجھے علم بھی نہ ہوگا۔ اس طرح بہت سی نافرمانیوں کا بیج تیرے اندر اُگ آئے گا۔ آدمی کی نشست و برخاست جب اہل غفلت کے ساتھ ہو۔ تو جو بھی اہل دنیا کو اور دنیا پر ان کی حرص کو دیکھتا ہے۔ یہی چیز اس میں بھی نمایاں ہو جاتی ہے اور جو آدمی فاسقوں کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ ان کے فسق کو بُرا ہی جانتا ہو۔ جب بار بار دیکھتا ہے۔ تو وہ فسق اسے بھی معمولی محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور جس معصیت اور

نافرمانی کے کام کو لوگ بار بار دیکھتے ہیں۔ اس کا انکار اور اس کی نفرت دل سے نکل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر لوگ کسی عالم کو ریشم کا لباس پہنا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور بُرا جانتے ہیں۔ مگر وہی عالم اگر سارا دن غیبت کرتا رہے تو اسے بُرا نہیں جانتے۔ حالانکہ غیبت کرنا ریشمی لباس پہننے سے بدتر ہے۔ بلکہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ لیکن چونکہ یہ برائی کثرت سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس لیے اس کی مذمت اور خرابی دلوں سے نکل چکی ہے۔ بلکہ اہل غفلت کی حالت کو دیکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ جس طرح صحابہ اور بزرگوں کے حالات سننا فائدے مند ہے۔ اور ان پاک لوگوں کے ذکر کے وقت خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ — نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

رحمت کا نزول اس لیے ہوتا ہے۔ کہ ان کی باتیں سن کر دین کی رغبت اور محبت جوش میں آتی ہے۔ اور دنیا کی رغبت کم ہوتی ہے اسی طرح اہل غفلت کے ذکر کے وقت لعنت برستی ہے۔ کیونکہ لعنت کا سبب غفلت اور دنیا سے رغبت ہے۔ تو اس غفلت اور رغبت کا سبب ان کا ذکر ہوتا ہے۔ جب ان کا صرف ذکر کرنا لعنت کا باعث ہے۔ تو انہیں دیکھنا تو اس سے بھی بدرجہا بُرا ہوگا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُرے آدمی کی مجلس لوہار کے پاس بیٹھنے کی طرح ہے کہ اگر کپڑا نہ جلے گا تو اس کا دھواں ضرور پہنچے گا۔ اور نیک آدمی کی صحبت عطر فروش کی مجلس کی طرح ہے۔ کہ اگر تجھے عطر بھی نہ دے گا۔ تو اس کی خوشبو تو پہنچے گی۔ لہٰذا تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ بُرے آدمی کی مجلس سے تنہائی بہتر ہے۔ اور نیک آدمی کی مجلس تنہائی سے بہتر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مختصر یہ کہ جس کی مجلس تجھ سے دنیا کی رغبت کو نکالے اور خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دے اس کے پاس بیٹھنا بہت غنیمت ہے۔ اس سے ہرگز جدا نہ ہو۔ اور جس کا حال اس کے خلاف ہو اس سے دور رہ خصوصاً اس عالم سے جو دنیا کی حرص میں مبتلا ہو۔ اور جس کا کردار اس کی گفتار کے مطابق نہ ہو۔ کیونکہ اس کی مجلس زہر قاتل ہے۔ اور مسلمان کی عزت دل سے اکھاڑ پھینکنے والی چیز ہے۔ کیونکہ دیکھنے والا اپنے دل میں کہے گا کہ اگر مسلمانی کی کوئی اصل اور بنیاد ہوتی تو یہ عالم خود ضرور اس پر عمل کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص روغن بادام میں پکے ہوئے حلوے کو سامنے رکھ کر بڑی چاہت سے کھا رہا ہو۔ اور ساتھ ساتھ یہ شور بھی مچا رہا ہو۔ کہ اے مسلمانو اس حلوے سے دور رہنا۔ کیونکہ یہ سب زہر ہے۔ تو کوئی شخص بھی اس کی بات پر اعتبار نہ کرے گا۔ اور اس کا بڑی چاہت سے اسے کھانا اس بات کی دلیل ہوگی۔ کہ اس میں کوئی زہر نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ حرام

کھانے اور گناہ کرنے کی پہلے پہلے جرأت نہیں کرتے۔ اور جب سنتے ہیں کہ فلاں عالم صاحب ایسا کرتے ہیں۔ تو ان میں بھی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عالم کی غلطی بیان کرنا دو وجہ سے حرام ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ غیبت ہے۔ دوسرے اس لیے کہ لوگوں میں جرأت پیدا ہو گی اور وہ اسے دلیل بنا کر اس کی پیروی کریں گے اور شیطان بھی اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور اس سے کہے گا۔ کہ تو فلاں عالم سے بڑھ کر پرہیز گار تو نہیں ہے۔

عام آدمی کے لیے مسئلہ یہ ہے۔ کہ جب عالم سے کوئی غلط کام ہوتا دیکھے۔ تو دو باتیں ذہن میں رکھے۔ ایک یہ کہ اپنے ذہن میں یہ سمجھے۔ کہ عالم سے اگر غلطی ہو رہی ہے تو شاید اس کا علم اس کی معافی کا باعث بن جائے کیونکہ علم بھی ایک بہت بڑی سفارش کرنے والی چیز ہے۔ اور عام آدمی بے چارا علم سے خالی ہے۔ جب عمل بھی نہیں کرے گا تو اپنی نجات کے لیے کس چیز پر بھروسہ کرے گا۔ دوسری بات یہ ذہن میں لائے کہ عالم کا یہ جاننا کہ حرام مال نہیں کھانا چاہیے۔ بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح ایک عام آدمی جانتا ہے۔ کہ شراب پینا اور زنا کرنا نہیں چاہیئے۔ سب لوگ اتنی بات میں برابر ہیں کہ شراب پینا اور زنا کرنا حرام ہے۔ اور ایک عام آدمی کا شراب پینا دلیل نہیں بن سکتی کہ اسے دیکھ کر دوسرا بھی پینا شروع کر دے۔ تو عالم کا حرام کھانا بھی اسی طرح ہے۔ اور زیادہ تر حرام کھانے کی جرأت وہ لوگ کرتے ہیں جو نام کے عالم ہوتے ہیں۔ حقیقت علم سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یا جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا عذر اور اس کی تاویل ایسی ان کے علم میں ہوتی ہے کہ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے۔ عام آدمی کو چاہیئے کہ عالم کی غلطی اس نظر سے دیکھے تا کہ ہلاک نہ ہو۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ کہ خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کیا اور حضرت موسیٰؑ نے اس پر اعتراض کیا قرآن مجید میں اسی لیے بیان کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمانہ ایسا ہی ہو چکا ہے۔ کہ عموماً لوگوں سے مجلس رکھنا نقصان دہ ہے اور گوشہ نشینی اور علیحدہ رہنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسرا فائدہ:

یہ ہے کہ الا ماشاء اللہ کوئی شہر بھی جھگڑوں، فتنہ و فساد اور تعصب کی باتوں سے خالی نہیں۔ جو شخص گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔ فتنہ و فساد سے نجات پا جاتا ہے۔ اور میل جول اختیار کرنے سے اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب لوگوں کو آپس میں دشمنی، عداوت، اختلاف و انتشار میں مبتلا دیکھے تو اپنے گھر کے اندر سے بالکل باہر نہ نکل۔ اور اپنی زبان کی حفاظت کر۔ جو کچھ جانتا ہے اس پر عمل کر۔ جس بات کا علم نہ ہو اس سے دور

رہ۔ اپنے کام میں مصروف رہ اور دوسروں کے کاموں سے ہاتھ اٹھالے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آرہا ہے کہ انسان کا دین سلامت نہ رہ سکے گا مگر اس صورت میں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگے اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی طرف اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ کی طرف جس طرح لومڑی اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتی پھرتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ایسا زمانہ کب آئے گا۔ فرمایا جب معصیت اور گناہ کے بغیر رزق میسر نہ آئے گا۔ اس وقت لوگوں سے الگ ہوجانا حلال و روا ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا الگ تھلگ رہنا کس طرح درست ہوگا۔ حالانکہ آپ نے ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرمایا اس زمانے میں مرد کی ہلاکت اس کے ماں باپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور اگر وہ مرچکے ہوں گے تو پھر اس کی ہلاکت و بربادی اس کی اولاد اور بیوی کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو اس کے خویش و اقارب اسے ہلاکت میں مبتلا کریں گے۔ لوگوں نے کہا کس طرح۔ فرمایا اس کی تنگدستی اور درویشی پر اسے لعنت ملامت کریں گے۔ اور جس چیز کی اس میں طاقت نہ ہوگی اس کا مطالبہ اس سے کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوجائے گا۔ یہ حدیث اگرچہ (عزوبت) الگ تھلگ رہنے سے متعلق ہے۔ تاہم خلوت گزینی اور گوشہ نشینی بھی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ زمانہ جس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ہمارے زمانے سے کافی عرصہ پہلے شروع ہوچکا ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

واللہ لقد حلت العزوبۃ۔ اللہ کی قسم الگ تھلگ رہنا حلال و روا ہوچکا ہے۔

چوتھا فائدہ:

یہ ہے کہ انسان لوگوں کے شر سے امن میں رہتا ہے۔ کیونکہ جب تک لوگوں کے درمیان رہتا ہے۔ ان کی غیبت اور ان کی بدگمانی کے رنج سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی نہ حاصل ہونے والی چیزوں کے طمع سے اسے نجات میسر آتی ہے۔ کیونکہ انسان اس بات سے نہیں بچ سکتا کہ اس سے کوئی ایسی چیز اور ایسا عمل لوگ دیکھیں جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔ تو اس کے بارے میں اس پر زبان درازی کریں۔ کیونکہ انسان اگر یہ چاہے کہ سب لوگوں کے حقوق مثلاً ماتم پرسی۔ مبارک بادی۔ اور مہمان نوازی کرے۔ تو اس کا سارا وقت ان کاموں میں صرف ہوجائے گا۔ لیکن وہ کسی کا حق بھی پورے طور پر ادا نہ کرسکے گا۔ اور اپنے کاموں سے بھی رہ جائے گا۔ اور بعض لوگوں کو ترجیح دے گا۔ اور ان سے خصوصیت برتے گا تو دوسرے اسے برا جانیں گے۔ اور رنج محسوس کریں گے۔ اور جب گوشہ نشینی اختیار کرے گا۔ تو یکمشت سب سے چھوٹ جائے گا۔ اور وہ اس سے خوش بھی رہیں گے۔ ایک بزرگ تھے جو ہمیشہ قبرستان میں رہتے تھے اور تنہا ہی بیٹھتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا

آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ محفوظ رہنے کے لیے تنہائی سے بہتر میں نے کسی چیز کو نہیں پایا اور قبر کی طرح کوئی نصیحت کرنے والا نہیں پایا۔ اور اپنے اعمال کو دیکھنے رہنے سے زیادہ بہتر کوئی ساتھی نہیں پایا حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اولیاء اللہ میں سے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حج کو جا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سفر میں آپ کے ساتھ رہوں۔ آپ نے جواب دیا یہ خیال ترک کر دیں۔ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے پردہ ستاری میں اپنی زندگی بسر کروں۔ کیونکہ ممکن ہے جب ہم دونوں اکٹھے رہیں۔ تو ہم میں سے ہر ایک، ایک دوسرے سے ایسی چیز دیکھے جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو دشمن بنا لیں۔ تو یہ بھی گوشہ نشینی کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ تاکہ انسان کی انسانیت کا پردہ اپنی جگہ پہ قائم رہے اور باطنی حالات ظاہر نہ ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات آدمی کی بہت سی ایسی باتیں جو نہ دیکھی ہوتی ہیں نہ سنی ہوتی ہیں سامنے آجاتی ہیں۔

پانچواں فائدہ:

یہ ہے کہ لوگوں کی امیدیں اور ان کا طمع اس سے کٹ جاتا ہے اور اس کے طمع کا سلسلہ لوگوں سے ختم ہو جاتا ہے۔ اور دونوں طرف کے طمع اور امیدوں سے بہت سی نافرمانیاں اور تکلیف دہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ بندہ جب دنیا داروں کو دیکھتا ہے تو اس میں حرص پیدا ہوتی ہے۔ حرص سے طمع پیدا ہوتا ہے۔ اور طمع سے ذلت و خواری حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ الایۃ	نہ کھول اپنی دونوں آنکھیں اس کی طرف جو قسم قسم کا سامان ہم نے ان کے لوگوں کو دے رکھا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی خوشنما دنیا کی طرف نہ دیکھیں کیونکہ درحقیقت یہ دنیا ان کے لیے فتنہ ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص دنیا کے ساز و سامان میں تم سے بڑھ کر ہو۔ اس کی طرف نہ دیکھو۔ کیونکہ اس طرح جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھی ہیں۔ تمہاری نگاہ میں حقیر ہو جائیں گی۔ اور جو شخص مالدار لوگوں کی نعمتوں کی طرف دیکھتا۔ اس کے حاصل کرنے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ لیکن حاصل نہیں کر سکتا مگر اپنی آخرت کا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ اور ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو صبر کی مشقت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور صبر کی مشقت برداشت کرنا بھی بڑی مشکل بات ہوتی ہے۔

چھٹا فائدہ:
یہ ہے کہ ناپسندیدہ اور احمق لوگوں اور ان لوگوں کو دیکھنے سے جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے بچا رہتا ہے۔
حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا آپ کی آنکھ میں کیوں خلل واقع ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ میں نے اپنی آنکھ کو ناپسندیدہ لوگوں کو دیکھنے سے بچایا ہوا ہے۔
مشہور حکیم جالینوس کا قول ہے کہ جس طرح جسم کو بخار ہوتا ہے۔ روح کو بھی بخار ہوتا ہے۔ اور روح کا بخار ناپسندیدہ لوگوں کو دیکھنا ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی کسی ناپسندیدہ آدمی کے پاس بیٹھا۔ اس سے میں نے اس آدمی سے بھی زیادہ ناپسندیدہ باتیں دیکھیں۔ اور یہ فائدہ اگرچہ دنیا سے تعلق رکھتا ہے تاہم دین بھی اس سے کسی حد تک وابستہ ہے۔ کیونکہ جب وہ ایسے آدمی کو دیکھے گا جسے دیکھنا اس کو اچھا نہیں لگتا۔ تو زبان یا دل سے اس کی غیبت کے گناہ میں مبتلا ہو گا۔ اور جب گوشہ نشین رہے گا۔ تو سب باتوں سے محفوظ رہے گا۔ یہ ہیں گوشہ نشینی کے فوائد۔

گوشہ نشینی کی آفات

جاننا چاہیئے کہ بعض دینی اور دنیاوی مقاصد ایسے ہیں۔ جو دوسروں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اور میل جول کے بغیر انسان انہیں حاصل نہیں کر سکتا اور گوشہ نشین ہونے کی صورت میں وہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا فوت ہونا بندے کے لیے آفت اور نقصان دہ چیز ہے۔ ان آفات کی تعداد بھی چھ ہے۔

پہلی آفت:
یہ ہے کہ آدمی علم سیکھنے اور سکھانے سے محروم رہتا ہے۔ جان لو کہ جو شخص وہ علم بھی نہ سیکھے جو فرض ہے اور گوشہ نشینی اختیار کرے تو ایسی گوشہ نشینی حرام ہے۔ اور اگر اتنا علم سیکھ چکا ہے جو فرض ہے اور باقی علم نہیں سیکھ سکتا اور نہ ان کے سمجھنے کی اس میں استعداد ہے تو ایسا شخص اگر عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرے تو جائز ہے۔ اور اگر وہ ایسا آدمی ہے کہ شریعت کے تمام علوم سکھا سکتا ہے تو اس کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا عظیم خسارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص علم حاصل کرنے سے پہلے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اس کا زیادہ وقت خواب و خیال اور بے کار اور فضول تفکرات میں ضائع ہو جاتا ہے اور اگر ہر روز اور

ہمیشہ عبادت میں مشغول رہے گا۔ جب علم میں پختہ نہیں ہوگا تو غرور اور تکبر سے خالی نہ رہ سکے گا۔ اور جو چیز یں عقیدے میں منع اور گناہ ہیں۔ ان سے بھی خالی نہ رہ سکے گا۔ اور اس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی شان کے متعلق بہت سے ایسے خیالات گزرتے رہیں گے جو کفر یا بدعت ہوں گے۔ اور وہ جانتا بھی نہ ہوگا۔ مختصر بات یہ ہے۔ کہ گوشہ نشینی علماء کو اختیار کرنی چاہیئے۔ نہ کہ عوام کو۔ کیونکہ عوام بیمار کی طرح ہیں۔ اور بیمار کے لیے نہیں چاہیئے کہ طبیب سے دور بھاگ جائے۔ کیونکہ جب وہ اپنا علاج خود کرنے بیٹھے گا۔ تو اپنے آپ کو بہت جلد ہلاک کر ڈالے گا۔ اور دینی تعلیم دینے کا درجہ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ جو شخص عالم ہو۔ اور اس پہ عمل کرتا ہو۔ اور دوسروں کو بھی علم سکھاتا ہو۔ اسے آسمانوں کے اندر بڑے آدمی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور تعلیم اسی وقت دی جاسکتی ہے۔ جبکہ گوشہ نشینی سے دور رہتے۔ لہٰذا دین کی تعلیم دنیا گوشہ نشینی سے بہتر ہے۔ بشرطیکہ اس کی اور سیکھنے والے کی نیت دین ہو۔ نہ کہ مرتبے اور مال کی چاہت اور چاہیئے۔ کہ وہ علم سکھائے۔ جو دین میں نفع مند ہو۔ اور اس علم کو پہلے سکھائے۔ جو زیادہ ضروری ہو۔ مثال کے طور پر جب طہارت کے مسائل۔ بیان کرنا شروع کرے۔ تو یہ بتائے۔ کہ کپڑوں کو تو پاک رکھنا مختصر اور آسان بات ہے۔ اس طہارت سے اصل مقصود دوسری چیز ہے۔ اور وہ آنکھ کان زبان اور تمام اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھنا ہے۔ اور اس کی تفصیل بیان کرے اور اس پہ عمل کی تاکید کرے۔ اور اگر پڑھنے والا اس پہ عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے آگے علم کی تلاش کرتا ہے۔ تو اس کا مقصود مرتبے کا حصول ہے۔ اور جب اس طہارت کے بیان سے فارغ ہو جائے۔ تو کہے کہ اس سے مقصود ایک دوسری طہارت ہے۔ جو اس سے بھی بلند ہے۔ اور وہ دل کو دنیا اور خدائے تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز کی دوستی سے پاک کرنا ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کا معبود نہ رہے۔ اور جو شخص اپنی خواہش میں گرفتار ہے۔ اور اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے ایسا شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت سے محروم ہے۔ اور انسان خواہش سے کٹ جانے کا طریقہ نہیں پہچان سکتا جب تک کہ اُس مضمون کو نہ پڑھے جو ہم نے مہلکات (تباہ کرنے والے اعمال) اور منجیات (نجات دینے والے اعمال) کے باب میں بیان کیا ہے۔ اور اس کا جاننا سب لوگوں پر فرض عین ہے۔

اور جو طالب علم اس علم سے فارغ ہونے سے پہلے حیض اور طلاق خراج (زمین کا مالیہ) فتویٰ اور جھگڑے کا علم حاصل کرتا ہے یا مذہب کے اختلافات یا علم کلام یا علم جدل و مناظرہ حاصل کرتا ہے یا معتزلہ اور کرامیہ فرقوں کے عقائد کا علم حاصل کرتا ہے یا مذہب کے اختلافات یا علم کلام یا علم جدل و مناظرہ حاصل کرتا ہے یا معتزلہ اور کرامیہ فرقوں کے عقائد کا علم کلام یا علم جدل و مناظرہ حاصل کرتا ہے یا معتزلہ اور کرامیہ فرقوں

کے عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے تو جان لو۔ کہ وہ مرتبے اور مال کا طالب ہے نہ کہ دین کا۔ کیونکہ اس کا شر عظیم ہے اس سے دور رہنا چاہیئے۔ اور جبکہ وہ شیطان کے ساتھ جو اسے ہلاک کرنے کے درپے ہے۔ مناظرہ نہیں کرتا۔ اور اپنے نفس کے ساتھ جو اس کا بدترین دشمن ہے نہیں جھگڑتا اور چاہتا ہے کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ وغیرہ سے جھگڑتا رہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان نے اس پر پورا قبضہ کر لیا ہے اور اس پر ہنستا ہے۔ اور جو عادتیں اس کے اندر ہیں۔ جیسے حسد۔ تکبر۔ ریا۔ اپنے آپ کو اچھا جاننا۔ دنیا کی دوستی اور مرتبے و مال کی حرص۔ تو یہ سب پلیدی اور نجاست ہے۔ جو اس کی ہلاکت کا سبب ہے۔ جب اپنے دل کو اس سے پاک نہیں کرتا۔ تو اس کے لیے نکاح کے فتووں طلاق۔ سلم اور اجارہ کے مسائل میں مصروف ہونا کب درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان میں غلطی کر بیٹھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ دو نیکیوں میں سے ایک کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے اجتہاد کیا اور درستی پر قائم رہا۔ اس کے لیے دو درجے ثواب ہے اور اگر غلطی واقع ہوگئی تو ایک درجہ ثواب ہے۔ پس اگر امام شافعی یا امام ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرے۔ تو اس کا یہی فائدہ ہے۔ کہ مسائل سے آگاہ ہو جائے گا۔ اور جب ان مذکورہ بری صفات کو اپنے آپ سے دور نہ کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اس کا دین ہی ضائع ہو جائے گا۔ اور زمانے کا حال کچھ اس طرح کا ہو چکا ہے۔ کہ بڑے سے بڑے شہر میں سے بھی ایک یا دو آدمیوں سے زیادہ ایسے اشخاص نہیں ملیں گے جو اس طرح کا علم حاصل کرنے کی چاہت رکھتے ہوں۔ اس لیے مدرس کے لیے بھی گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسے آدمی کو علم سکھاتا ہے جو دنیا حاصل کرنا چاہتا ہو۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسے آدمی کے پاس تلوار فروخت کرے جو ڈاکہ زنی کرنا چاہتا ہو۔ اور اگر علم سکھانے والا یہ کہے کہ شاید کسی دن ایسا شاگرد دین کی خدمت کا ارادہ بھی کرے تو یہ اس طرح ہے۔ کہ تلوار فروخت کرنے والا یہ خیال کرے کہ شاید یہ ڈاکو کسی دن ڈاکے سے اور چوری سے توبہ کر لے اور کافروں سے جہاد شروع کر دے۔ اور اگر وہ استاد یہ تاویل کرے۔ کہ تلوار تو توبہ نہیں سکھاتی۔ اور علم توبہ سکھاتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ فتویٰ جات۔ جھگڑے کی باتوں کا علم اور علم کلام اور نحو و لغت کا علم بھی کسی کو خدا تک نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ ان علوم میں سے کسی علم میں بھی دین کی رغبت اور حرص و چاہت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ ان علوم میں سے ہر ایک علم کے ذریعے دل میں حسد۔ فخر۔ تکبر اور تعصب کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ اور یہی چیزیں دل میں پرورش پاتی ہیں۔ سننا اور ہے۔ دیکھنا اور ہے۔ تم مشاہدہ کر لو۔ کہ جو لوگ ان علوم میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ کس حال میں زندہ رہتے ہیں۔ اور کس حال میں مرتے ہیں۔ اور جو علم آخرت کے سامان کی تیاری کی دعوت دیتا اور دنیا سے ہٹاتا ہے۔

وہ علم حدیث و تفسیر ہے۔ اور وہ علم ہے جس کا ذکر ہم نے باب مہلکات اور منجیات میں کیا ہے۔ تولا محالہ اسی علم کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ جو ہر شخص کو متاثر کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ وہ لوگ متاثر نہیں ہوتے جن کے دل بہت سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اس علم کو جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو اس سے گوشہ نشینی اختیار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص علم حدیث و تفسیر اور دوسرا ضروری علم حاصل کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پہ مرتبے اور طلب جاہ بھی غالب ہو تو چاہیئے کہ اسے علم سکھانا چھوڑ دے کیونکہ اگرچہ اسے تعلیم دینے میں دوسرے لوگوں کا بہت سا فائدہ ہے۔ تاہم وہ خود تو تباہ و برباد ہو رہا ہے اور دوسروں کی خاطر اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے دین کی ان لوگوں سے مدد کرائے گا جن کا خود اس میں سے کچھ حصہ نہ ہوگا۔ ایسے شخص کی مثال چراغ کی سی ہے کہ گھر تو اس سے روشن ہوتا ہے۔ اور وہ خود جل رہا اور کم ہو رہا ہوتا ہے۔ اور اسی بناء پر حضرت حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی کتابوں کے سات دفتر جو آپ نے سنے ہوئے تھے خاک میں دفن کر دیئے۔ اور حدیث روایت کرنا چھوڑ دی۔ اور فرمایا کہ میں اس لیے حدیث کی روایت کرنا ترک کر رہا ہوں کہ اس کی خواہش اپنے اندر پاتا ہوں۔ اگر خاموشی کی چاہت پاتا تو حدیث روایت کرنا ترک نہ کرتا۔

بزرگوں نے اس طرح فرمایا ہے۔ کہ حَدَّثَنَا (حدیث بیان کی ہم سے) دنیا کے بابوں میں سے ایک باب ہے۔ جو بھی حَدَّثَنَا کے الفاظ کہنا پسند کرتا ہے وہ دراصل یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اپنے آگے بٹھائیں۔ اور عزت کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کرسی پہ بیٹھا ہوا تھا۔ فرمایا یہ شخص دراصل یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں اور اس کی شخصیت کو دیکھیں۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہر روز نماز صبح کے بعد لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت چاہی آپ نے اسے اجازت نہ دی۔ اس شخص نے کہا کہ آپ وعظ و نصیحت سے روکتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے۔ کہ اس طرح تو تکبر و غرور میں مبتلا ہو جائے اور اپنے آپ کو تحت الثریٰ میں گرا دے۔

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے حضرت سفیان ثوری سے فرمایا تم اچھے آدمی ہو۔ بشرطیکہ دنیا کو دوست نہ رکھو۔ فرمایا وہ کس طرح۔ تو انہوں نے کہا اس لیے کہ تم حدیث روایت کرنے کو پسند کرتے ہو۔

حضرت ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ تمہارے ساتھ مجلس کرے اور تم سے علم حاصل کرے۔ تو اس زمانے میں ایسے لوگوں سے بھی بچو اور دور رہو۔ کیونکہ ان لوگوں کے پاس نہ تو ضرورت کے مطابق مال ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی دوسری اچھائی۔ ایسے لوگ بظاہر دوست ہوتے ہیں۔ لیکن اندر سے دشمن ہوتے ہیں۔ سامنے صفت و ثنا کرتے ہیں مگر پیٹھ پیچھے غیبت اور برائی کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ منافقت نکتہ چینی اور مکر و فریب سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تجھے اپنے برے مقاصد کے لیے سیڑھی بنائیں اور استعمال کریں۔ تجھے اپنی خواہشات کی تکمیل میں اپنا ٹٹو بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ تو ان کے لیے بڑے مقاصد کے لیے شہر میں گھومتا پھرے اور جب وہ تیرے پاس آتے ہیں۔ تو اس کا بڑا احسان جتلاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تو اپنی عزت۔ اپنا مرتبہ اور اپنا مال ان پر قربان کر دے۔ اس کے بدلے کہ وہ تیرے پاس آئے ہیں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے حقوق اور اپنے رشتہ داروں اور تعلق داروں کے حقوق کو ادا کرے۔ یہ لوگ دراصل تجھے بے وقوف بناتے ہیں۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تو ان کے دشمنوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش آئے اور اگر کسی وقت تو ان کی بات نہ مانے اور ان کی رائے کے خلاف کرے۔ تو پھر دیکھ کہ کس طرح تجھ پر اور تیرے علم پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کس طرح تجھ سے اپنی دشمنی ظاہر کرتے ہیں۔ صورت حال کچھ ایسی ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا کہ آج کل کے شاگرد استادوں کو مفت ہی قبول نہیں کرتے پہلے تجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ تو ان کا وظیفہ جاری کرائے مدرس بے چارا اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ کہ شاگرد کو نظر انداز کرے اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے باعزت انسان ظاہر کرے اور ان کا وظیفہ جاری نہیں کرا سکتا۔ جب تک ظالموں کی خدمت اور ان کے سامنے دین میں سستی نہ دکھائے۔ اور ان کے سامنے اپنے دین کو برباد نہ کرے۔ اور پھر شاگردوں سے خود کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے۔ تو جو مدرس تعلیم دے سکتا ہے اور ان آفات سے بھی دور رہ سکتا ہے تو اس کے لیے تعلیم دینے کا کام گوشہ نشینی سے بہتر ہے۔ عام آدمی کے لیے یہ حکم ہے کہ جس عالم کو دیکھے کہ مجلس میں بیٹھتا ہے اور درس و تدریس کرتا ہے۔ اس کے بارے میں برا گمان نہ کرے۔ کہ شاید یہ مال و جاہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ بلکہ نیک گمان کرے کہ یہ خدا کے لیے کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھے۔ اور جب باطن میں پلیدی ہو۔ تو نیک گمان کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ دوسروں کو بھی اپنے اوپر ہی قیاس کرتا ہے۔ یہ باتیں اس لیے بیان کی ہیں۔ تاکہ عالم اپنی شرط کو پہچانے۔ اور عام آدمی اپنی حماقت کے باعث کوئی بہانا نہ تراشے۔ اور علماء کی عزت میں کوتاہی نہ کرے۔ کیونکہ اس برے گمان کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائیگا۔

دوسری آفت:

یہ ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے سے نفع حاصل کرنے اور نفع پہنچانے سے محروم رہتا ہے۔ نفع حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ روزی کمانا میل جول کے بغیر میسر نہیں آتا۔ اور جو شخص عیال دار ہو اور روزی کمانے میں مشغول نہ ہو۔ بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے اہل و عیال کے حقوق ضائع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اگر گزارے کے مطابق اہل و عیال کے لیے ذریعہ معاش ہو۔ یا عیال ہی نہ ہو تو اس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے۔ نفع پہنچانے کی صورت یہ ہے۔ کہ صدقہ و خیرات کرے اور مسلمانوں کے حقوق ادا کرے۔ اور گوشہ نشینی اختیار کرنے میں ظاہری عبادت میں مشغول ہونے کے سوا اور کچھ نہ کرے۔ تو حلال روزی کمانا اور صدقہ و خیرات کرنا اس کے لیے گوشہ نشینی سے بہتر ہے اور اس کے باطن میں خدائے تعالیٰ کی معرفت کا راستہ کشادہ ہو چکا ہے۔ اور خدا سے مناجات کرنے میں اُسے انس و محبت پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ بات صدقہ و خیرات سے بہتر ہے۔ کیونکہ تمام عبادتوں سے اصل مقصود یہی ہے۔

تیسری آفت:

یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق و عادات اور ان کے سلوک پر صبر کرنے کے باعث جو ریاضت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے ہر اس شخص کے لیے جس نے ابھی ریاضت نفس مکمل نہ کر لی ہو۔ کیونکہ نیک خلق تمام عبادات کی اصل ہے۔ اور یہ میل جول کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اچھی خو اور عادت اس کا نام ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر اور برداشت سے کام لے۔ صوفیائے کرام کے خادم اور درویش اسی نیت سے میل جول رکھتے ہیں۔ تاکہ عوام سے اپنی حاجت بیان کر کے رعونت اور تکبر کے بُت کو توڑیں۔ اور صوفیا کے لیے نان و نفقہ مہیا کر کے بخل کی زنجیر کو کاٹیں۔ اور لوگوں کی بدسلوکی برداشت کر کے اپنے آرام سے الگ رہیں اور ان کی خدمت میں رہ کر برکت۔ دعا اور ان کی توجہ سے حصہ حاصل کریں۔ پہلے وقتوں میں اول کام یہی ہوتا تھا۔ اگرچہ اب نہیں ہے۔ اور محض خیالات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا مقصود مرتبے اور مال کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص ریاضت میں مکمل ہو چکا ہے۔ اور گوشہ نشینی سے بھی اونچی بات حاصل کرنے کا مستحق ہو چکا ہے۔ کیونکہ ریاضت کا یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ ہمیشہ تکلیف ہی اٹھاتا رہے جس طرح دوا سے مقصود اس کی تلخی سے متاثر ہونا نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ بیماری دور ہو جائے۔ اور جب بیماری

دور ہوگئی۔ تو ہمیشہ اپنے آپ کو تلخی میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ مقصود ریاضت و مجاہدہ سے بھی ایک اور بلند چیز ہے۔ اور وہ خدائے تعالیٰ کی یاد کے ذریعے اس سے انس و محبت کرنا ہے۔ اور ریاضت و مجاہدہ سے مقصود یہ ہوتا ہے۔ کہ جو چیز اس انس و محبت کے راستے میں رکاوٹ بنے تو اپنے آپ اسے دور کر دے۔ تاکہ یاد الٰہی میں مصروف ہو سکے۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح خود اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ میں ڈالنا ضروری ہے اسی طرح دوسروں کو ریاضت و مجاہدہ اور اچھی تربیت کی طرف رغبت دلانا بھی دین کی اہم ارکان میں سے ہے اور دوسروں کو رغبت دلانے کا یہ کام گوشہ نشینی کی حالت میں میسر نہیں آسکتا۔ بلکہ مرشد کامل کے لیے مریدوں کے ساتھ میل جول رکھنے کے سوا کوئی چارا نہیں۔ اور اس کا ان سے کنارہ کشی کرنا مناسب نہیں۔ لیکن جس طرح جاہ اور ریا کی آفت سے بچنا ضروری ہے۔ علماء اور مشائخ کے لیے بھی محتاط رہنا ضروری ہے۔ اور جب ان کا مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ میل جول شرط اور قاعدے کے مطابق ہوگا۔ تو ان کے اندر رہنا خلوت نشینی سے بہتر ہوگا۔

چوتھی آفت

یہ ہے کہ گوشہ نشینی میں وسوسے دل پر غلبہ کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ دل ذکر سے نفرت کرنے لگے اور سستی میں اضافہ ہو جائے اور یہ خرابی لوگوں کے ساتھ میل جول کے بغیر دور نہیں ہو سکتی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ اگر مجھے وسوسوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دل کو دوسرے دل سے راحت حاصل کرنی چاہیئے۔ کیونکہ دل کو جب ایک ہی بات پر مجبور کرو گے تو وہ نابینا ہو جائے گا۔ تو چاہے کہ ہر دن کوئی ایسا ساتھی ہو۔ جس سے انس و محبت کا تعلق قائم رہے۔ تاکہ اسے راحت حاصل ہو۔ اور طبیعت کے خوش رہنے میں اضافہ ہوتا رہے۔ لیکن یہ ایسا آدمی ہونا چاہیئے جس کی سب باتیں دین سے تعلق رکھتی ہوں اور جو دین کے اندر اپنے آپ کو کوتاہ سمجھتا ہو۔ اور جو ہر وقت دین کے اسباب کی تدبیر میں سوچنے میں مصروف رہتا ہو۔ اہل غفلت کے ساتھ بیٹھنا اگرچہ ایک ہی گھڑی کے لیے ہو نقصان دہ ہے۔ اور وہ صفائی جو حاصل ہوتی ہے۔ جاتی رہتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر آدمی اپنے دوست کے طور طریقے پر ہوتا ہے لہٰذا تم اس بات کا خیال رکھو۔ کہ تمہاری دوستی کیسے آدمی سے ہے۔

پانچویں آفت:

یہ ہے کہ بیمار پرسی کے ثواب۔ جنازے کے ساتھ جانے کے ثواب۔ دعوت میں شریک ہونے کے ثواب اور لوگوں کو مبارک باد دینے ان کی ماتم پرسی کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے سے آدمی محروم رہ جاتا ہے اور ان کاموں میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔ اور رسم و رواج۔ نفاق بناوٹ وغیرہ کی خرابیاں ان میں پیدا ہو چکی ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو ان کاموں کی آفات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔ ایسے لوگوں کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے۔ اور بہت سے سلف صالحین نے ایسا ہی کیا ہے یہ سب کچھ انہوں نے اپنی آخرت کی سلامتی کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ انہیں سلامتی گوشہ نشینی میں ہی نظر آئی۔

چھٹی آفت:

یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں ایک قسم کی تواضع اور انکساری پائی جاتی ہے۔ اور گوشہ نشینی میں تکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے۔ کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے کا باعث تکبر اور سرداری کا خیال ہی ہو۔ ایسے شخص کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ وہ تو کسی کی زیارت اور ملاقات کو نہ جائے۔ لیکن لوگ اس کی زیارت اور ملاقات کو آئیں۔

حکایت:

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا دانا آدمی تھا جس نے حکمت اور دانائی کی باتوں میں تین سو ساٹھ کتابیں لکھی تھیں۔ آخر کار اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ میرا اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں بہت بڑا درجہ ہے۔ اس زمانے کے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ کہ اس سے کہہ دو۔ کہ تو نے روئے زمین پر اپنی شہرت کروا دی ہے۔ میں تیری کسی بات کو بھی قبول نہیں کرتا۔ تو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس خیال سے توبہ کی۔ اور ایک الگ کونے میں جا بیٹھا۔ اور کہا اب خدائے تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا۔ پھر وحی آئی۔ کہ میں اس سے خوش نہیں ہوں۔ تو وہ خلوت خانے سے باہر آیا۔ اور بازاروں میں جانا اور لوگوں سے میل جول کرنا شروع کیا۔ اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس وقت خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اب میں تجھ سے خوش ہوں اور تو نے مجھے پا لیا ہے۔

پس جان لو۔ کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ مجمعوں اور محفلوں اور مجلسوں میں لوگ اس کی عزت نہیں کرتے۔ یا اس بات سے ڈرتا ہے کہ لوگ اس کے علم یا عمل میں کسی خرابی سے واقف ہو جائیں گے۔ اور اس طرح اس کوتاہی کا پردا چاک ہو جائے گا۔ اور ہمیشہ

اس آرزو میں رہے۔ کہ لوگ اس کی زیارت کرنے آئیں اور اسے بابرکت جانے اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیں تو یہ گوشہ نشینی عین نفاق ہے۔ اور اس بات کی ایک علامت یہ ہے کہ گوشہ نشینی حق اور خیر کے لیے ہے۔ اس لیے تنہائی کے کونے میں بیکار نہ بیٹھا رہے۔ بلکہ ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ یا علم و عبادت میں۔ دوسری علامت یہ ہے۔ کہ لوگوں کے اس کی زیارت کے لیے آنے کو بُرا جانے۔ البتہ اس شخص کے اپنے پاس آنے کو بُرا نہ جانے جس سے دینی فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالحسن حاتمی جو خواجگان طوس میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہما جو اونچے درجے کے اولیاء میں سے تھے سلام عرض کرنے کے لیے گئے۔ جب ان کے پاس پہنچے۔ تو عذر کرنے لگے۔ کہ میں کوتاہی کرتا ہوں۔ کہ آپ کی خدمت میں بہت کم پہنچتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خواجہ صاحب عذر خواہی نہ کیجیے۔ کیونکہ لوگ زیارت کے لیے آنے کو احسان سمجھتے ہیں۔ اور میں نہ آنے کو احسان سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ہمیں کسی بڑے آدمی کے ہمارے پاس آنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو ایک ہی شخصیت کے آنے کی پرواہ ہے۔ یعنی عزرائیل فرشتے کے آنے کی۔ ایک امیر آدمی حضرت حاتم اثم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کہا۔ آپ کوئی حاجت اور ضرورت رکھتے ہیں۔ فرمایا ہاں اور وہ یہ ہے کہ آئندہ تو مجھے نہ دیکھے اور میں تجھے نہ دیکھوں۔ اور جاننا چاہیئے کہ اس لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں۔ بہت بڑی جہالت ہے۔ کیونکہ کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ مخلوق کا کوئی کام بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ اس بات کو بھی جانے۔ کہ اگر کسی پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے گا۔ تو نکتہ چین آدمی یہ کہے گا کہ یہ نفاق میں مبتلا ہے۔ اور اگر شراب خانے جائے گا۔ تو جو اس کے دوست اور مرید ہیں۔ اس کی ملامت اور برائی کریں۔ تاکہ اپنے آپ کو لوگوں کی آنکھوں سے گرا دے۔ بہر حال لوگوں کے ایسے آدمی کے حق میں دو گروہ بن جاتے ہیں۔ کچھ اس کو اچھا کہیں گے۔ کچھ بُرا کہیں گے۔ اس لیے چاہیے کہ دل دین میں لگائے نہ کہ لوگوں میں۔ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو کسی کام کا حکم دیا۔ اس نے کہا۔ میں لوگوں کی طعن و تشنیع کے خوف سے یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت سہل نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ کہ کوئی شخص بھی اس کام کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ جب تک اپنے اندر دو باتیں پیدا نہ کرے۔ یا تو ساری مخلوق اس کی آنکھوں میں کچھ حیثیت نہ رکھتی ہو کہ وہ خالق کے سوا کسی کو نہ دیکھتا ہو۔ یا اس کا نفس اس کی نگاہ سے گر چکا ہو۔ اور اسے کوئی پرواہ نہ ہو اور لوگ اُسے جس حال میں بھی دیکھیں۔ اس کا خیال نہ ہو۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ ایک گروہ آپ کی مجلس میں آتا ہے۔ اور آپ کی باتیں یاد کرتا ہے کہ آپ پر اعتراض کرے۔ اور آپ کے عیب تلاش کرے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب سے

میرے نفس میں فردوس اعلیٰ کا اور خدائے تعالیٰ کے پڑوس میں رہنے کا شوق پیدا ہو چکا ہے۔ لوگوں کی طرف سے سلامتی کا خیال نکل چکا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی زبان سے تو ان کا خالق بھی سلامت نہیں رہا۔ مختصر یہ کہ تونے گوشہ نشینی کے فائدے اور نقصانات جان لیے ہیں۔ ہر آدمی کو چاہیئے کہ اپنا محاسبہ کرے۔ اور اپنے آپ کو ان فوائد و آفات کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے۔ کہ اس کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے یا لوگوں میں رہنا۔

گوشہ نشینی کے آداب

جب کسی نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ تو چاہیئے کہ یہ نیت کرے۔ کہ میں اس گوشہ نشینی کے ذریعے اپنے شر سے لوگوں کو بچاتا ہوں۔ اور لوگوں کے شر سے اپنے آپ کو بچاتا ہوں۔ اور اس کی یہ نیت بھی ہو۔ کہ عبادت الٰہی کے لیے فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور چاہیئے کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ جانے دے۔ بلکہ ذکر و فکر اور علم و عمل میں مشغول رہے۔ اور لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت بھی نہ دے اور گوشہ نشینی میں بیٹھ کر اپنے شہر کے بڑے بڑے لوگوں کے حالات بھی دریافت نہ کرے کیونکہ جو چیز بھی وہ سنے گا اس کی تخم ریزی اس کے اپنے سینے میں بھی ہو جائے گی۔ اور چاہیئے کہ خلوت کے درمیان سر اپنے سینے کی طرف رکھے۔ اور خلوت میں سب سے بڑا کام یہ ہے۔ کہ نفسانی خیالات کو بالکل کاٹ کر رکھ دے۔ تاکہ ذکر الٰہی نکھر جائے۔ اور صاف ہو جائے۔ اور لوگوں کی باتیں اور حالات پوچھنا نفس کی باتوں کا تخم اور بیج ہے۔ اور چاہیئے کہ گوشہ نشینی کی حالت میں مختصر خوراک اور معمولی لباس پر کفایت کرے۔ ورنہ لوگوں کے میل جول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور چاہیئے کہ ہمسایوں کے رنج اور تکلیف پر صبر و ضبط سے کام لے۔ اور اس کی جتنی بھی صفت یا مذمت کریں اُس طرف کان نہ لگائے اور دل کو اُس میں مبتلا نہ کرے۔ اور اگر اُسے گوشہ نشینی کی حالت میں لوگ منافق اور ریاکار کہیں یا مخلص اور متواضع کہیں اور اُسے متکبر اور مکار کہیں تو بھی ان باتوں پر کان نہ دھرے کیونکہ ان باتوں میں پڑنا اپنے سارے قیمتی وقت کو برباد کرنا ہے۔ اور گوشہ نشینی سے مقصود یہ ہے کہ آخرت کے کاموں میں مشغول اور مستغرق رہے۔

ساتویں اصل سفر کے آداب میں!

جاننا چاہیئے کہ سفر دو طرح کا ہے - ایک باطن کا سفر اور ایک ظاہر کا سفر۔ باطن کا سفر دل کا سفر ہے جو آسمانوں اور زمین اور خدائے تعالیٰ کی کاریگری کے عجائبات ہیں اور دین کے راستے کی منزلوں میں ہوتا ہے۔ اور مردوں کا سفر یہی ہے کہ جسم سے تو گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور دل سے بہشت میں جس کی کشادگی سات آسمانوں اور زمین کی مقدار کے برابر ہے - بلکہ اس سے بھی زیادہ کھلی فضا میں گھومتا ہے۔ کیونکہ ملکوت کے عالم عارفوں کی بہشت ہے - یہ ایسی بہشت ہے کہ اس میں ممانعت رکاوٹ اور تصادم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی - اللہ تعالیٰ اس ملک کی طرف سفر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے بادشاہوں کو نہیں دیکھا۔ اور ان چیزوں کو بھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

اور جو شخص یہ سفر اختیار نہ کر سکے اسے چاہیئے کہ ظاہر سفر اختیار کرے اور بدن کو ہر ایسی جگہ لے جائے جہاں اسے فائدہ ہوتا ہے۔ اس شخص کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو اپنے پاؤں سے چل کر کعبے جائے تاکہ اس کی ظاہری عمارت کو دیکھے۔ اور اُس دوسرے کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو ایک جگہ بیٹھا ہو اور کعبہ اس کے پاس آئے اور اس کے گرد طواف کرے۔ اور اپنے اسرار و رموز اس سے بیان کرے۔ ان دونوں آدمیوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے شیخ ابوسعید فرماتے تھے کہ نامرد لوگوں کے تو پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں اور مردوں کی سرینوں میں۔

اس کتاب میں ظاہری سفر کے آداب دو بابوں میں بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ باطنی سفر کی شرح بڑی دقیق اور باریک ہے۔ یہ کتاب اس کی شرح کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

باب اول سفر کی نیت اور اس کے اقسام و آداب کے بیان میں دوسرا باب سفر کے علم اور اس میں رخصت کے بیان میں۔

باب۔ اوّل

نیت سفر اور اس کے انواع و آداب کا بیان !

فصل اول: اقسام سفر کے بیان میں :

سفر پانچ طرح کا ہوتا ہے۔ قسم اول علم کی تلاش میں سفر کرنا۔ یہ سفر فرض ہے جب کہ علم کا سیکھنا فرض یا سنت ہو۔ جس علم کا حاصل کرنا سنت ہوتا ہے اس کے لیے سفر تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ شرع کے مسائل سیکھنے کے لیے سفر کرے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جو شخص تلاش علم میں گھر سے نکلتا ہے وہ گھر واپس آنے تک خدائے تعالیٰ کے راستے میں ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس طالب علم کے پاؤں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ سلف صالحین میں سے ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے ایک حدیث کے لیے لمبا لمبا سفر کیا ہے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص شام سے یمن تک کا سفر کرے صرف ایک کلمہ سیکھنے کے لیے جو اس کے دین میں فائدہ مند ہو تو اس کا یہ سفر ضائع نہ ہوگا۔ تاہم اس بات کو ملحوظ رکھے کہ سفر اس علم کی تلاش کے لیے ہو جو توشہ آخرت کا ذریعہ ہو۔ اور جو علم کہ بندے کو دنیا سے آخرت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف ریا سے اخلاص کی طرف اور مخلوق سے ڈرنے کے بجائے خالق سے ڈرنے کی طرف راغب نہ کرے۔ وہ نقصان اور خسارے کا موجب ہے۔

علم سنت کے لیے سفر کی دوسری وجہ :

یہ ہے کہ سفر اپنی ذات اور اپنے اخلاص کو پہچاننے کے لیے ہو۔ تاکہ اپنی صفات مذمومہ کے علاج میں مصروف ہو سکے۔ اس غرض کے لیے سفر کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان جب تک گھر میں ہی رہتا ہے۔ اور اس کے کام اس کی منشاومراد کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو نیک گمان کرتا ہے۔ سفر اختیار کرنے سے اس کے باطنی اخلاق سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور ایسے حالات پیش آتے ہیں۔ کہ اپنی کمزوری، بد خوئی اور اپنے عجز و بے بسی کو پہچان لیتا ہے۔ اور جب علت اور مرض معلوم ہوتا ہے تو انسان اس کے علاج کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ اور جس نے سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کی ہوتیں وہ بہت سے اہم کاموں سے رہ جاتا ہے۔

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے گروہ علماء سفر کی دقتیں برداشت کرو تاکہ

پاک ہو سکو۔ کیونکہ جو پانی ایک جگہ کھڑا رہتا ہے گندہ ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ:

یہ ہے کہ اس لیے سفر اختیار کرے تا کہ خشکی اور تری کو پہاڑوں بیابانوں اور مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی خدائے تعالیٰ کی صنعتوں اور قدرتوں کو دیکھے۔ اور حیوانات، نباتات وغیرہ اطراف عالم میں پائی جانے والی عجیب عجیب مخلوقات کو پہچانے۔ اور جانے کہ سب اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس میں رطب اللسان ہیں اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور جس خوش قسمت انسان کی وہ آنکھ کھل چکی ہو جس سے وہ جمادات کی باتیں جو نہ حرف رکھتی ہیں نہ آواز سن سکے۔ اور خط خداوندی جو تمام موجودات کے چہرہ پر لکھا ہوا ہے۔ جو نہ حرف ہے اور نہ تحریر ہے کہ پڑھ سکے اور ان سے اسرار مملکت کی شناخت کر سکے تو اس کی حاجت نہیں کہ جہاں کے گرد طواف کرتا پھرے۔ بلکہ وہ ملکوت آسمانی پر نگاہ ڈالے جو دن رات اس کے گرد طواف کر رہے ہیں اور اپنے عجائبات کے اسرار و رموز اس سے بیان کر رہے ہیں۔ اور پکار رہے ہیں کہ:

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا وَ ہُمۡ عَنۡہَا مُعۡرِضُوۡنَ ۵

آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گذرتے ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

بلکہ اگر کوئی شخص صرف اپنی پیدائش اور اپنے اعضاء و صفات پر نگاہ ڈالے تو ساری عمر اپنے آپ کو ہی عجائب و غرائب کو نظارہ گاہ بنا لے۔ مگر یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ظاہری نگاہ سے گزر کر دل کی آنکھ کھول کر دیکھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "لوگ کہتے ہیں کہ اپنی آنکھیں کھولو تا کہ عجائبات قدرت تم کو نظر آئیں"۔

دونوں باتیں حق اور درست ہیں۔ کیونکہ منزل اول یہ ہے کہ اپنی ظاہری آنکھ کھولے اور ظاہری عجائبات کا نظارہ کرے۔ اس کے بعد دوسری منزل میں داخل ہوگا۔ جس میں باطنی عجائبات کو دیکھے گا۔ اور ظاہری عالم کے عجائبات کی تو حد اور انتہا ہے۔ کیونکہ اس کا اجسام سے تعلق ہے۔ اور وہ متناہی ہیں۔ مگر عالم باطن کے عجائبات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ارواح و حقائق سے ہے۔ اور حقائق کی کوئی انتہا نہیں۔ اور ہر صورت کی ایک حقیقت اور روح ہے۔ صورت کو دیکھنا چشم ظاہر کا کام ہے۔ اور حقیقت کا معائنہ کرنا چشم باطن کو نصیب ہوتا ہے۔ اور صورت انتہائی مختصر چیز ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

کوئی شخص زبان کو دیکھ کر گمان کرے جو کہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ اور دل کو دیکھ کر خیال کرے کہ سیاہ خون کا ایک ٹکڑا ہے تو خیال کرو کہ ظاہری آنکھ کا زبان اور دل کی حقیقت کے سامنے کس قدر تھوڑا حصہ ہے تمام اجزاء کی اور ذرات عالم کی نوعیت ایسی ہی ہے۔ کہ ظاہر میں مختصر دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان کی حقیقت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور جس شخص کو صرف ظاہری آنکھ ہی ملی ہے۔ اس کا مرتبہ گائے بھینس کے مرتبے کے قریب ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعض چیزوں میں ظاہری آنکھ کی چابی ہے۔ اسی وجہ سے تخلیق کائنات کے عجائب دیکھنے کے لیے سفر کرنا خالی از فائدہ نہیں۔

دوسری قسم:

عبادت کے لیے سفر کرنا۔ جیسے حج بیت اللہ، جہاد، قبور انبیاء۔ اولیاء، صحابہ اور تابعین کی زیارت کے لیے سفر۔ بلکہ علماء اور بزرگان دین کی زیارت کرنا اور ان کے چہروں کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اور ان کی دعاؤں کی برکات حاصل کرنا بڑے درجے کی چیز ہے۔ ان کے مشاہدے اور ان کی زیارت کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اتباع اور اقتداء کی رغبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا دیدار بھی عبادت ہے۔ عبادات کے مختلف شعبے ہیں۔ جب اہل اللہ کی صحبت اور ان کے ارشادات بندے کے ساتھی بن جاتے ہیں تو عبادت کے مختلف فوائد کئی گنا۔ بڑھ جاتے ہیں۔ اور اس نیت وارادہ کے تحت بزرگوں کے مقامات و مزارات کی زیارت کرنا بھی روا اور درست ہے۔ اور وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لا تشدوا الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد۔ — نہ کجاوے کسو (سفر اختیار کرو) مگر تین مسجدوں کے لیے۔

یعنی مسجد خانہ کعبہ، مسجد مدینہ منورہ اور مسجد بیت المقدس۔ آپ کا ارشاد مبارک دراصل اس امر کی دلیل ہے کہ صرف بعض جگہوں اور مسجدوں کو متبرک نہ جانو۔ کیونکہ اس امر میں سب برابر و مساوی ہیں۔ ماسوائے ان تین مذکورہ مساجد کے۔ لیکن جس طرح زندہ علماء کرام کی زیارت کرنا اس ممانعت میں داخل نہیں اسی طرح وصال یافتہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزارات مقدسہ کی زیارت کو جانا بالکل روا اور درست ہے۔

تیسری قسم:

اس لیے سفر اختیار کرنا کہ بندہ دین میں خرابی پیدا کرنے والے اسباب سے دور بھاگ سکے۔ جیسے جاہ و مال حکمرانی اور مصروفیات دنیا وغیرہ۔ یہ سفر اس شخص پر فرض ہے جس کے لیے ان اسباب کی وجہ سے

دین کے راستے پر چلنا دشوار ہو چکا ہو۔ یا مشاغل دنیا فراغت کے ساتھ اسے راہ دین پر چلنے میں رکاوٹ نہیں اس طرح انسان اگرچہ مکمل طور پر اپنی ضروریات وحاجات سے فارغ نہیں ہو سکتا تاہم بہت حد تک مصروفیات کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

حدیث میں:

تَدْ نجاَ المخفّفون ۔ ہلکے پھلکے لوگ نجات پا گئے۔

مصروفیات کے بوجھ سے اگرچہ کلیتہً فراغت نصیب نہیں ہو سکتی پھر بھی کم بوجھ والے لوگ اپنے مقصد کے راستے پر چل نکلتے ہیں۔ اور جو شخص لوگوں کے اندر شان وشوکت اور ان کے ساتھ جان پہچان رکھتا ہو۔ تو غالب یہی ہے کہ یہ باتیں اسے خدائے تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس زمانہ میں بالکل غیر متعارف انسان کو بھی بہت سے خطرات لاحق ہیں۔ جان پہچان والا آدمی ان خطرات سے کس طرح نجات پا سکتا ہے۔ یہ ایسا زمانہ ہے کہ تیری جس سے بھی واقفیت وآشنائی ہو اس سے دور بھاگ جائے۔ اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں لوگ تجھے پہچانتے نہ ہوں۔ لوگوں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ توبرہ پشت پر اٹھائے جا رہے ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا فلاں گاؤں میں جا رہا ہوں کہ وہاں خوراک سستے داموں دستیاب ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا آپ بھی اس مقصد کے لیے سفر کو درست جانتے ہیں۔ فرمایا جہاں معیشت فراخ ہوتی ہے وہاں دین زیادہ سلامت رہتا ہے اور دل کو زیادہ فراغت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ آپ ایک شہر میں چالیس روز سے زیادہ قیام نہ فرماتے

چوتھی قسم کا سفر:

سفر تجارت ہے جس سے مقصود دنیا طلبی ہوتی ہے۔ یہ سفر مباح ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو لوگوں کی محتاجی سے بے نیاز کرے تو یہ سفر طاعت بن جاتا ہے اور اگر مقصد زیبائش وآرائش اور تفاخر کے لیے دنیا جمع کرنا ہو تو یہ سفر راہ شیطان میں شمار ہو گا۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ شخص ساری عمر سفر کی تکلیف ومشقت میں ہی رہے گا۔ کیونکہ دنیا کی حرص کی کوئی انتہا نہیں۔ اور آخرکار ڈاکو اچانک حملہ کر کے اس کا سارا مال لوٹ کر لے جائیں گے۔ یا کسی اجنبی ملک میں اس کی موت آجائے گی اور اس کے مال پر وہاں کا بادشاہ قبضہ کر لے گا۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کا مال وارث لے لے اور پھر اسے اپنی نفسانی خواہشات میں صرف کرے۔ اور اس مال کمانے والے کو کبھی یاد بھی نہ کرے۔

اور مال والا مرتے وقت وصیت کر گیا ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔ یا اپنے ذمے قرض چھوڑ گیا ہو اور وارث اسے ادا نہ کرے اور آخرت کا وبال اس کی گردن پر رہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی خسارے کی بات نہیں کہ مال اکٹھا کرنے کی مشقت بھی برداشت کرے پھر آخرت کا وبال بھی اس کے سر پڑے اور فائدہ اور راحت دوسرا آدمی اٹھائے۔

پانچویں قسم کا سفر:

تماشا بینی اور تفریح کے لیے سفر ہے۔ یہ سفر مباح ہے جبکہ تھوڑا اور کبھی کبھی ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص شہروں میں گھومنے کی عادت بنا لے۔ اور اس کے ماسوائے اس کے کوئی غرض و غایت نہ ہو کہ نئے نئے شہروں اور لوگوں کو دیکھے۔ تو اس سفر میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ علماء کا خیال ہے کہ یہ بے مقصد اپنے آپ کو رنج و تکلیف میں مبتلا کرنا ہے جو نہیں چاہیئے۔ اور ہمارے نزدیک یہ سفر حرام نہیں ہے کیونکہ تماشا بینی بھی ایک غرض ہے۔ اگرچہ خسیس درجے کی ہے اور جواز و اباحت ہر شخص کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جب آدمی اس طرح کا خسیس الطبع ہو تو اس کی غرض بھی خسیس اور ادنیٰ نوعیت کی ہو گی۔ لیکن گدڑی پہننے والے ایسے ملنگ جنہوں نے یہ عادت بنا لی ہوتی ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں۔ اور ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ کسی مرشد حقانی کی خدمت میں پابندی کے ساتھ قیام کریں بلکہ محض کھیل تماشا مقصد ہوتا ہے۔ ان میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ عبادت پہ پابندی اور دوام کا مظاہرہ کر سکیں اور ان پر باطن کا راستہ بھی کھلا ہوا نہیں ہوتا اور مقامات تصوف میں کاہلی سُستی اور لاف زنی کے باعث یہ طاقت بھی نہیں رکھتے کہ مرشد حقانی کے حکم سے ایک جگہ پابندی سے بیٹھ جائیں۔ اس طرح بیٹھنے کے بجائے شہروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اور جہاں لقمہ تر میسر آتا ہے۔ وہاں اپنی زیارت کرانے کے لیے قیام کرتے ہیں۔ اور جہاں لقمہ تر میسر نہ آئے وہاں کے خادموں کے حق میں زبان درازی کرتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں اور کسی دوسری جگہ جہاں لقمہ تر کی امید ہوتی ہے، چلے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ کسی جگہ کی زیارت کا بہانہ تراشتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد زیارت ہے۔ حالانکہ مقصد یہ نہیں ہوتا، اگر یہ سفر حرام نہ ہو تب بھی مکروہ ضرور ہے۔ اور یہ لوگ اگرچہ نافرمان اور فاسق نہ بھی ہوں تب بھی بُرے لوگ ہیں۔ اور جو شخص صوفیا کا کھانا کھائے پھر دست سوال دراز کرے اور اپنے آپ کو صوفیوں کی شکل و صورت میں ظاہر کرے فاسق و عاصی ہے۔ اور جو کچھ لوگوں سے حاصل کرتا ہے۔ حرام حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ ہر گدڑی پوش اور پانچ وقت کا نمازی

ہر نمازی صوفی نہیں ہو سکتا۔ صوفی وہ ہے جو اپنے مقصد کی طلب صادق رکھتا ہو۔ اور اس کے حاصل کرنے
میں مصروف ہو۔ یا مقصد کو پا چکا ہو۔ یا اس کی کوشش میں ہو اور ضرورت شدید کے بغیر اس میں کوتاہی
نہ کرے۔ یا اس گروہ صوفیا کی خدمت میں مصروف و مشغول ہو۔ ان تین قسم کے لوگوں کے علاوہ اور لوگوں کو
صوفیا کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اور جو شخص عادل اور ثقہ ہو مگر اس کا باطن مقصد کی طلب و مجاہدہ سے خالی
ہو۔ اور صوفیاء کی خدمت میں بھی مشغول نہ ہو۔ وہ چاہے گدڑی پوش ہو صوفی نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی شخص نے
جیب تراشوں کے لیے کوئی چیز وقف اور مباح کر دی ہو۔ اور ان جیب تراشوں نے صوفیوں کی شکل و صورت
کا روپ دھار رکھا ہو۔ ان کی صفت و سیرت کا ان میں کوئی نشان نہ ہو تو ایسے لوگ اگر کسی کا مال کھائیں
تو ان کا یہ فعل سراسر نفاق اور جیب تراشی میں شامل ہوگا۔ اور ان سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے
صوفیوں کی چند عبارتیں یاد کر رکھی ہیں اور بے ہودہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں اور گمان کیے بیٹھے ہیں۔
کہ اولین و آخرین کا علم ان پر منکشف ہو چکا ہے۔ اسی علم کی روشنی میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ بہت ممکن
ہے کہ صوفیوں کی یاد کی ہوئی باتیں اسے اس جگہ پہنچا دیں کہ وہ علم اور علماء کو نگاہِ حقارت سے دیکھنے
لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شریعت بھی اس کی نگاہ میں مختصر اور معمولی چیز دکھائی دے اور یہ کہنا شروع
کر دے کہ شریعت اور علم کی باتیں دین میں کمزور اور ضعیف لوگوں کے لیے ہیں اور جو لوگ مضبوط اور
قوی ہو چکے ہیں انہیں کوئی شخص نقصان اور خسارے میں نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ ان کا دین دو قلے (بہت
زیادہ قوت) ہو چکا ہے کوئی چیز اُسے نجس و ناپاک نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ جب اس درجہ خرابی کو پہنچ جاتے ہیں
تو ان میں سے ایک آدمی کو قتل کرنا ہزار کافروں کے قتل کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ عیسائیوں اور ہندوؤں
کے ملک میں مسلمان اپنے دین کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ کافروں سے نفرت کرتے ہیں۔ اور یہ لغتی گروہ
تو اسلام کو اسلام کی زبان سے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اور شیطان نے دین اسلام کو کمزور کرنے کے لیے
اس زمانہ میں اس سے زیادہ وسیع جال اور کوئی نہیں بچھایا۔ ایک کائنات اس جال میں پھنس کر تباہ و برباد
ہو چکی ہے۔

ظاہری سفر کے آداب:

یہ کل آٹھ ہیں۔

پہلا ادب:

یہ کہ لوگوں کی ناجائز طریقہ پر لی ہوئی چیزیں سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ان کو واپس کرے۔ جن کی

امانتیں اس کے پاس ہیں وہ انہیں واپس دے۔ اور جن لوگوں کا نان و نفقہ اس کے ذمے واجب ہے اس کا انتظام کرے۔ اور حلال توشہ ہاتھ میں کرے۔ اور پھر اتنی مقدار میں ساتھ لے کر چلے کہ راستے کے رفیقوں اور دوستوں کی مدد بھی کر سکے۔ کیونکہ کھانا کھلانا۔ اچھی باتیں کرنا اور سفر کے دوران غلط لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مکارم اخلاق میں سے ہے۔

دوسرا ادب:

یہ ہے۔ کہ اچھا رفیق اور ساتھی اختیار کرے جو دین میں مددگار ہو۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ہے کہ تین آدمی جماعت ہیں۔ اور حکم دیا ہے کہ ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ کیونکہ سفر میں بہت سے خطرات پیش آتے ہیں۔ اور جو کام کسی کے سپرد داری میں نہ ہو۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر جہان کا انتظام دو خداؤں کے حوالے ہوتا۔ تو وہ بھی درہم برہم ہو جاتا۔ اور ایسے شخص کو امیر بنائیں جس کے اخلاق بھی اچھے ہوں۔ اور کئی دفعہ سفر بھی کر چکا ہو۔

تیسرا ادب:

یہ ہے کہ اپنے رفقاء اور حاضرین کو وداع کرے اور ہر ایک کے لیے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کرے۔ اور وہ یہ ہے:

استودع اللہ دینك و امانتك	میں اللہ کی امانت میں دیتا ہوں تیرے دین کو
وخواتیم عملك۔	اور تیری امانت کو اور تیرے عمل کے خاتمے کو۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس سے سفر پر روانہ ہوتا۔ تو آپ اس کے لیے مندرجہ ذیل دعا فرماتے۔

زودك اللہ التقوی وغفر ذنبك	اللہ تعالیٰ تجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا کرے۔
وجہ لك الخیر ما توجہت۔	اور تیرے گناہ کو بخشے۔ اور تیرے لیے خیر اور بھلائی کو بھی اس طرف موڑ دے جدھر کو تو متوجہ ہوا۔

یہ دعا آپ کی ہمیشہ کی سنت ہے۔ اور چاہیئے کہ جب وداع کرے۔ تو سب کو خدائے تعالیٰ کے حوالے کرے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ عطا فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص ایک لڑکے کو ساتھ لیے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ کہ اس طرح کسی کے ساتھ رہتا ہو جس طرح یہ لڑکا تیرے ساتھ رہتا ہے۔ اس آدمی نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین میں اس

لڑکے کے عجیب واقعے سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں دو میں سفر کو روانہ ہوا جبکہ یہ بچہ میری بیوی کے پیٹ میں تھا۔ بیوی نے مجھے سفر پر روانہ ہوتے وقت کہا۔ مجھے تو اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ تو میں نے بیوی سے کہا:

استودع اللہ ما فی بطنک — یعنی جو کچھ تیرے شکم میں ہے میں اسے خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

جب میں سفر سے واپس آیا۔ تو اس بچے کی ماں مر چکی تھی۔ ایک رات میں باتوں میں مصروف تھا۔ کہ دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ میں نے پوچھا "یہ کیسی آگ ہے" لوگوں نے کہا۔ کہ یہ تیری بیوی کی قبر پر آگ جلتی ہے اور ہر رات کو ہم لوگ اسی طرح آگ جلتی دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ میری بیوی تو نماز گزار اور روزہ دار تھی اس کی قبر پر آگ جلنے کی کیا وجہ ہے۔ میں قبر پر گیا اور قبر کو کھولا۔ کہ اس میں کیا ہے۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چراغ قبر میں جل رہا ہے۔ اور بچہ اس میں کھیل رہا ہے۔ اسی حالت میں میں نے آواز سنی کہ کہنے والے کہہ رہے ہیں۔ تو نے صرف یہ بچہ ہمارے حوالے کیا تھا۔ وہ ہم نے تجھے دے دیا۔ اگر اس کی ماں کو بھی ہمارے سپرد کر جاتا۔ تو وہ بھی ہم تجھے واپس کر دیتے۔

چوتھا ادب:

یہ ہے۔ کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے دو نمازیں ادا کرے۔ ایک تو نماز استخارہ سفر اختیار کرنے سے پہلے اور یہ نماز اور اس کی دعا مشہور و معروف ہے۔ دوسری سفر پر روانہ ہوتے وقت چار رکعت ادا کرے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میرا سفر کا خیال ہے۔ اور میں نے وصیت لکھی ہوئی ہے۔ وہ وصیت باپ کے حوالے کروں یا بیٹے کے یا بھائی کے سپرد کروں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص سفر کو روانہ ہوتا ہے۔ اور چار رکعت نماز کو اپنا خلیفہ بناجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر کوئی پسندیدہ عمل نہیں۔ جبکہ وہ سفر کے لیے سامان باندھ چکا ہو اور اس چار رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھے۔ اس کے بعد یہ دعا کرے۔

اللھم انی اتقرب بھن الیک	اے اللہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں۔ اس
فاخلفنی خلیفۃ فی اھلی و مالی	چار رکعت نماز کے ساتھ۔ پس نائب بنا تو
وھی خلیفۃ فی اھلہ و مالہ	ان کو میرے اہل میں اور میرے مال میں اور
و دارات حول دارہ حتی یرجع	یہ چار رکعتیں اس کے اہل اور اس کے مال

انی اهلہ۔

یہں اس کا نائب نبی رہتی ہیں اور اس کے واپس آنے تک اس کے گھر کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔

پانچواں ادب:

یہ ہے۔ کہ جب سفر کی نیت سے گھر کے دروازے سے باہر قدم رکھے تو کہے:

بسم اللہ و باللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ رب اعوذ بک ان اضل او اضل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علیّ۔

میں اللہ کے نام سے سفر کرتا ہوں اور اللہ کی ذات پر ہی میرا توکل اور بھروسہ ہے۔ اور برائی سے بچنے کی طاقت نہیں۔ اور نہ نیک کام کرنے کی مجھے طاقت ہے مگر اللہ کی مدد اور توفیق سے۔ اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیرے پاس اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا کوئی مجھے گمراہ کرے اور اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں۔ یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ اور اس بات سے کہ میں کسی کے ساتھ بد دماغی سے پیش آؤں یا کوئی میرے ساتھ بد دماغی سے پیش آئے۔

اور جب سواری پر بیٹھے تو کہے:

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

پاکی ہے اللہ کے لیے جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا۔ ہم اس کو تابع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ہم لوگ اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔

چھٹا ادب:

یہ ہے کہ کوشش کرے کہ سفر جمعرات کے دن صبح کے وقت اختیار کرے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر کا آغاز جمعرات کے دن کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جو آدمی سفر پر جانا چاہے یا کسی سے کوئی مقصد حاصل کرنا چاہے تو چاہیئے کہ صبح کے وقت کرے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ کہ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ السَّبْتِ۔

اے اللہ میری امت کے لیے ہفتے کے دن صبح کے وقت میں برکتیں ڈال دے۔

تو ہفتہ اور جمعرات کے روز صبح کا وقت سفر کے لیے مبارک ہے۔

ساتواں ادب:

یہ ہے۔ کہ سواری کے جانور پر کم بوجھ لادے۔ اور اس کی پشت پہ کھڑا نہ ہو۔ (یعنی سواری کا جانور کھڑا کر کے اس کی پشت پر بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف نہ ہو جائے) اور نہ اس کی پشت پر سوئے (کیونکہ نیند کی حالت میں جسم کا بوجھ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔) اور نہ ہی سواری کے منہ پر مارے۔ اور صبح اور شام کے وقت نیچے اتر کر چلے تاکہ اس کے پاؤں ہلکے ہو سکیں۔ اور سواری بھی ذرا ستا لے۔ اور سواری کے مالک کو بھی خوش رکھے۔ بعض سلف صالحین کسی جانور کو جب سواری کے لیے کرائے پر لیتے۔ تو یہ شرط لگاتے۔ کہ ہم پورے سفر میں سواری سے نیچے نہیں اتریں گے۔ پھر جب سوار ہو کر چل پڑتے تو راستے میں نیچے اتر آتے۔ تاکہ وہ اترنا جانور کے حق میں صدقہ بن جائے۔ اور جس سواری کو بلا وجہ ماریں گے اور بوجھ بھی زیادہ لادیں۔ تو قیامت میں وہ سواری اس سے جھگڑے گی۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ مر گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اے اونٹ اللہ کے حضور میرا کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا۔ کیونکہ تجھے معلوم ہے۔ کہ میں نے طاقت سے زیادہ تجھ پر بوجھ نہیں رکھا۔ اور چاہیے کہ جو کچھ سواری پر لادے سواری والے کو پہلے دکھا دے۔ اور اس سے شرط کر لے۔ تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ پھر طے شدہ بات سے زیادہ کوئی چیز اس پر نہ رکھے۔ کیونکہ یہ نامناسب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے آپ کو خط دیا کہ فلاں آدمی کو دے دینا۔ آپ نے وہ خط نہ لیا۔ اور فرمایا کہ میں نے سواری والے سے یہ شرط نہیں کی ہوئی۔ اور آپ فقہا کی تاویلوں میں نہ پڑے کہ خط کا تو کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کی کوئی لمبائی چوڑائی ہوتی ہے جو جگہ کو گھیرے۔ آپ کا ایسا کرنا کمال تقویٰ کی بنا پر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر پر روانہ ہوتے۔ تو کنگھی شیشہ مسواک اور سرمہ دان اور بالوں کو صاف کرنے والی چیز اپنے ساتھ لے کر چلتے۔ اور ایک روایت میں ناخن اتارنے والے آلے کا بھی آیا ہے۔ اور صوفیائے کرام نے ان چیزوں کے ساتھ رسی اور ڈول کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن سلف کی یہ عادت نہیں تھی۔ وہ لوگ جہاں پہنچتے تھے اگر پانی میسر نہ آتا۔ تو تیمم کر لیتے تھے۔ اور استنجے کے لیے صرف پتھروں سے ضرورت پوری کر لیتے تھے۔ اور جس پانی میں بھی ان کو نجاست نظر نہ آتی اس سے وضو کر لیتے تھے۔ سلف صالحین کی اگرچہ رسی اور ڈول ساتھ رکھنے کی عادت نہ تھی۔ مگر ان لوگوں یعنی اس دور کے صوفیوں کے لیے بہتر ہے۔ کہ ساتھ لے کر چلیں۔ کیونکہ ان کا سفر ان کی طرح احتیاط والا سفر نہیں ہوتا۔ اگرچہ احتیاط اچھی چیز ہے

سلف صالحین کا زیادہ تر سفر غزوہ وجہاد اور بڑے بڑے کاموں کے لیے ہوتا تھا۔ ان کے لیے اس طرح کی احتیاط کرنا مشکل ہوتا تھا۔

آٹھواں ادب:

یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ پہ آپ کی نگاہ پڑتی تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِھَا قَرَارًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا	اے اللہ اس شہر کو ہمارے لیے جائے قرار بنا اور ہمیں عمدہ رزق عطا فرما۔

پھر کسی شخص کو اپنے آگے گھر روانہ فرماتے اور بلا اطلاع اور اچانک گھر پہنچنے سے منع فرماتے۔ دو آدمیوں نے اس ممانعت کی خلاف ورزی کی اور اچانک اپنے گھروں میں داخل ہوئے تو دونوں نے اپنے اپنے گھروں میں ایسی ناپسندیدہ حالت دیکھی جس سے ان کو دکھ ہوا اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اور جب گھر کی طرف روانہ ہوتے تو فرماتے:

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا لَا یُغَادِرُ عَلَیْنَا حُوْبًا۔	ہم لوگ اپنے رب کے حضور بار بار ایسی خالص توبہ کرتے ہیں جو ہمارے تمام گناہوں کو مٹادے

اور اپنے اہل خانہ کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ لانا سنت موکدہ ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اگر کچھ بھی ساتھ نہ لائے تو تھیلے میں پتھر ہی ڈال کر لے آئے۔ اور اس سنت کی تاکید کی ایک مثال ہے۔ یہ ہیں ظاہری سفر کے آداب۔

باطنی سفر میں خواص کے آداب:

یہ ہیں کہ یہ حضرات اس وقت تک سفر اختیار نہیں کرتے جب تک یہ نہ جان لیں کہ سفر ان کے لیے دین کی ترقی کا ذریعہ بنے گا۔ اور جب راستے میں اپنے دل کے اندر کوئی نقص یا عیب محسوس کرتے ہیں تو واپس لوٹ آجاتے ہیں۔ اور سفر کو جاتے وقت نیت کرتے ہیں۔ کہ جس شہر میں بھی جائیں گے۔ وہاں کے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کریں گے۔ اور وہاں کے بزرگوں کو تلاش کر کے ان سے استفادہ کریں گے۔ اور یہ بات نہیں کہتے کہ ہم نے مشائخ کو دیکھا ہوا ہے۔ اور ہم کو ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ اور کسی شہر میں بھی دس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے ماسوائے اس کے کہ کوئی شیخ و بزرگ مقصد کے تحت زیادہ دن ٹھہرنے کا اشارہ کرے۔ اور اگر کسی بھائی کی زیارت کو جائے تو اس کے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے۔ کہ مہمانی

کی حد اسی قدر ہے۔ ہاں اگر وہ جانے سے رنجیدہ ہو تو زیادہ دن قیام کر سکتا ہے۔ اور جب کسی پیر حقانی کے پاس جائے تو ایک دن رات سے زیادہ نہ ٹھہرے جب کہ مقصود صرف اس کی زیارت سے پہلے کسی اور کام کو شروع نہ کرے۔ اور جب تک وہ نہ کہے بات چیت شروع نہ کرے۔ اور اگر وہ کسی بات کے متعلق پوچھے تو صرف جواب تک بات کرے۔ اور اگر کوئی سوال کرنا چاہیے تو پہلے اس سے اجازت طلب کرے۔ اور اس شہر میں عیش وعشرت میں نہ پڑ جائے۔ تاکہ زیارت کا ثواب باقی رہے۔ اور راستے میں ذکر وتسبیح میں مشغول رہے۔ اور چپکے چپکے قرآن مجید بھی اس طرح پڑھتا رہے۔ کہ کوئی نہ سنے اور جب کوئی اس سے بات کرے۔ تو اس کے جواب دینے کو تسبیح سے زیادہ اہم خیال کرے۔ اور اگر گھر میں ہی ایسی چیز میں مشغول ہو۔ تو سفر اختیار نہ کرے (جس کے لیے سفر اختیار کرنا چاہتا ہے۔) کیونکہ یہ نعمت کی ناشکری ہے۔

دوسرا ادب:

اس علم کے بیان میں جو مسافر کے لیے سفر پر جانے سے پہلے سیکھنا چاہیئے۔ سفر اختیار کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔ کہ سفر کی رخصتوں کا علم حاصل کرے۔ اگرچہ اس کا ارادہ یہی ہو۔ کہ رخصت پر عمل نہیں کرے گا۔ پھر بھی رخصت کا علم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بسا اوقات رخصت کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور قبلے اور وقت نماز کا علم بھی سیکھنا چاہیئے۔ اور سفر میں طہارت کے اندر دو رخصتیں ہیں۔ موزے کا مسح اور تیمم۔ اور نماز میں قصر اور جمع اور سواری پر ہی نماز سنت ادا کرنا۔ اور چلتے ہوئے نماز پڑھنا اور روزے میں ایک رخصت ہے۔ اور وہ روزہ نہ رکھنا ہے۔ اور یہ سات رخصتیں بنتی ہیں۔

رخصت اوّل:

موزے کا مسح: جس آدمی نے پورا وضو کر کے موزہ پہنا ہو۔ پھر بے وضو ہو جائے۔ تو اس کے لیے موزے کا مسح کرنا جائز ہے۔ بے وضو ہونے کے وقت سے تین دن رات تک مسح کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر گھر میں ہی ہو۔ تو ایک دن رات۔ لیکن مسح موزہ کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے۔ کہ پورا وضو کر کے موزہ پہنے۔ اگر ایک پاؤں دھو کر ایک موزہ پہن لے۔ دوسرا پاؤں دھونے سے پہلے۔ تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ پس جب ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا تو چاہیئے کہ موزے سے پہلے پاؤں باہر نکالے اور پہنے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موزہ ایسا ہو۔ کہ اسے پہن کر عادت کے مطابق کچھ نہ کچھ چل سکتا ہو۔ اور اگر چمڑے کا نہ ہو۔ تو درست نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ کہ موزہ ٹخنے تک ہو۔ یعنی ٹخنا بھی چھپ جائے۔ اگر پاؤں کے حصے میں موزے میں کوئی خلل یا سوراخ پیدا ہو جائے۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کا مسح کرنا درست نہیں۔ اور امام مالک رحمۃ

اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگرچہ موزہ پھٹا ہوا ہو۔ جب اسے پہن کر چلنا درست ہو۔ تو اس پر مسح جائز ہے اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ راستے میں موزہ کے پھٹ جانے کے واقعات زیادہ پیش آتے ہیں۔ اور ہر وقت اس کا سینا ممکن نہیں ہوتا۔

چوتھی شرط یہ ہے۔ کہ موزہ پہننے کے بعد پاؤں موزے سے باہر نہ نکالے۔ اور جب باہر نکال لیا تو بہتر یہ ہے۔ کہ نئے سر سے وضو کرے۔ اور اگر پاؤں کے دھونے میں اختصار کیا۔ تو ظاہر مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے (اختصار سے مراد تین بار سے کم دھونا ہے۔)

پانچویں شرط یہ ہے کہ مسح پنڈلی تک نہ کرے۔ بلکہ قدم کے حصے پر ہی کرے۔ اور پاؤں کی پشت پر کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ایک ہی انگلی سے مسح کرلے تو بھی کافی ہے۔ اور تین انگلیوں سے بہتر ہے۔ اور ایک بار سے زیادہ مسح نہ کرے۔ اور جب سفر پہ جانے سے پہلے مسح کر لیا تو ایک دن رات پہ ہی مسح کی حد ٹھہرائے۔ اور سنت یہ ہے کہ پاؤں میں موزہ پہننے سے پہلے اسے اٹھا کر جھاڑ لے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پاؤں میں موزہ پہنا۔ ایک پرندے نے آپ کے دوسرے موزے کو اٹھایا اور ہوا میں لے گیا۔ جب اسے زمین پہ پھینکا تو اس سے سانپ نکلا۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ جھاڑنے سے پہلے موزہ پاؤں میں نہ پہنے۔

دوسری رخصت :

تیمم ہے۔ اور اس کی تفصیل ہم طہارت کی اصل میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے دوبارہ بیان نہیں کرتے تاکہ مضمون لمبا نہ ہو جائے۔

تیسری رخصت :

یہ ہے کہ ہر فرض نماز جو چار رکعت ہے۔ دو رکعت ادا کرے۔ مگر اس کے لیے چار شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے۔ کہ نماز وقت میں ادا کرے۔ اگر قضا ہو جائے تو صحیح مسئلہ یہ ہے۔ کہ قصر نہ کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قصر کی نیت کرے۔ اگر پوری نماز کی نیت کی یا شک واقع ہو گیا۔ کہ پوری نماز کی نیت کی ہے یا نہیں۔ تو لازم ہے۔ کہ چار رکعت پوری پڑھے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس آدمی کی اقتداء میں نماز ادا نہ کر رہا ہو جس نے چار پوری پڑھنی ہیں۔ اور اگر اس کی اقتداء میں نماز پڑھے۔ تو چار پوری کرنا ضروری ہے۔ بلکہ اگر گمان ہو۔ کہ امام مقیم ہے۔ اور وہ پوری چار پڑھے گا۔ یا وہ شک میں ہو تو اس صورت میں بھی پوری چار پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ مسافر دوران

نماز اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا۔ لیکن جب جانتا ہو۔ کہ امام مسافر ہے۔ مگر شک ہو کہ امام قصر کرے گا یا نہیں تو اس کے لیے قصر کرنا جائز ہے۔ اگرچہ امام قصر نہ کرے۔ کیونکہ نیت پوشیدہ چیز ہے۔ اور اس کا جاننا کوئی شرط نہیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سفر لمبا اور مباح ہو۔ اور مفرور غلام کا سفر اور ڈاکو کا سفر اور حرام روزی تلاش کرنے والے کا سفر اور ماں باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے والے کا سفر حرام ہے۔ اسی طرح اس آدمی کا سفر جو قرض مانگنے والے سے بھاگا ہوا ہو۔ حالانکہ وہ قرض ادا کر سکتا ہو۔ مختصر یہ کہ وہ سفر جو کسی ایسی غرض کے لیے ہو۔ جو حرام اور منع ہو۔ تو وہ سفر بھی حرام ہے۔ اور سفر دراز کی تشریح یہ ہے۔ کہ اڑتالیس کوس ہو۔ اس سے کم میں قصر جائز نہیں۔ اور اڑتالیس کوس سولہ فرسخ بنتا ہے۔ اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے۔ اور سفر کی ابتداء شہر کی عمارتوں سے نکلنے کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس شہر کے نخلستان اور باغات سے باہر نہ نکلا ہو۔ اور سفر کی انتہا اپنے وطن کی عمارت میں پہنچ آنے پر ہوتی ہے۔ یا کسی دوسرے شہر میں تین دن یا تین سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرلے۔ اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے مگر کام کاج کی مصروفیات کے باعث رکا رہے۔ اور نہ جانتا ہو۔ کہ کب کام سے فارغ ہو گا۔ اور ہر روز چلے جانے کی امید ہے۔ اس شہر میں اگرچہ تین دن سے بھی زیادہ وقت گزار لے۔ تو قصر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے۔ کیونکہ دل ٹھہرنے پر قائم نہیں اور نہ ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔

چوتھی رخصت:

دو نمازوں کا جمع کرنا ہے۔ لمبے سفر میں جائز ہے کہ نماز ظہر اتنی تاخیر سے پڑھے کہ عصر کی نماز بھی اس سے ملا کر پڑھ لے۔ (یہ مسئلہ شافعی مذہب کے نزدیک ہے۔ حنفی مذہب میں ایسا کرنا جائز نہیں) پھر جمع کرنے کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ عصر کی نماز پہلے پڑھ لے۔ ظہر کی اس کے بعد۔ اور ظہر و عصر کی طرح نماز مغرب و عشا میں بھی جمع کرنا جائز ہے۔ (یہ بھی شافعی مذہب کے مطابق ہے۔ مسلک حنفی میں ایسا کرنا روا نہیں۔ چاہیئے یہ کہ پہلے نماز ظہر ادا کرے۔ اس کے بعد نماز عصر اور بہتر یہ ہے کہ سنتیں بھی ادا کرے تاکہ سنتوں کی فضیلت فوت نہ ہو۔ کیونکہ اس سے سفر میں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ (کیونکہ سنتیں ادا کرنے میں کوئی زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ لیکن سنت ادا کرنے میں یہ سہولت شرعاً حاصل ہے۔ کہ سواری کی پشت پر بھی ادا کرلے۔ یا چلتے ہوئے ادا کرلے۔ اور سنتوں کی ترتیب یہ ہے۔ کہ پہلے ظہر کی چار سنتیں ادا کرے پھر عصر کی چار سنتیں ادا کرے۔ پھر اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ظہر ادا کرے۔ اس کے بعد اقامت کہہ کر عصر کے فرض ادا کرے۔ اور اگر تیمم کیا ہو۔ تو دوبارہ تیمم کرکے دوسری فرض نماز ادا کرے۔ اور

دونوں نمازوں کے درمیان تیمم اور اقامت سے پہلے وقت نہ گزرنے دے۔ پھر ظہر اور عصر کے فرض ادا کرنے کے بعد ظہر کی سنتیں ادا کرے۔ اور جب ظہر کو عصر تک موخر کرے۔ تو بھی ایسا کرے۔ اور اگر نماز عصر ادا کرنے کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے شہر پہنچ جائے۔ تو نماز عصر دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مغرب وعشا کی نماز کا حکم بھی یہی ہے۔ اور ایک قول کے مطابق چھوٹے سفر میں جمع ادا کرنا بھی جائز ہے۔

پانچویں رخصت :

یہ ہے کہ جس طرح سنت نماز سواری کی پشت پر ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اس میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ راستہ ہی قبلے کا بدل ہے۔ اگر ارادۃً بلاوجہ سواری کو راستہ سے قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف موڑے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر سہواً ایسا ہو جائے یا جانور چارہ چرنے میں مصروف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور رکوع سجود اشارہ سے کرے۔ اور پشت کو خم کرے۔ سجدہ میں پشت زیادہ خم کرے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ بالکل گر ہی جائے۔ اور اگر زمین پر ہو تو رکوع سجود مکمل کرے۔

چھٹی رخصت :

یہ ہے کہ چلتے وقت نماز سنت ادا کرے۔ ابتدائے تکبیر کے وقت منہ قبلہ رُخ کرے۔ کیونکہ یہ آسان کام ہے۔ اور سوار آدمی اشارہ سے رکوع سجود کرے۔ اور تشہد کی حالت میں بھی چلتا جائے۔ اور التحیات پڑھتا جائے۔ اور اس بات کا خیال رکھے کہ پاؤں نجاست پر نہ پڑیں۔ اور اس پر یہ ضروری نہیں کہ نجاست سے بچنے کی خاطر دوسرا راستہ اختیار کرے۔ اور اپنے لیے دشواری پیدا کرے۔ اور جو شخص دشمن سے بھاگ رہا ہو یا صف جہاد میں ہو یا سیلاب اور بھیڑیے وغیرہ درندے سے بھاگ رہا ہو تو چلتے ہوئے یا سواری کی پشت پر ہی نماز ادا کرلے۔ جیسا کہ سنت میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اس پر قضا واجب نہیں۔

ساتویں رخصت :

روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔ اور جس مسافر نے روزے کی نیت کرلی ہو اسے بھی جائز ہے کہ روزہ توڑ دے۔ اور اگر صبح کے بعد سفر کی نیت سے شہر سے باہر نکلا تو اب روزہ توڑنا جائز نہیں۔ اگر روزہ نہ رکھا ہوا ہو اور کسی شہر میں پہنچے تو کھانا کھانا جائز ہے۔ اور اگر روزہ رکھا ہوا اور کسی شہر میں پہنچا تو اس صورت میں روزہ توڑنا اور کھانا پینا جائز نہیں۔ اور پوری نماز ادا کرنے سے قصر کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ مخالفت ائمہ کے شبہ سے نکل جائے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر میں پوری نماز ادا کرنا جائز

نہیں۔ لیکن سفر میں روزہ رکھ لینا نہ رکھنے سے افضل ہے تاکہ قضا کے خطرے سے نکل جائے۔ ہاں اگر جان ہلاک ہونے کا ڈر ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اور ان سات رخصتوں میں سے تین لمبے سفر میں ہوتی ہیں۔ یعنی قصر کرنا۔ روزہ نہ رکھنا اور تین دن رات موزے پر مسح کرنا۔ اور چھوٹے سفر میں بھی تین رخصتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ سواری کی پشت پر اور چلتے ہوئے سنت نماز ادا کرنا۔ اور جمعہ نہ پڑھنا اور نماز قضا ہونے کے خطرے کے بغیر بھی تیمم کرنا۔ اور دو نمازوں کے جمع کر کے پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ چھوٹے سفر میں جمع نہ کرنا چاہیئے۔ مسافر کو سفر پر روانہ ہونے سے قبل ان مذکورہ باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ جبکہ سفر کے دوران کوئی سکھانے والا نہ ہو۔ اور قبلہ کے دلائل کا علم نیز وقت نماز کی دلیل کا علم سیکھنا بھی ضروری ہے۔ تاہم یہ اس صورت میں ضروری ہے کہ جبکہ راستہ میں ایسے گاؤں ہوں جہاں مسجد و محراب ظاہر و نمایاں نہ ہوں۔ اور اتنی بات بھی علم میں ہونی چاہیئے کہ ظہر کے وقت سورج کہاں ہوتا ہے۔ اور اس کے طلوع و غروب کے کیا اوقات ہیں۔ اور قطب ستارہ کہاں واقع ہے۔ اور اگر پہاڑی راستے میں سفر کر رہا ہو تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ قبلہ داہنی طرف ہے یا بائیں طرف۔ مسافر کے لیے اس قدر علم کے بغیر چارہ کار نہیں۔

آٹھویں اصل

سماع اور وجد کے آداب میں

ہم اس کے احکام و مسائل انشاء اللہ العزیز دو بابوں میں بیان کریں گے۔ پہلا باب اس امر کے بیان میں کہ کونسا سماع حلال ہے۔ اور کونسا حرام ہے۔ دوسرا باب سماع کے اثرات اور اس کے آداب کے بیان میں۔

باب اول؛

سماع کے مباح ہونے اور حرام و حلال ہونے کے بیان میں۔

جاننا چاہیئے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک سِر اور راز ہے۔ جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب لوہے کو زور سے پتھر پر مارتے ہیں۔ تو وہ پوشیدہ آگ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور لمبا اوقات سارے

صحرا میں پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح موزوں اور سریلی آواز کے سننے سے دل کے گوہر میں جنبش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس میں ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن میں آدمی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اس کا سبب وہ مناسبت ہے جو آدمی کے گوہر کو عالم علوی کے ساتھ ہے۔ جسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ اور عالم علوی عالم حسن و جمال ہے۔ اور حسن و جمال کی اصل تناسب ہے۔ اور جو کچھ تناسب ہے اُس عالم کے حسن و جمال کی نمودکاری سے ہے اور وہ تناسب جو عالم محسوسات میں پایا جاتا ہے۔ سب اُس عالم کے حسن و جمال کا ثمرہ ہے۔ موزوں و متناسب آواز بھی اُس عالم سے مشابہت رکھتی اور اُس عالم کے عجائبات میں سے ہے۔ اس بنا پر دل میں ایک قسم کی آگاہی پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک طرح کی حرکت اور شوق ظاہر ہوتا ہے۔ جسے آدمی محسوس کرتا ہے۔ کہ یہ کیا شئے ہے۔ اور صرف اس قدر احساس اس دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جو سادہ اور اس عشق و شوق سے خالی ہوتا ہے۔ جو بندہ کو عالم علوی کے راستے پر ڈالتا ہے۔ اور وہ دل جو عشق و شوق سے خالی نہ ہو بلکہ پہلے سے ہی شوق کی کسی کیفیت سے موصوف ہو تو سریلی آواز سننے سے اس میں مزید حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح آگ کو پھونک مارتے ہیں تو جل اٹھتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں شوق الٰہی کے دل کا راستہ ہو اس کے لیے سماع ضروری ہے۔ تاکہ وہ شوق تیز تر ہو جائے۔ اور جس شخص کے دل میں بُری باتوں سے پیار و الفت ہو سماع اس کے لیے زہر قاتل اور حرام ہے۔

علماء کرام کا سماع میں اختلاف ہے کہ حرام ہے یا حلال۔ حرام کہنے والے ظاہر بین علماء ہیں۔ جن کے دل میں یہ صورت نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی دوستی فی الواقع آدمی کے دل میں گھس آتی ہے۔ کیونکہ ظاہر بین عالم یہ کہتا ہے۔ کہ آدمی کی دوستی اپنی جنس سے ہی استوار ہو سکتی ہے۔ جو چیز آدمی کی جنس سے نہ ہو اور اس کی کوئی نظیر و مثال بھی نہ ہو تو اس سے رشتہ دوستی کیسے استوار ہو سکتا ہے۔ تو ایسے عالم کے نزدیک صرف مخلوق کی صورتوں سے ہی عشق کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر عشق خالق کسی صورت یا تشبیہ کے واسطے سے ہو تو یہ باطل ہے۔ اسی بنا پر اچھا لگتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں دین میں مذموم اور بُری ہیں۔ لیکن اس عالم کا خیال درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے یہ دریافت کیا جائے کہ مخلوق کے خدائے تعالیٰ کے ساتھ دوستی کے واجب اور ضروری ہونے کے کیا معنی ہیں تو وہ اس کا معنی خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری اور طاعت کرنے کو قرار دیتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس میں ایسے عالم میں مبتلا ہیں۔ اور ہم رکن منجیات کی کتاب محبت میں اس کی وضاحت کریں گے۔ یہاں ہم اتنی بات کہتے ہیں کہ سماع کا جواز دل سے حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سماع کوئی ایسی چیز ہیں پیدا نہیں کرتا جو پہلے سے دل میں موجود نہ ہو۔ بلکہ صرف اس چیز میں جنبش پیدا کرتا ہے۔ جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں ایسی بات موجود

ہو جو شرع میں محبوب اور پسندیدہ ہے اور اس کی تقویت مقصود ہوتی ہے۔ جب سماع اس کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ تو اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور جس آدمی کے دل میں کسی باطل اور غلط چیز کا خیال جاگزین ہو جو شرع میں مذموم اور بُری ہو تو ایسے آدمی کے لیے سماع عذاب ہے۔ اور جس آدمی کا دل ان دونوں سے خالی ہو اور صرف کھیل تماشے کے طور پر سنے اور طبع کے مطابق اس سے محظوظ ہو تو اس کے لیے سماع مباح ہے۔ پس سماع کی تین قسمیں ہوئیں۔

قسم اوّل:

یہ ہے کہ غفلت دل لگی اور کھیل تماشے کے طور پر سنے۔ یہ اہل غفلت کا طریقہ ہے۔ اور دنیا سب کی سب لہو ولعب اور کھیل تماشا ہے تو سماع کی یہ قسم بھی اسی میں داخل ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ سماع چونکہ خوشی اور مسرت کا موجب ہے اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حرام ہے۔ کیونکہ ہر خوشی و مسرت کی بات حرام نہیں ہے۔ اور خوشی و مسرت کی باتوں میں جو حرام ہیں وہ اس وجہ سے حرام نہیں ہیں کہ وہ طبیعت کو اچھی لگتی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ ضرور نقصان ہوتا ہے۔ ورنہ چڑیوں کی آواز بھی تو اچھی لگتی اور مرغوب ہوتی ہے۔ حالانکہ حرام نہیں۔ بلکہ سبزہ زار۔ بہتا ہوا پانی اور پھول کلیاں وغیرہ اشیاء طبیعت کو اچھی لگتی ہیں۔ اور حرام بھی نہیں ہیں۔ تو سریلی آواز کان کے حق میں آنکھ کے لیے سبزہ زار اور بہتے ہوئے پانی کی طرح ہیں۔ اور ناک کے لیے خوشبو کی طرح ہے۔ اور قوت ذائقہ کے لیے لذیذ کھانے کی طرح ہے۔ اسی طرح حکمت کی اچھی اچھی باتیں عقل کے لیے اور ان حواس میں سے ہر ایک کے لیے ایک قسم کی لذت پائی جاتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ سب چیزیں تو حرام نہ ہو۔ لیکن سماع حرام ہو۔ اور اس بات کی دلیل کہ خوشبو اور کھیل تماشا وغیرہ حرام نہیں ہیں۔ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں۔ کہ عید کے دن چند حبشی مسجد کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ (یعنی مسجد کے صحن میں مشق کے طور پر جنگی ہتھیاروں کے ساتھ کچھ کرتب کر رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ کہ کیا تو بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لیے۔ اور میں نے اپنی ٹھوڑی ان پر رکھ لی۔ اور میں اتنی دیر دیکھتی رہی کہ آپ نے چند دفعہ فرمایا۔ کہ بس نہیں کرو گی۔ میں نے کہا نہیں۔ یہ حدیث مبارک صحیح ہے۔ اور ہم اسی کتاب میں یہ حدیث پہلے درج کر آئے ہیں۔ اس حدیث مبارک سے پانچ قسم کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ کھیلنا کودنا اور اسے دیکھنا جبکہ مقصد صحیح کے لیے ہو۔ اور کبھی کبھی ہو اور حرام نہیں ہے۔ اور وہ حبشی اس کھیل کود میں رقص و سرور بھی کر رہے تھے۔ دوم یہ کہ وہ یہ کام مسجد میں کر رہے تھے۔ سوم یہ یہ کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ عنہ کو لے کر وہاں گئے۔ تو حبشیوں سے فرمایا۔ اے میرے لڑکو کھیل میں مصروف ہو جاؤ۔ یہ آپ کا حکم تھا۔ اگر یہ حرام ہوتا۔ تو آپ کیوں یہ حکم دیتے۔ چہارم یہ کہ آپ نے اس کے دیکھنے کی ابتدا کی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ تم بھی دیکھو گی۔ تو آپ نے گویا تقاضا فرمایا۔ اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور آپ خاموش رہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی یہ گنجائش نکلتی ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کہے۔ کہ آپ نے اس لیے ان کو منع نہ فرمایا۔ تاکہ انہیں رنج نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ بات بدخلقی میں داخل ہے۔ پنجم یہ کہ آپ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کافی وقت کھڑے رہے۔ حالانکہ کھیل تماشے کو دیکھنا آپ کا کام نہیں تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کے لیے الیا کرنا تاکہ اس طرح کے کام دیکھ کر ان کا دل خوش ہو۔ نیک اخلاق میں ہے۔ اور یہ بات اپنے آپ کو الگ کر لینے اور اپنی پارسائی ظاہر کرنے سے افضل ہے۔

اور یہ بات بھی صحیح حدیث مبارک میں آئی ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتی ہیں۔ کہ میں ابھی نابالغ بچی تھی۔ اور گڑیوں کو بنا سنوار کر رکھتی تھی۔ جس طرح چھوٹی بچیوں کی عادت ہوتی ہے کچھ اور بچے بھی آجاتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے۔ تو بچے وہاں سے بھاگ جاتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو واپس میرے پاس بھیجتے۔ ایک دن آپ نے ایک بچے سے فرمایا۔ کہ یہ گڑیاں کیا ہیں۔ اس نے کہا۔ یہ میری بچیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے۔ جسے تو نے ان کے درمیان باندھا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ یہ ان کا گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس گھوڑے پر یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ یہ اس کے بال و پر ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھوڑے کے بال و پر کہاں ہوتے ہیں۔ اس نے عرض کیا آپ نے نہیں سُنا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے بال و پر تھے۔ یہ بات سن کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔ میں نے یہ روایت اس لیے نقل کی ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ نفرت کرنا ترش رو ہونا۔ اور ایسے کام سے اپنے آپ کو الگ رکھنا دین میں سے نہیں ہے۔ خاص کر کے بچوں کے لیے اور اس شخص کے لیے جو وہ کام کرے جو اس کے لیے بُرا محسوس نہ ہوتا ہو۔ اور یہ حدیث مبارک اس امر کی دلیل ہے۔ کہ صورت بنانا جائز ہے۔ کیونکہ بچوں کی گڑیاں لکڑی اور کپڑے کی ہوتی ہیں۔ اور پوری شکل وصورت نہیں رکھتی۔ روایت ہے۔ کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے۔

حدیث مبارک میں یہ بھی آیا ہے۔ جس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ فرماتی

ہیں۔ کہ دو لونڈیاں میرے پاس دف بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں اور عید کا دن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں تشریف لائے۔ اور بچھے ہوئے کپڑے پہ دوسری طرف منہ کر کے سو گئے۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور ان لونڈیوں کو ڈانٹا۔ اور فرمایا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں شیطانی گانا گاتی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انہیں چھوڑ دے۔ کہ آج عید کا دن ہے۔ تو اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دف بجانا اور گانا گانا مباح ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ دف بجانے اور گانے کی آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تو آپ کا سننا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منع کرنے سے روکنا اس کے مباح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

دوسری قسم:

یہ ہے۔ کہ دل میں تو برا خیال ہو۔ جیسے کسی عورت یا لڑکے سے دوستی ہو۔ اور اس کے سامنے سریلی آواز سے سماع کرے۔ تاکہ لذت میں اضافہ ہو۔ یا اپنے معشوق کی عدم موجودگی میں۔ اس کے وصال کی امید پہ سماع کرے۔ تاکہ شوق میں اضافہ ہو۔ یا ایسا گانا سنے جس میں زلف خال اور جمال کا ذکر ہو۔ اور اپنے تصورات پر اس گانے کو چسپاں کرے تو یہ جرم ہے۔ اور اکثر نوجوان اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسا فعل برائی کے عشق کی آگ کو اور تیز کرتا ہے۔ اور جس آگ کو بجھانا ضروری ہے۔ اسے جلانا کیسے جائز ہو سکتا ہے البتہ اگر یہ عشق اپنی بیوی۔ یا اپنی لونڈی سے ہو۔ تو یہ دنیا کی چیز سے نفع اٹھانے میں داخل ہے۔ اور جائز ہے ہاں جب بیوی کو طلاق دے دے یا لونڈی کو فروخت کر دے۔ تو پھر اس سے عشق و محبت کا تعلق قائم کرنا حرام ہے۔

تیسری قسم:

یہ ہے۔ کہ دل میں کوئی اچھی بات ہو جسے سماع سے قوت حاصل ہوتی ہو۔ اور یہ چار قسم پہ ہے۔

قسم اوّل:

حاجیوں کا خانہ کعبہ اور جنگل کی صفت میں اشعار پڑھنا۔ کیونکہ یہ اشعار خانۂ خدا کے ساتھ محبت کی آگ کو آدمی کے باطن میں جوش پیدا کرتے ہیں۔ ایسا سماع اس شخص کے لیے درست ہے جو حج کو جا رہا ہو لیکن وہ آدمی جسے اس کے ماں باپ حج کی اجازت نہ دیں۔ یا اور کسی وجہ سے حج کو جا نہ سکتا ہو۔ اور اس کے لیے ایسے اشعار کا سننا روا نہیں۔ اور یہ چیز دل میں اس آرزو کو قوی کرتی ہے۔ البتہ اگر یہ جانتا ہو کہ اگر شوق میں اضافہ ہو گیا۔ تو پھر بھی وہ حج پہ جانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اپنے گھر میں ہی ٹھہرا

رہے گا۔ تو اس صورت میں ایسے اشعار کا سننا مباح ہے۔ اور اسی کے نزدیک ہے غازیوں کا گانا اور سماع جو لوگوں کو خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ اور جہاد پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی دوستی میں جان کو ہتھیلی پر رکھنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ تو اس کا بھی ثواب ہے۔ اسی طرح وہ اشعار پڑھنا جن کی میدان جہاد میں عادت ہو تاکہ مجاہدین میں دلیری پیدا ہو اور جنگ کرنے پر آمادہ ہوں۔ اور دلیری میں اضافے کا باعث ہوں۔ تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ جنگ ہو رہی ہو۔ البتہ اگر یہ جنگ اہل حق سے ہو تو پھر ایسا کرنا حرام ہے۔

قسم دوم:

وہ گانا اور رونا جس سے رونا آئے۔ اور دل کے درد میں اضافہ ہو۔ تو اس میں بھی ثواب ہے۔ جبکہ یہ رونا اپنی مسلمانی میں کوتاہی کے مرتکب ہونے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے ہو اور بلند درجے فوت ہو جانے سے ہو۔ اور خدا کی خوشنودی کے لیے ہو۔ جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رونا آپ اس قدر زار و قطار روتے تھے کہ اس کی درد انگیزی سے متاثر ہو کر کئی جنازے اٹھتے تھے۔ اور آپ نہایت خوش الحان اور خوش آواز تھے۔ اور اگر دل میں حرام کام کا صدمہ ہو تو اس پر رونا اور اظہار غم کرنا بھی حرام ہے۔ جیسے کوئی عزیز مر جائے تو اس پر بین کرنا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ   تاکہ تم لوگ فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو

اور جب کوئی شخص قضا الٰہی پر راضی نہ ہو اور اس پر اظہار غم کرے۔ اور نوحہ اور بین کرے۔ تاکہ غم اور صدمہ میں اضافہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔ اور ایسے بین اور نوحہ گری پر اجرت وصول کرنا بھی حرام ہے۔ اور ایسا کرنے سے وہ گناہگار ہوگا۔ اور اس کو سننے والا بھی گناہگار ہوگا۔

تیسری قسم:

یہ ہے کہ دل میں خوشی ہو اور چاہے کہ سماع کے ذریعے اس خوشی میں اضافہ کرے۔ تو اس مقصد کے لیے بھی سماع جائز ہے۔ جبکہ ایسے کام کی خوشی ہو جو شرع میں جائز ہو اور لوگ اس پر اظہار خوشی کرتے ہوں۔ جیسے شادی کا موقعہ۔ دعوت ولیمہ عقیقہ۔ اپنے لڑکے کا بر سفر سے آنا۔ ختنے کے وقت۔ اور خود سفر سے واپس آنے کے وقت۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت کر کے مدینہ شریف میں پہنچے، تو لوگوں نے آپ کا استقبال کیا خوشی منائی اور دف بجائے۔ اور لوگ اس موقعہ پر یہ شعر پڑھتے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع

ترجمہ: ثنیۃ الوداع کی پہاڑیوں سے ہم پر چاند طلوع کر آیا ہے۔ ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے۔ جب تک دعوت حق دینے والا دعوت دیتا رہے۔

اسی طرح شادی اور خوشی کے موقعہ پر ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ان مواقع پر سماع بھی جائز و روا ہے اسی طرح جب دوست احباب اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں اور ایک دوسرے کو خوش کرنا چاہیں تو سماع کی محفل قائم کرنا اور ایک دوسرے کی موافقت میں اظہار خوشی کرنا بھی روا اور درست ہے۔

چوتھی قسم:

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کے دل پر خدائے تعالیٰ کی دوستی کا غلبہ ہو چکا ہو۔ اور حد عشق تک پہنچ چکا ہو تو اس کے حق میں سماع ضروری ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس سماع کا اثر بہت سی رسمی قسم کی خیرات سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو چیز بھی خدائے تعالیٰ کی دوستی میں اضافہ کا باعث ہو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ صوفیوں میں جو سماع مروج ہے اس کی بناء اور اصل یہی بات ہے اگر اب اس میں بھی رسم کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اس گروہ کے سبب جو ظاہری صورت میں تو صوفی ہے۔ مگر معنی اور حقیقت صوفی سے مفلس اور تہی دست ہے۔ اور سماع اس آتش عشق کے بھڑکانے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ صوفیاء میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو دوران سماع مکاشفات ہوتے ہیں۔ اور اس میں ان کو وہ لطف حاصل ہوتا ہے جو سماع کے علاوہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ لطیف احوال جو ان پر سماع کے دوران وارد ہوتے ہیں انہیں وجد کہتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سماع سے ان کا دل اس قدر پاک و صاف ہو جاتا ہے جس طرح چاندی کو آگ میں ڈال کر میل کچیل سے پاک کر دیتے ہیں۔ سماع بھی دل میں ایسی ہی آگ لگا دیتا ہے جس سے دل کی تمام کدورتیں دھل جاتی ہیں۔ اور یہ چیز بسا اوقات بہت سی ریاضتوں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اس مناسبت کو جو روح انسانی کو عالم ارواح سے ہے تیز تر کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کلیتہً اس عالم فانی سے کٹ جاتا۔ اور جو کچھ جہاں میں ہے اس سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس کے اعضاء کی طاقت جاتی رہتی ہے۔ اور وہ گر پڑتا اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ تو سماع کے دوران میں اُسے پیش آنے والے جو حالات مطابق شرع درست اور صحیح ہوتے ہیں۔ ان کا بڑا درجہ ہے۔ اور جو شخص ان حالات کی تصدیق کرتا ہے۔ اور مجلس میں موجود ہوتا ہے۔ وہ بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتا۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے کہ یہاں بہت

سی غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بہت سے مبنی بر خطا، گمان، آدمی کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے حق و باطل کے نشانات کو پختہ کار اور راستے سے واقف کار بزرگ ہی جانتے ہیں۔ اور مرید کے لیے درست نہیں کہ از خود سماع اختیار کر لے۔ اور اپنے تقاضائے طبع کے مطابق اس راستے پر چل پڑے۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید علی حلاج نے آپ سے سماع کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا تین دن تک کچھ نہ کھا بعد میں تیرے سامنے اچھا مرغن کھانا تیار کیا جائے اور ساتھ مجلس سماع منعقد کی جائے اگر تیری طبیعت اس کھانے کی بجائے سماع کی طرف ہو تو اس صورت میں تیرے لیے سماع درست اور حلال ہے لیکن وہ مرید جس کے دل میں ابھی عالم غیب کے حالات پیدا نہیں ہوتے۔ اور اس معاملہ کے راستے سے بے خبر ہے۔ یا احوال و مواجیہ پیدا تو ہوتے ہیں لیکن ابھی تک شہوت کا زور مکمل طور پر نہیں ٹوٹا۔ تو پیر کے لیے ضروری ہے کہ اُسے سماع سے روکے۔ کیونکہ ایسے مرید کو سماع سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جو شخص صوفیوں کے احوال اور وجد کا منکر ہے۔ دراصل کم ظرفی کے باعث انکار کرتا ہے۔ ایسا شخص معذور ہے کیونکہ آدمی کے لیے اس چیز پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ جس سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس شخص کی مثال مخنث کی سی ہے کہ مجامعت کی لذت کو باور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق قوت شہوت سے ہے۔ جب اس میں قوت شہوت پیدا نہیں کی گئی تو وہ اُسے کیسے جان سکتا ہے۔ اگر نابینا آدمی سبزہ زار اور بہتے پانی کے نظارے کی لذت کا انکار کرے تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ وہ بے چارہ بینائی سے محروم ہے اس لذت پر کیسے یقین کر سکتا ہے۔ اسی طرح بچہ اگر حکمرانی اور فرمانروائی کی لذت سے انکاری ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔ وہ تو کھیل کود میں مگن ہے۔ اسے حکومت و سلطنت چلانے سے کیا واسطہ۔

جاننا چاہیئے کہ صوفیوں کے احوال و مواجیہ کا انکار کرنے والے چاہیے دانشمند ہوں چاہے عام لوگ سب بچوں کی مانند ہیں۔ کیونکہ جس چیز کو ابھی تک انہوں نے نہیں پایا اس کا انکار کر رہے ہیں۔ اور جو شخص تھوڑا سا زیرک ہے وہ ضرور اقرار کرے گا اور کہے گا کہ مجھے یہ حال حاصل نہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صوفیاء کو یہ احوال و مواجید ضرور حاصل ہیں۔ تو ایسا شخص کم از کم صوفیاء کے احوال و مواجید پر ایمان رکھتا اور جائز تو کہتا ہے۔ لیکن جو شخص دوسرے کے لیے بھی اس چیز کو محال جانے جو اُسے حاصل نہیں تو اس کی غایت ہے۔ ایسا آدمی دراصل ان لوگوں میں سے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ — اور جب کہ ان کو اس راہ کی واقفیت نہ

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ○ ہوسکی تو عنقریب کہیں گے یہ تو جھوٹ و افتراء ہے۔

فصل:

جاننا چاہیئے کہ جہاں ہم نے سماع کو مباح قرار دیا ہے۔ وہیں پانچ وجہ سے وہ سماع حرام بھی ہو جاتا ہے۔

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ سماع عورت یا لڑکے سے سنے کہ یہ دونوں شہوت کا موجب ہیں۔ یہ سماع حرام ہے۔ اگر کسی آدمی کا دل حق تعالیٰ کے کام میں ڈوبا ہوا ہو۔ جب شہوت جو اس کی فطرت و سرشت میں داخل ہے اور اچھی صورت اس کی آنکھوں کے سامنے آئے گی تو شیطان اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور یہ سماع شہوت کی آگ بھڑکانے کا موجب بن جائے گا۔ ہاں اس بچے کی زبان سے سماع درست ہے۔ جو فتنے کا موجب نہ ہو۔ مگر عورت چاہے کتنی بھی بدصورت ہو اس کی زبان سے سماع جائز نہیں جبکہ اُسے دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ عورتیں جس شکل و صورت کی بھی ہوں انہیں دیکھنا حرام ہے۔ اور اگر عورت کی آواز پردہ کے پیچھے سے آرہی ہو۔ تو اگر فتنے کا باعث ہو تو حرام ہے ورنہ مباح۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دو لونڈیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گا رہی تھیں اور بلا شبہ ان کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ لہذا عورتوں کی آواز پردے میں رہنے والی چیز نہیں جس طرح لڑکوں کے چہرے۔ لیکن لڑکوں کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا جو فتنے کا موجب ہے حرام ہے۔ اور عورتوں کی آواز کا بھی یہی حکم ہے۔ اور حکم کے حالات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مضبوط ارادے کے مالک ہوتے ہیں انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں ہوتا۔ اور بعض جو پختگی کے مالک نہیں ہوتے۔ انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس کا ڈر نہ ہو اس کے لیے اجازت ہے۔ اور اس شخص کے لیے حرام ہے۔ جسے مباشرت کا ڈر ہو یا خطرہ ہو کہ بوسہ دیتے ہی انزال ہو جائے گا۔

دوسری وجہ:

یہ ہے کہ سرود و سماع کے ساتھ رباب، چنگ، بربط، باردو یا عراقی بانسری میں سے کچھ موجود ہو کیونکہ رود کے بارے میں نہی آچکی ہے۔ نہ اس بنا پہ کہ اس کی آواز اچھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اسے بری اور ناموزوں آواز سے بھی بجائے تو بھی حرام ہے۔ بلکہ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ شراب نوش لوگوں کی عادت ہے۔ اور جو چیز ان کے ساتھ خاص ہے۔ اسے حرام کیا گیا ہے۔ شراب کے تابع

سمجھتے ہوئے ۔ کیونکہ یہ شراب کی یاد کو تازہ کرتی ہے ۔ اور اس کی خواہش کو تیز کرتی ہے ۔ لیکن طبل ۔ شاہین اور دف اگرچہ اس میں دائرے پڑے ہوئے ہوں حرام نہیں ہے ۔ کیونکہ اس کے بارے میں حدیث کے اندر کچھ نہیں آیا ۔ اور یہ رود کی طرح نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ چیزیں شراب خوروں کی عادت اور شعار نہیں ہیں ۔ لہٰذا انہیں اس پر قیاس نہیں کر سکتے ۔ دف تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بجایا گیا ہے ۔ اور آپ نے شادی بیاہ کے موقع پر اس کے بجانے کی اجازت دی ہے ۔ اور اس پر دائرے وغیرہ چلے کتنے ہی زیادہ ہوں حرام نہیں ہے ۔ اور حاجیوں اور غازیوں کا طبل بجانا ایک رسم ہے ۔ لیکن ہیجڑوں کا طبلہ حرام ہے ۔ کیونکہ یہ ان کا شعار ہے ۔ اور یہ ایک لمبی شکل کا طبلہ ہوتا ہے ۔ اس کا درمیانی حصہ باریک ہوتا ہے ۔ اور دونوں سرے چوڑے ہوتے ہیں ۔ لیکن شاہین کا سر اگرچہ نیچے کی طرف نہ بھی ہو ۔ کسی طرح بھی حرام نہیں ہے ۔ کیونکہ اسے بجانا چرواہوں کی عادت ہے ۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ شاہین کے حلال اور جائز ہونے کی دلیل یہ ہے ۔ کہ اس کی خوش آواز ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں میں پہنچی تو آپ نے انگلی اپنے کانوں میں ڈال لی ۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا ۔ کہ کان لگا کر سنتے رہو ۔ جب بجانا بند ہو جائے تو مجھے بتانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سننے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ وہ مباح لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے کانوں میں انگلی ڈال لینا اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ آپ پر اس وقت بہت عجیب اور نہایت عمدہ روحانی حالت طاری تھی ۔ آپ نے خیال فرمایا ہوگا کہ یہ آواز مجھے اس حال سے روک دے گی ۔ کیونکہ سماع خداوند تعالیٰ کے شوق کو حرکت میں لانے کا بڑا اثر رکھتا ہے ۔ تاکہ جو شخص دور ہو ۔ اسے خدا کے نزدیک کرے ۔ اور یہ کام ان بے چاروں کے لیے بڑی بات ہے جن کو یہ حالت نصیب نہ ہو ۔ لیکن جو شخص عین اصل کام میں مصروف ہو ۔ یعنی حالت استغراق میں ہو ۔ اس کے لیے سماع مانع ہو اور اس کے لیے نقصان دہ ہو ۔ تو آپ کا نہ سننا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ بہت سی مباح چیزیں ایسی ہیں جن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا ۔ لیکن اجازت دینا اس کے مباح ہونے کی بڑی مضبوط دلیل ہے ۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ۔

تیسرا سبب :

یہ ہے کہ گانے بجانے میں فحش باتوں کا بھی عمل دخل ہو ۔ یا اس میں کسی اہل دین کی مذمت اور ان پر طعن و تشنیع ہو ۔ جیسے رافضی صحابہ کرام کے متعلق شعر پڑھتے ہیں ۔ یا کسی مشہور عورت کی صفت کی جاتی ہے ۔ کیونکہ عورتوں کی صفت مردوں کے سامنے کرنا منع ہے ۔ تو اس قسم کے اشعار پڑھنا اور سننا حرام ہے

لیکن وہ اشعار جن میں زلف۔ خال۔ جمال اور صورت کی صفت ہو یا وصال و فراق کی بات ہو۔ یا وہ باتیں جو عاشقوں کی عادت کے مطابق کہی اور سنی جاتی ہوں۔ ان کا کہنا اور سننا حرام نہیں ہے۔ یہ اس وقت حرام ہے۔ جبکہ پڑھنے یا سننے والا کسی عورت کا خیال کرلے۔ جس سے اس کی دوستی ہو۔ یا کسی خوبصورت لونڈے پر چسپاں کرے۔ تو اس صورت میں اس کا ایسا خیال حرام ہے۔ اور اگر اپنی عورت یا لونڈی پر سماع کرے تو حرام نہیں ہے۔ لیکن صوفیائے کرام اور وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی دوستی میں مشغول و مستغرق ہوتے ہیں۔ اور اس بناء پر سماع اختیار کرتے ہیں۔ تو یہ اشعار انہیں نقصان نہیں پہنچاتے۔ کیونکہ یہ حضرات ہر ایک شعر سے وہی معنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کا اپنا حال ہوتا ہے۔ اور عین ممکن ہے۔ کہ زلف سے تاریکی کفر مراد لیں۔ اور چہرے کے نور سے نورِ ایمان۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلف سے حضرت خداوندی کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں جیسے کسی کے یہ اشعار ہیں:

شعر: گفتم لشمارم سر یک حلقۂ زلفش — تا بو کہ بہ تفصیل بہ جملہ بر آرم
خندید بمن بر سرِ زلفین کہ مشکین — یک پیچ بہ پیچیدہ و غلط کرد شمارم

ترجمہ: میں نے کہا کہ اس کی زلف کے حلقے کے ایک سرے کو شمار کروں۔ تاکہ تفصیل کے ساتھ سب کو شمار کرسکوں۔ تو معشوق اپنی مشکیں زلفوں کے ساتھ مجھ پر ہنس پڑا صرف ایک پیچ زلف کو کھولا اور کہا کہ اس کے شمار کرنے کا خیال غلط ہے۔ وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ اور میرا سارا حساب غلط کردیا۔

ممکن ہے کہ زلف سے اشکال مراد لیں جو شخص چاہے کہ عقل کا تصرف اس درجہ کو پہنچ جائے کہ عجائبات الٰہیہ میں سے بال کے ایک سرے کو پہچان لے تو ایک پیچ پڑ جانے سے سارا شمار غلط ہو جائے گا۔ اور تمام عقلیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ اور جب اشعار میں شراب و مستی کا ذکر ہو تو اس کا ظاہر معنیٰ مراد نہ لیں مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں۔

شعر: گر مے دو ہزار رطل پیمائی — تا مے نخوری نباشدت شیدائی

ترجمہ: اگر تو ایک ہزار سیر شراب کی پیمائش بھی کرے جب تک پیے گا نہیں مست و شیدا نہ ہوگا۔ تو اس سے یہ مراد لیں کہ محض باتوں اور تعلیم سے دین کا کام درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ذوق و شوق سے درست ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر تو محبت، عشق، زہد، توکل وغیرہ کو محض باتیں کرے اور اس میں کتابیں بھی تصنیف کرے۔ اور کاغذوں کے کاغذ سیاہ کر . . . . جب تک خود اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف نہ کرے گا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور خرابات سے متعلق جو اشعار پڑھے جائیں تو ان سے ظاہر معنیٰ مراد نہ لیں اصل مطلب سمجھیں۔ مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں۔

شعر: ہر کو بخرابات نشد بیدین است — زیرا کہ خرابات اصول دین است

جو شخص خرابات میں نہ جائے بے دین ہے ۔ کیونکہ خرابات میں جانا اصول دین سے ہے ۔

تو خرابات کے لفظ سے صفات بشریت مراد ہیں ۔ کیونکہ یہی بات اصول دین سے ہے ۔ کہ یہ صفات جو اس وقت تجھ میں موجود ہیں ۔ خراب اور ویران ہوں ۔ تاکہ آدمی کا اصل گوہر جواب تک نمایاں نہیں ہو سکا معرض وجود میں آجائے ۔ اور تو اس کے ساتھ آباد ہو جائے ۔ اور ان بزرگوں کے فہم و فراست کی تفصیل لمبی ہے ۔ کیونکہ ہر ایک کی سمجھ اس کی نظر کے مطابق ہے ۔ اور دوسرے کی سمجھ سے الگ ہے ۔

سماع کے باب میں نے اس قدر جو بیان کیا ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بے وقوف اور بد عقل لوگوں کا ایک گروہ ان بزرگوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے ۔ کہ یہ لوگ صنم زلف و خال اور مستی و خرابات کی باتیں کرتے اور سنتے ہیں حالانکہ یہ سب حرام و ناروا ہے ۔ یہ احمق لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے ان بزرگوں پر بڑی حجت قائم کر دی ہے اور بہت بڑا اعتراض کر دیا ہے ۔ حالانکہ حقیقت میں یہ لوگ بزرگوں کے حال سے بالکل بے خبر ہیں ۔ ان حضرات کو خود وجد ہوتا ہے مگر شعر کے معنی پر نہیں بلکہ محض آواز پر ہوتا ہے ۔ کیونکہ شاہین کی آواز اگرچہ کچھ معنی نہیں رکھتی اس کے باوجود وجد کا باعث بن جاتی ہے ۔ اسی بنا پر جو لوگ عربی اشعار نہیں سمجھتے انہیں بھی یہ اشعار سن کر وجد ہوتا ہے احمق لوگ ہنستے ہیں کہ عربی اشعار تو ان کی سمجھ میں نہیں آتے وجد میں کیوں آتے ہیں ۔ ان احمقوں کو پتہ نہیں کہ اونٹ عربی نہیں سمجھتا اس کے باوجود عرب حدی خوانوں کی آواز سے وجد میں آکر قوت اور خوشی میں آکر بھاری بوجھ لے کر بے خودی کے عالم میں اس قدر چلتا ہے کہ جب منزل پر پہنچتا ہے ۔ اور وجد کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے تو فوراً زمین پر گر پڑتا ہے ۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے ۔ ان منکرین کو چاہیئے کہ گدھے اور اونٹ سے جھگڑیں اور مناظرہ کریں کہ تو عربی تو سمجھتا نہیں تو یہ خوشی تجھے کیسے پیدا ہوتی ہے ۔ ممکن ہے کہ عربی اشعار سے بزرگ حضرات ظاہری معنوں کے علاوہ کچھ اور معنی مراد لیتے ہوں ۔ اور جو خیالات ان کے ذہن میں ہیں اس کے مطابق معانی مراد لیتے ہوں ۔ کیونکہ ان کو شعر کی تفسیر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ۔ جس طرح ایک شخص نے یہ الفاظ پڑھے :

مازارنی فی النوم الا خیالکم ۔ — تمہارے خیال نے نیند میں میری زیارت کی

تو ایک صوفی کو وجد آگیا ۔ لوگوں نے دریافت کیا تمہارے اس وجد کی کیا وجہ ہے ۔ کیونکہ تو خود نہیں جانتا کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے تو صوفی نے جواب دیا میں کیوں نہیں جانتا ۔ شاعر یہ کہتا ہے کہ زار دنا چار ہیں ۔ تو شاعر سچ کہتا ہے ۔ حقیقت میں ہم زار و ناچار ہیں ۔ اور خطرے میں ہیں ۔ تو ان حضرات کا وجد ایسا ہوتا ہے ۔ کہ جس کے دل میں جو تصور غالب ہوتا ہے ۔ تو وہ جو کچھ سنتا ہے ۔ اسے اپنے خیال کی بات ہی سنائی دیتی ہے

اور جو کچھ دیکھتا ہے۔ اپنے مقصد کی چیز ہی دکھائی دیتی ہے۔ جو شخص عشق حقیقی یا عشق مجازی کی آگ میں نہ جلا ہو وہ اس مضمون کو نہیں سمجھ سکتا۔

چوتھا سبب:

یہ ہے کہ سننے والا جوان ہو۔ اور اس پر شہوت کا بھی غلبہ ہو۔ اور خدائے تعالیٰ کی محبت کو جانتا ہی نہ ہو کہ کیا چیز ہے۔ تو غالب گمان یہی ہے۔ کہ وہ جوان زلف و خال اور صورت و جمال کا ذکر سنے گا تو اس پر شیطانی خیالات ہی سوار ہوں گے۔ اور اس کی شہوت تیز ہو گی۔ اور خوبرو عورتوں اور لونڈوں کے عشق کو اسے دل میں آراستہ کرے گا۔ اور عاشقوں کے حالات جو سنے گا تو غالباً اسے اچھے محسوس ہوں گے۔ اس کے دل میں تمنا پیدا ہو گی۔ اور معشوقوں کی تلاش میں مستعد ہو کر چہ عشق میں قدم رکھے گا۔ عورتوں اور بردوں میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے اور اس بے ہودہ کام میں مصروف ہیں اور ان لایعنی باتوں کے مرتکب ہیں اور عذر گناہ بدتر از گناہ میں مبتلا ہیں۔ اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شخص محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور اس کے دل میں عشق کا کانٹا چبھ گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عشق خدا کا جال ہے۔ اور خدا نے اپنی محبت میں اس کو کھینچ لیا ہے۔ اس لیے اس کے دل کی حفاظت کرنا اور اس کی کوشش کرنا بڑے درجے کی بات ہے۔ زنا کی متلاشی عورتوں سے میل جول کا نام طریقت اور فسق و لواطت کا نام عشق کی مستی رکھا ہوا ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ ان بُری حرکات پر عذر کرتے ہوئے کہیں کہ فلاں پیر صاحب بھی فلاں لڑکے کو نظرِ محبت سے دیکھتے تھے۔ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا ہے۔ اور یہ لواطت بازی نہیں بلکہ عشق بازی ہے۔ اور معشوق کو دیکھنا روح کی غذا ہے۔ اسی طرح کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان باتوں کو حرام اور فسق نہ جانے اباحتی ہے اس کا قتل مباح ہے اور پیروں کی طرف جو ایسی باتیں منسوب کرتے اور حکایتیں سناتے ہیں کہ وہ بھی خوبرو لونڈوں سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ سب جھوٹ و افترا ہے۔ اپنے لیے جواز پیدا کرنے کے لیے ایسا کہتے ہیں بالفرض اگر کسی بزرگ نے ایسا کیا ہے تو وہ شہوت کی نیت سے نہ تھا۔ بلکہ ان کا دیکھنا ایسا تھا جیسے سرخ رنگ کے سیب کو دیکھنا۔ یا خوبصورت پھول کو دیکھنا۔ پھر پیر سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ معصوم تو نہیں ہیں اور پیر اگر خطایا معصیت کا مرتکب ہو جائے تو وہ معصیت مباح نہیں ہو سکتی۔

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اس سلسلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ تجھے یہ گمان نہ ہو کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے صغائر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگرچہ بزرگ ہی ہو۔ قرآن مجید میں ان کے رونے گڑ گڑا زاری کرنے اور توبہ کے واقعات اسی لیے آئے ہیں۔ تاکہ تو ان سے حجت پکڑے۔ اور اپنے آپ کو معذور جانے۔

اور ایک وجہ یہ ہے۔ اگرچہ وہ نادر الوجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کو اس حالت میں جو صوفیوں پر طاری ہوتی ہے بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ فرشتوں کی مقدس ذاتیں اور انبیاء کی ارواح کا اس پر کشف ہوتا ہے۔ کسی مثال کے آئینے میں۔ اور یہ کشف ایسے آدمی کی صورت میں ہوسکتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو۔ کیونکہ شے کی مثال لازماً اس کے حقیقی معنی کے مطابق ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ معنی عالم ارواح کے معانی میں سب سے زیادہ باکمال ہوتا ہے۔ تو عالم صورت میں اس کی مثال بھی نہایت حسین ہوگی۔ عرب میں کوئی شخص حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ خوبصورت نہ تھا۔ اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی صورت دیکھتے تھے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز خوبصورت لونڈے کی شکل میں منکشف ہو۔ اور دیکھنے والا اس سے عظیم لذت پائے۔ اور جب اس حالت سے واپس ہو۔ تو وہ معنیٰ روپوش ہو جائے۔ اور وہ اس معنی کی تلاش میں مصروف ہو جائے جس کی وہ صورت مثال بن کر سامنے آئی تھی۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ معنیٰ اس صورت کی شکل میں دوبارہ کبھی دکھائی نہ دے۔ ایسی حالت میں اگر اس کی آنکھ کسی خوبصورت شکل پر پڑے جس کی اس سے مناسبت ہو تو پھر وہی حالت تازہ ہو جائے اور اس گم شدہ معنیٰ کو پالے اور اس طرح اس پر وجد اور حال طاری ہو جائے۔ تو جائز ہے کہ کسی شخص میں خوبصورت شکل والے انسان کے دیکھنے کی رغبت پیدا ہو جائے اس حالت کو واپس لانے کے لیے۔ اور جو آدمی ان اسرار کی خبر نہیں رکھتا۔ جب اس کی رغبت دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے۔ کہ وہ ابھی اسی نیت سے خوبصورت انسان کو دیکھ رہا ہے جس نیت سے یہ خود دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ اسے دوسرے مقصد کی کوئی خبر نہیں۔ مختصر یہ کہ صوفیاء کا کام بڑا عظیم۔ بڑا پر خطر اور نہایت پوشیدہ ہے۔ اور کسی چیز میں بھی اس قدر غلطی واقع نہیں ہوسکتی۔ جتنی کہ اس میں ہوتی ہے۔ ہماری یہ گفتگو اس معاملے کی طرف محض اشارہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ صوفیائے حضرات مظلوم ہیں۔ کیونکہ لوگ انہیں بھی اپنی ہی جنس میں سے گمان کرتے ہیں۔ اور اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں مظلوم وہ شخص ہوتا ہے۔ جو ایسا گمان کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھ رہا ہے۔

پانچواں سبب:

یہ ہے کہ عوام عیش و عشرت اور کھیل کود کے طور پر سماع کے عادی ہوتے ہیں۔ اس قسم کا سماع اس شرط پر مباح ہے کہ ایسے ہمیشہ نہ رہا کریں۔ اور ہمیشہ اسی کو اپنا مشغلہ نہ ٹھہرالیں۔ کیونکہ بعض گناہ جو صغیرہ ہوتے ہیں جب آدمی ان کا عادی بن جائے تو کبیرہ کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں کبھی کبھار

اور تھوڑی مقدار میں اختیار کی جائیں تو مباح ہوتی ہیں اور جب ان کی کثرت ہو جائے تو حرام ہو جاتی ہیں۔ اس مباح کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار چند حبشی مسجد نبوی میں کھیل کود کر رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو منع نہ فرمایا۔ اور اگر وہ مسجد کو کھیل کود کا اکھاڑہ بنا لیتے تو آپ انہیں منع فرما دیتے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی طرف دیکھنے سے منع نہ فرمایا۔ اور اگر کوئی شخص ہمیشہ انہیں دیکھنا شروع کر دے اور پیشہ بنا لے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور ہنسی مذاق اگر کبھی کبھی ہو تو جائز ہے۔ اور اگر مسخرے کی طرح عادت بنا لے تو یہ جائز نہیں

دوسرا باب

سماع کے آثار و آداب میں

جاننا چاہیئے کہ سماع میں تین مقام ہیں۔ پہلا مقام سمجھنا۔ دوسرا مقام وجد کا طاری ہونا۔ تیسرا مقام حرکت میں آنا۔ اور ہر ایک مقام کے لیے اس مقام پر کچھ قدر بحث و گفتگو کی جاتی ہے۔

مقام اول:

سمجھنے میں۔ جو شخص سماع طبیعت بشری کے تقاضے یا غفلت کے تحت یا کسی مخلوق کے ساتھ وابستگی کی بنا پر کرتا ہے وہ اس سے زیادہ خبیس ہے کہ اس کے فہم حال اور گفتگو کے متعلق کچھ کہا جائے۔ وہاں وہ شخص کہ جس پر دین کی فکر غالب ہو اور خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر چھائی ہوئی ہو۔ تو اس کے دو درجے ہیں۔

پہلا درجہ:

مرید کا درجہ ہے۔ کہ اسے طلب و سلوک کے راستے میں مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ جیسے قبض۔ بسط اور اور آسانی و دشواری۔ اور قبولیت یا مردودیت کے آثار۔ اور اس کا دل ہمیشہ اس بارے میں بے چین اور مضطرب رہتا ہے۔ جب ایسی بات سنتا ہے جس میں عتاب قبولیت۔ رد۔ وصل۔ ہجر۔ قرب و بعد۔ رضا اور ناراضگی۔ امید اور ناامیدی۔ خوف اور امن۔ وفا اور بے وفائی۔ شادی وصل اور غم و فراق۔ اور اسی قسم کی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ اپنے دل پر چسپاں کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے۔ وہ شعلہ زن ہو جاتا ہے۔ مختلف کیفیات و حالات اس میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں مختلف خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس کا علم و اعتقاد پختہ نہ ہو تو وہ سماع کے دوران ایسے خیالات میں مبتلا

ہوجاتا ہے۔ جو کفر ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسی باتیں سنتا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ شعر ؎

اول بمنت میل بداں میل کجاست واموز ملول گشتن از بہر چراست

ترجمہ :۔ پہلے پہلے تیرا میلان میری طرف تھا۔ اب وہ میلان کہاں ہے۔ اور اب ملول اور پشیمان ہونا کس بنا پر ہے۔ (پشیمانی کی نسبت خدا کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔)

جس مرید کی ابتدا اچھی اور رواں ہو پھر کمزور اور سست پڑ جائے تو وہ خیال کرے گا۔ کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت اور اس کی طرف اس کا میلان تھا۔ اور اب اللہ تعالیٰ اس عنایت اور میلان سے پھر گیا ہے تو اگر اس تبدیلی کو خدائے تعالیٰ کی شان قرار دے گا تو یہ کفر ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر و تبدیلی کو ہرگز دخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تبدیلی لانے والا ہے خود تبدیل ہونے والا نہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ میری حالت بدل گئی حتیٰ کہ وہ معنیٰ جو پہلے مجھ میں موجود تھا۔ اب نہیں رہا۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہرگز کسی قسم کا حجاب اور ملال اور رکاوٹ رونما نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی درگاہ تو ہمیشہ کھلی ہوتی ہے جس طرح آفتاب کہ اس کا نور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جو شخص دیوار کی اوٹ میں ہو جائے تو آفتاب کی روشنی اس پر نہیں پڑے گی۔ تو یہ تبدیلی اس شخص میں آئی ہے آفتاب کی روشنی میں نہیں آئی۔ تو جو کوتاہی اس سے صادر ہوئی ہے چاہیئے کہ حجاب و کمی کو اپنی طرف نسبت کرے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس مثال سے مقصود یہ ہے۔ کہ نقصان اور تغیر کی صفات اور کیفیات اپنے اور اپنے نفس کے حق میں تصور کرے۔ اور جو جلال و جمال موجود ہے اسے خدائے تعالیٰ کی شان سمجھے۔ مرید اگر علم کا یہ سرمایہ اور یہ سمجھ اور فراست نہیں رکھتا۔ تو جلد ہی کفر کے فتنے میں مبتلا ہوگا اور اسے پتہ بھی نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی محبت میں سماع اختیار کرنے میں بڑا خطرہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے۔ کہ سماع اختیار کرنے والا مریدین کے درجے سے آگے نکل گیا ہو۔ اور حالات و مقامات کو پیچھے چھوڑ گیا ہو۔ اور انتہا کو پہنچ چکا ہو۔ جسے اگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو فنا اور نیستی کہتے ہیں۔ اور اگر خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو توحید اور یگانت کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے آدمی کا سماع معنیٰ سمجھنے کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ سماع کے ساتھ ہی فنا اور نیستی اور توحید و یگانت اس کے لیے تازہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اور اس جہان سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ اگر آگ میں گر پڑے تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حالت وجد میں گنے کے کٹے ہوئے کھیت

میں دوڑ پڑے۔ گنے کی جڑوں سے ان کے پاؤں بالکل کٹ گئے۔ لیکن انہیں بالکل خبر نہ ہوئی۔ یہ کامل ترین
وجد کا نقشہ ہے۔ لیکن مریدین کا وجد صفات بشریت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ وجد یہ ہے کہ مرید کو اس کی
ذات سے نکال لیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ عورتیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو وہ
اپنے آپ کو بھول گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

اے عزیز تجھے چاہیئے کہ اس قسم کی نیستی اور فنا کا انکار نہ کرے۔ اور یہ نہ کہے کہ میں تو اسے دیکھتا ہوں
وہ نیست کیسے ہو گیا۔ کیونکہ مرید وجد کی حالت میں وہ نہیں ہے جیسے تو دیکھتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو مر جاتا
ہے تو اس وقت بھی تو اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ نیست ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت وہ
لطف معنیٰ ہے۔ جو معرفت کا محل ہے۔ جب تمام چیزوں کی پہچان اور معرفت اس سے غائب ہو گئی۔ تو سب
چیزیں اس کے حق میں نیست اور فنا ہو گئیں۔ اور جب وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا۔ تو خود اپنی ذات سے
بھی نیست اور فنا ہو گئیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ اور اس کے ذکر کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو کچھ فانی تھا وہ ختم
ہو گیا۔ اور جو باقی ہے وہی رہ گیا۔ یگانت اور توحید کے یہی معنیٰ ہیں۔ کہ جب آدمی خدائے تعالیٰ کے سوا
کچھ نہیں دیکھتا۔ تو کہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے۔ اس حالت میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں ہوں۔ یا
یوں کہتا ہے کہ میں بھی نہیں۔ یا یوں کہتا کہ میں خود وہی ہوں۔ اور ایک گروہ یہاں غلطی میں مبتلا ہوا۔ اور اس
نیستی اور فنا کو حلول سے تعبیر کیا (یعنی یہ خیال کیا کہ خدا میرے اندر گھس آیا ہے۔) اور ایک گروہ نے اس مقام کو
اتحاد سے تعبیر کیا یعنی کہ بندہ اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی
آدمی نے پہلے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو۔ اور اب آئینہ سامنے رکھ کر اپنی صورت اس میں دیکھے تو خیال کرے۔ کہ
میں خود ہی آئینے میں گھس آیا ہوں۔ کہ یہ صورت خود آئینے کی صورت ہے۔ کیونکہ آئینے کی صفت اور حالت
یہ ہے کہ وہ سرخ و سفید ہوتا ہے۔ تو اگر یہ خیال کرے۔ کہ میں خود آئینے میں آگیا ہوں۔ تو یہ حلول ہے۔ اور
اگر یہ سمجھے کہ آئینہ اس کی صورت بن گیا ہے تو اتحاد ہے۔ اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ خود آئینے
میں گھس آیا ہے اور نہ صورت آئینہ بن چکی ہے۔ بلکہ صرف ایسا دکھائی دیتا ہے۔ جس شخص نے ان باطنی
اسرار کو پوری طرح نہیں پہچانا وہی ایسا سمجھتا ہے۔ اس کتاب میں اس مضمون کو مفصلاً بیان کرنا مشکل
ہے۔ کیونکہ یہ بڑا وسیع علم ہے۔ احیاء العلوم میں ہم نے اسے مفصل بیان کیا ہے۔

دوسرا مقام:

فہم کے بعد دوسرا مقام حال کا ہے۔ اسے وجد بھی کہتے ہیں۔ وجد کے معنی کسی چیز کو پانے کے ہیں
اس کا مطلب یہ ہے۔ ایسی حالت کا پانا جو پہلے حاصل نہ تھی۔ وجد کی حقیقت میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ کہ وہ

کیا چیز ہے۔ اس بارے میں درست بات یہ ہے کہ وجد ایک نوعیت کا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بہت سے انقسام ہیں۔ اور یہ دو طرح کا ہے۔ ایک قبیلہ احوال سے اور دوسرا از قسم مکاشفات۔ احوال کی تحقیق تو یہ ہے کہ بندے پر ایک صفت غالب آجاتی ہے۔ جو اسے مست کر دیتی ہے۔ یہ صفت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ کبھی شوق کی صورت میں اور کبھی خوف یا آتش عشق کے لباس میں۔ اور کبھی طلب اور کبھی غم کی صورت میں۔ اور کبھی حسرت و افسوس کے رنگ میں۔ اور اس کے بہت سے اقسام ہیں۔ جب یہ آگ دل پر غلبہ کرتی ہے۔ اور دل سے اس کا اثر دماغ تک پہنچتا ہے۔ تو حواس پر بھی غالب آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے جس طرح سویا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ دیکھتا اور سنتا ہو تو اس حالت سے غائب اور غافل ہوگا۔

دوسری نوع قبیلہ مکاشفات سے ہے۔ جس میں بہت سی چیزیں اسے دکھائی دیتی ہیں۔ جنہیں صوفیا حضرات دیکھتے ہیں۔ ان چیزوں میں سے بعض تو مثال کے لباس میں اور بعض صریحاً نظر آتی ہیں۔ اور سماع کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل کو صاف کرتا ہے۔ سماع سے قبل دل کا حال اس آئینے کی طرح ہوتا ہے۔ جس پر گرد و غبار پڑا ہوا اس گرد و غبار کو صاف کیا جائے۔ تاکہ اس میں صاف صاف نظر آئے۔ اور اس معنی اور مطلب کو الفاظ کے اندر صرف علمی، قیاس اور مثالی طور پر ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صحیح طور پر حقیقت صرف وہی شخص جان سکتا ہے۔ (اس مقام کو پا چکا ہو۔ اس مقام کو حال کے طور پر پا لینے کے بعد ہی اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو اگر وہ دوسرے کے سامنے بیان بھی کرے گا تو محض قیاس اور اندازے سے بیان کرے گا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز قیاسی ہوتی ہے وہ علم میں سے تھے۔ ذوق میں سے نہیں۔

تاہم اس قدر تفصیل اس لیے بیان کر دی ہے کہ وہ لوگ جو ذوق کے طور پر اس حال تک پہنچے اس کی صداقت کو تسلیم کریں۔ انکار نہ کریں۔ کہ اس کا انکار نقصان دہ ہے۔ اور سب سے بے وقوف وہ شخص ہے جو یہ گمان کرے کہ جو کچھ اس کے خزانہ میں نہیں بادشاہوں کے خزانہ میں بھی نہیں ہے اور اس سے بھی بڑھ کر وہ آدمی بے وقوف ہے جو اپنی مختصر پونجی کو دیکھ کر اپنے آپ کو بادشاہ تصور کر لے۔ اور کہنا شروع کر دے کہ سب کچھ میرے پاس ہے۔ اور سب کچھ میرا ہو چکا ہے۔ اور جو کچھ میرے پاس نہیں اس کا وجود ہی نہیں۔ اس دو طرح کی بے وقوفی کے باعث انسان انکار و حقائق کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ وجد تکلف و بناوٹ سے بھی ہوتا ہے۔ ایسا وجد عین نفاق ہے۔ وہاں اگر وجد کے اسباب اپنے اندر تکلف سے پیدا کرے۔ اس امید پر کہ حقیقت وجد نصیب ہو جائے۔ تو یہ نفاق نہیں ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ جب قرآن مجید سنو تو رو و اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رونا لاؤ۔ مطلب یہ ہے

کہ جب دل میں تکلفاً بھی غم حزن کے اسباب پیدا کرو گے تو اس کا بھی اثر ہو جائے گا۔ چہ جائے کہ حقیقت میں واقع ہو۔ سوال!

اگر کوئی سوال کرے کہ جب ان حضرات کا سماع حق ہے اور صرف حق کے لیے ہے۔ جو دعوت (مجلس) میں قرآن خوانی کرنے والے حضرات کو بٹھایا جاتا اور وہ لوگ قرآن پڑھتے نہ کہ قوالوں کو بلایا جاتا ہے اور وہ گانا گاتے ہیں اس لیے کہ قرآن حق ہے اور سماع (قوالی) اس سے کہیں زیادہ پست ہے اس سوال یا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سماع آیات قرآنی سے بہت ہوتا ہے اور ان آیات کو سن کر۔ وجد بھی بکثرت آتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم سنتے سنتے بیہوش بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں نے اس حالت میں جان بھی دے دی ہے ایسے واقعات کو بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے ہم نے ایسے واقعات کتاب "احیاء العلوم" میں بیان کر دیئے ہیں لیکن یہ کہنا کہ بجائے قوال کے کسی "مقری" کو بلایا جائے۔ اور قرآن شریف کے بدلے جو لوگ غزلیں گاتے ہیں اس کے پانچ اسباب ہیں۔

اول یہ کہ تمام آیات قرآنی عاشقوں کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں (ان میں محبت کی باتیں نہیں ہوتی ہیں اس لیے کہ قرآن حکیم میں کافروں کے قصے، اہل دنیا کے معاملات کے احکام کثرت سے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے امور بیان کیے گئے ہیں اس لیے کہ قرآن حکیم تمام قسم کے لوگوں کے درد کا مداوا ہے۔ اگر مقری (قرآن خواں) مثال کے طور پر یہ آیت پڑھے کہ میراث میں ماں کا ایک بٹا چھ (۱/۶) حصہ ہے اور بہن کا نصف (۱/۲) ہے یا یہ آیت پڑھے کہ چار ماہ دس روز عدت کے ہیں یا اس قسم کی دوسری آیتیں تو ان آیتوں سے آتش عشق تیز نہیں ہو سکتی سوائے اس شخص کے جس کا عشق منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہو اگرچہ اس کے لیے بھی یہ احکام اس کے مقصود سے بہت بعد اور دوری رکھتے ہیں اور یہ بات بہت ہی شاذ و نادر ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ قرآن حکیم بکثرت یاد ہوتا ہے اور بہت لوگ پڑھتے ہیں اور جس بات کو بہت کثرت سے سنا جاتا ہے اکثر حالات میں وہ دل میں ذوق (آگہی) پیدا نہیں کرتی ہے یہ اس کے لیے ہی (وجد آفریں) ہو سکتا ہے جس نے پہلی بار قرآن پاک سنا ہو لیکن نیا قرآن نہیں پڑھا جا سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں جب عرب کے لوگ حاضر ہوتے تھے اور تازہ تازہ (یعنی پہلی بار) قرآن شریف سنتے تھے تو رونے لگتے تھے اور ان پر وجد و کیف طاری ہو جاتی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ پہلے ہم بھی تمہاری ہی طرح تھے۔ (کہ قرآن کریم سن کر ہم پر یہ وزاری طاری ہو جاتی تھی) لیکن پھر ہمارے دل سخت ہو گئے (کنا کما کنتم ثم قست قلوبنا) کہ اب ہم قرآن حکیم کے سننے کے عادی ہو چکے ہیں اور اس کی سماعت کے

۱۔ حضرت امام غزالی نے یہاں بجائے آیات قرآنی کے ان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے۔

لوگ دیکھتے ہیں بس جو چیز تازہ اور نو ہوتی ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حاجیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حج سے فراغت پاکر جلد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو کعبۃ اللہ کی حرمت ان کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے دل ایسے ہیں کہ جب تک انہیں کسی لحن سے یا راگ سے حرکت نہ دی جائے وہ حرکت نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ سماع سننے والے سماع میں جو بات کہی جارہی ہے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ تمام تر توجہ راگ یا اچھی آواز کی طرف ہوتی ہے اس طرح ہر طرز ادا، ہر راگ اور ہر لئے اور لحن کا دوسرا ہی اثر مرتب ہوتا ہے اور قرآن حکیم کو راگ راگنی کی صورت میں نہیں پڑھا جاسکتا۔ کہ پڑھیں اور تالیاں بجائیں یا اس میں کسی قسم کا تصرف کریں اور جب یہ قرآن بغیر الحان کے ہوگا تو صرف سخن اہی رہ جائے گا۔ اس وقت وہ دہکتی آگ نہیں ہوتا جو جلائے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ الحان میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دوسری آوازوں سے اس کو تقویت پہنچائی جائے تاکہ زبان سے زیادہ اثر کرے یعنی قوال کی آواز کے ساتھ بانسری طبلہ، دف اور شاہین کی آوازیں بھی شامل ہوں تاکہ اثر زیادہ پیدا ہو اور یہ صورت ہزل کی ہے اور قرآن حکیم اس کی بالکل ضد ہے اس کی قرأت میں ان باتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ جو عوام کی نظر میں ہزل ہوں جیسا کہ منقول ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہا، کے گھر میں تشریف لے گئے اس وقت گھر میں موجود کنیزیں دف بجا رہی تھیں اور کچھ گا رہی تھیں جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو وہ آپ کے مدحیہ اشعار پڑھنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیزوں سے فرمایا کہ یہ ثنا پر مبنی اشعار مت پڑھو کیونکہ تم جو کچھ گا رہی تھیں وہی گاؤ کیونکہ ثنا کا مقدس مقام ہے ان کو دف پر گانا جو ہزل کی صورت ہے مناسب نہیں ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ رقص کی ایک مخصوص حالت ہوتی ہے جس کا درحریص ہوتا ہے اور جس شعر کو وہ اپنے مناسب حال پاتا ہے اس کو تڑپاتا ہے اور اگر وہ اس کے مذاق حال نہیں ہوتا تو اس سے کراہیت اور ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ کہہ اٹھے کہ یہ مت پڑھو دوسرا شعر پڑھو۔ قرآن پاک کے سلسلہ میں ایسی بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ آیت مت پڑھو اور دوسری پڑھو اور ممکن ہے کہ وہ آیت اس کے مناسب حال نہ ہو اور اس کو ناگوار ہو کہ قرآن پاک کی ہر ایک آیت ہر ایک کے مناسب حال نہیں۔ اور نہ وہ اس طرح نازل ہوئی ہے۔ شعر کی صورت میں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس سے وہی مراد لے جس جذبہ کے تحت شاعر نے کہا ہے لیکن قرآن پاک کے سلسلہ میں ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اس سے معنی مراد لے

مقام سوم

سماع میں حرکت، رقص اور جامہ دری ہوتی ہے اس سلسلہ میں جو چیز اس سماع سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اضطرابی طور پر اس سے سرزد ہوتی ہے تو وہ اس سلسلہ میں ماخوذ نہیں ہوگا۔ البتہ اختیار کے ساتھ زاہد ان کے طور پر جو کچھ کرے گا تاکہ لوگ اس کی حرکات کو دیکھیں اور سمجھیں کہ وہ صاحب حال ہے تو یہ درست

نہیں ہے۔ اور ایسی حرکت، رقص یا جامہ دری حرام ہے اور قطعی نفاق ہے شیخ ابوالقاسم نصر آبادی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا سماع میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کی غیبت میں مشغول ہوں۔ شیخ ابو عمرو ابن نجیدؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر تیس سال تک غیبت میں مصروف رہے تب بھی وہ شخص کی طرح گنہ گار نہیں ہے جو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے جو بناوٹی ہو پس سب سے زیادہ مناسب اور عمدہ بات یہ ہے کہ سماع میں مشغول ہو اور خاموش بیٹھا رہے کہ وہ اس کے احوال ظاہری کے مطابق ہو گا۔ سماع کے سامع میں اتنی قوت ہونا چاہیئے۔ کہ دوران سماع میں وہ خود پر قابو رکھے کہ حرکت کرنا اور رونا بھی ضعف کی علامت ہے (اور خود نگہداری کے خلاف) ہے لیکن ایسی قوت اور ایسا قابو بہت کم ہوتا ہے۔

پس وہ بات جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قول میں ظاہر فرمائی ہے، کہ ہم بھی پہلے تم لوگوں کی طرح تھے (رقیق القلب) پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔ یعنی دلوں میں اب طاقت آگئی ہے۔ یعنی جسم میں اتنی قوت آگئی ہے کہ ہم خود کو قابو میں رکھ سکیں۔ پس جو شخص اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ اس کو چاہیے کہ جب تک ضرورت ہی نہ آپڑے وہ خود نگہداری کرے۔ ایک نوجوان حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ سماع میں مشغول ہوا تو اس نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ اگر اب تم نے ایسی حرکت کی تو تم ہماری صحبت کے لائق نہیں رہو گے۔ پس اس نے صبر کیا۔ اور کیفیت سماع کو برداشت کرتا رہا اور اس کو بہت کوشش اس کام کے لیے کرنی پڑتی تھی آخر کار ایک روز وہ بہت صبر کرتا رہا لیکن زیادہ ضبط نہیں کر سکا اور اس نے ایک نعرہ مارا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنی حالت کا اظہار نہیں کر رہا ہے اور وہ رقص کرنے لگے یا تکلف اور تصنع کے بغیر رونے لگے تو اس کے لیے ایسا کرنا روا ہے۔ رقص مباح ہے کہ چند حبشی مسجد میں رقص کر رہے تھے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا رقص دیکھا تھا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو یہ سن کر آپ خوشی سے رقص کرنے لگے اور کئی مرتبہ زمین پر پاؤں مارا۔ اس طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر (طیار) رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے جعفر! تم خلق اور خلق میں میری طرح ہو یہ سن کر انہوں نے رقص کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے بھائی اور میرے مولا ہو تو وہ بھی خوشی سے رقص کرنے لگے تھے۔

پس جو شخص ایسے رقص کو (جو انبساط کے باعث ہو) حرام کہتا ہے وہ غلطی پر ہے ہاں اگر رقص محض بازی کے طور پر ہو تو وہ حرام ہے کہ بازی بھی بجائے خود حرام ہے اگر کوئی شخص اس لیے رقص کر رہا ہے کہ اس کے دل میں جو حالت پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ قوی ہو جائے تو ایسا رقص بجائے خود محمود ہے۔

ہاں! جامہ دری اختیاری طور پر نہیں کرنا چاہیے۔ کہ یہ مال کا ضیاع ہے البتہ اگر یہ کیفیت سے مغلوب ہو جائے

تو روا ہے ۔ اگرچہ جامہ دری اختیار ہی سے ہوتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ اس اختیار میں اضطرار ہو اور اضطرار اس طرح غالب آجائے کہ کپڑے نہ پھاڑنا چاہے پھر بھی پھاڑ ڈالے جیسے بیمار کا کراہنا اگرچہ اختیاری امر ہے لیکن اگرچہ کراہنا ۔ چاہے سب بھی کرتا ہے ورنہ جو کچھ ارادہ اور مقصد سے ہوتا ہے ۔ تو ہر وقت اس کو ترک کر سکتا ہے پس جب کوئی اس طرح مغلوب ہو جائے تو اس سے مواخذہ نہیں ہے۔

اور جس طرح صوفی حضرات جامہ داری کرتے ہیں اور اس کے ٹکڑوں اور پاروں کو تقسیم کر دیتے ہیں اس پر ایک طبقہ نے اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے ۔ تو یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کہ لوگ تو ٹاٹ کو بھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے ہیں ۔ پیراہن دری تو بڑی بات ہے پس اگر وہ بیکار نہیں پھاڑتے اور پھاڑ کر ضائع نہیں کرتے بلکہ ایک مقصد کے تحت پارہ پارہ کرتے ہیں تو ایسا کرنا روا ہے اس طرح جب لباس کے پارے کو مزید دو دو تین تین ٹکڑے کرتے ہیں تو غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو یہ ٹکڑے مل جائیں اور اس سے وہ اپنا سجادہ یا گدڑی تیار کر لیں تو ایسا کرنا روا ہے کہ کوئی شخص کرپاس کے لباس کو سو ٹکڑے کر ڈالے اور سو درویشوں میں ان کو تقسیم کر دے تو ایسا کرنا مباح ہے اس لیے کہ وہ ہر پارہ کام میں آئے گا۔

آداب سماع

چاہیئے کہ سماع میں تین باتوں کا لحاظ رکھیں !

زمان ، مکان اور اخوان (محفل میں سننے والے ساتھی) زمان سے مراد یہ ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر وقت سماع میں ہی مشغول ہیں ۔ یا ایسے وقت مشغول ہوں جو نماز کا وقت ہو یا کھانے کے وقت سماع کیا جائے جب دل پریشان اور پراگندہ ہوں تو سماع میں مشغول ہو جائیں ایسا سماع بے فائدہ ہے۔

مکان سے مقصد یہ ہے کہ کوئی راہ گذر ہو یا ناپسندیدہ اور تاریک جگہ ہو یا کسی ایسے نامہربان شخص کا مکان ہو جو ہر وقت غیظ و غضب میں رہتا ہو تو ایسی جگہیں سماع کے لیے مناسب نہیں ہیں۔

اخوان سے مراد یہ ہے کہ سماع کی محفل میں جو کوئی بھی حاضر ہو وہ سماع کا اہل ہو جب کوئی متکبر و مغرور دنیا والا اس محفل میں موجود ہو گا ۔ تو وہ افترا پردازی کے ساتھ انکار کرے گا یا ایسا بناوٹی شخص موجود ہو جو بناوٹی حال اور رقص کرتا ہے تو ایسا شخص بھی اس محفل کے لیے مناسب نہیں ہے یا کچھ غفلت پسند ایسے لوگ موجود ہوں جو بیہودہ خیالات کے ساتھ سماع کی سماعت کریں یا دوران سماع پوچ اور لچر گفتگو میں مشغول ہوں اور ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف ہوں اور باوقار لوگ نہ ہوں (تو یہ بھی اخوان سماع میں نہیں ہیں) یا ایسے لوگ ہوں جو عورتوں کو تاکتے جھانکتے ہوں یا نوجوان لوگ محفل میں ہوں اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خیال میں مگن ہوں تو ایسا سماع بیکار ہے اسی لحاظ سے شیخ جنید قدس سرہٗ نے سماع میں جو زمان و مکان اور اخوان کی شرط رکھی ہے وہ اسی اعتبار سے

رکھی ہے۔

سماع کے لیے ایسی جگہ بیٹھنا کہ جوان عورتوں کا نظارہ ہو سکے یا جوان مرد (امرد) شامل ہوں اور ایسے اہل غفلت ہوں جن پر شہوت کا غلبہ ہو تو ایسے وقت اور ایسی حالت میں سماع حرام ہے کہ ایسے موقع پر سماع سے دونوں طرف آتش شہوت بھڑک اٹھتی ہے اور شہوت کی نظر سے دوسروں پر نظر ڈالنے لگتے ہیں (عورتیں جوان مردوں کو اور جوان مرد عورتوں کو دیکھتے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سے دل پھنسا ہوا اور اس تخم سے بہت سے فتنہ و فساد برپا ہوتے ہیں۔ تو ایسا سماع کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

پس جب سماع کے اہل حضرات موجود ہوں اور وہ سماع کی مجلس میں بیٹھیں تو ادب یہ ہے کہ سب لوگ سر جھکا کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں نہ ہاتھ ہلائیں اور نہ سر کو جنبش دیں بلکہ اس طرح بیٹھیں جیسے نماز میں تشہد میں بیٹھتے ہیں اور سب کے دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ غیب سے اس سماع کی بدولت کیا کچھ ظہور میں آتا ہے تمام اہل محفل خود نگہداری کریں اختیاری طور پر سماع کے دوران کھڑے نہ ہو جائیں اور جنبش نہ کریں البتہ اگر کوئی غلبہ شوق کے باعث سماع میں کھڑا ہو جائے تو پھر سب لوگ اس کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں اگر اس حال میں اس کی دستار گر جائے تو سب لوگ اپنی اپنی پگڑی اتار کر رکھ دیں یہ صورت حال اگرچہ بدعت ہے اور صحابہ کرام یا تابعین حضرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ایسا نہیں کیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو امر بدعت ہے اس کو نہ کیا جائے کہ بہت سی بدعتیں ایسی ہیں جو نیک اور رغوب ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تراویح کی جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی وضع کردہ ہے پس یہ بدعت حسنہ ہے بدعت سیئہ یا بدعت مذموم وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو جبکہ حسن خلق اور دوسروں کے دلوں کو خوش کرنا شریعت میں محمود اور پسندیدہ ہے۔

ہر قوم کی ایک مخصوص عادت یا ان کا رواج ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ان لوگوں کے اخلاف میں بدخوئی سمجھا جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خالق انسان باخلاقھم (ہر شخص کے ساتھ اس کی عادت اور خو کے مطابق زندگی بسر کرو) جبکہ اصحاب سماع اس موافقت عمل سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی مخالفت سے ان کو وحشت اور پریشانی ہوتی ہے تو پھر ان کی موافقت کرنا سنت پر گامزن ہونا ہے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی لیکن جہاں یہ دیکھا جائے کہ نہ اٹھنے سے لوگوں کو وحشت و ناگواری ہوگی تو ان کی دلدہی کی خاطر اٹھنا زیادہ بہتر ہے کہ عربوں کی عادت اور ہے اور عجمیوں کی عادت اور ہے واللہ اعلم۔

اصل نہم

امر معروف و نہی منکر

امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا قطب ہے جس کے ساتھ ہر ایک نبی کو بھیجا گیا اگر اس قطب کو درمیان سے اٹھالیا جائے تو شریعت تمام کی تمام بیکار اور باطل ہو جائے یہ موضوع دا ہم تین ابواب میں ہم پیش کر رہے ہیں۔

باب اول :۔ اس کے وجوب کے بارے میں ہے۔

باب دوم :۔ احتساب کی شرائط میں ہے۔

باب سوم :۔ یہ باب منکرات کے بیان میں ہے

باب اول

امر معروف و نہی منکر کا وجوب

معلوم ہونا چاہیے کہ امر معروف و نہی منکر واجب ہے اگر کوئی شخص معذور نہیں اور اس کو ترک کرے گا گنہاہ گار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

تم میں ایک ایسا گروہ (جماعت) ہونا چاہیے جن کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں (بھلائی کا حکم دیں) اور برائی سے باز رکھیں (سورہ آل عمران)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ یہ فریضہ ہے لیکن ایسا فریضہ جو فرض کفایہ ہے کہ جب ایک گروہ اس پر کاربند ہو جائے تو کافی ہے لیکن اگر کوئی بھی نہ ادا کرے ۔ تو سب لوگ گنہگار ہوں گے اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وہ لوگ ہیں جو زمین پر اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکواۃ ادا کرتے ہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکواۃ کو ایک ساتھ شامل کیا ہے اور اہل دین کی اس طرح صفت بیان کی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

تم لوگ معروف کا حکم دو ورنہ خداوند تعالیٰ تم میں سے بدترین لوگوں کو تم پر مسلط فرما دے گا۔ اس وقت تم میں سے بہترین لوگ جب دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس وقت اس دعا کو نہیں سنے گا"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں معصیت کاری ہوتی ہو اور وہ اس بات کا انکار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل کرنے والا ہے جو سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام نیک کام جہاد کرنے کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے بہت بڑے دریا کے سامنے ایک قطرہ اور امر معروف کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریائے عظیم کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔

انسان جو بات کہتا ہے اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ خاص بندوں پر عوام کے سبب سے عذاب نہیں نازل فرمائے گا۔ مگر اس وقت کہ وہ کسی کو منکر میں مبتلا دیکھے اور اس کو منع نہ کر سکے۔ اور خاموش رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسی جگہ مت بیٹھو جہاں کسی کو ظلم سے قتل کیا جائے یا ظلم سے مارا جائے کہ ایسی جگہ لعنت برستی ہے اس شخص پر جو اس حال کو دیکھے اور منع نہ کرے"۔

ایک اور ارشاد ہے :- کہ ایسی جگہ جہاں کوئی ناشائستہ بات ہو رہی ہو۔ اور دیکھنے والا احتساب نہ کرے کہ اس احتساب کے باعث نہ تو اس کو موت ہی اس کی موت کے وقت سے پہلے آئے گی اور نہ اس کی روزی کم ہوگی"۔ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ ظالموں کے مکانات میں یا ایسی جگہ جہاں کوئی ظالم ہو اور اس پر احتساب کی طاقت نہ ہو تو بغیر ضرورت کے نہیں جانا چاہیئے"۔ یہی سبب تھا کہ اسلاف کرام میں سے بہت سے حضرات گوشہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ بازار اور راستوں کو وہ منکرات سے خالی نہیں پاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص کے سامنے کوئی گناہ ہوتا ہے اور وہ اس سے کراہت کرتا ہے تو ایسا شخص غائب شخص کی مانند ہے! اور اگر وہ وہاں موجود نہیں ہے لیکن اس گناہ پر راضی ہے۔ تو گویا وہ گناہ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جو رسول بھی دنیا میں آیا اس کے حواری یعنی اصحاب ہوئے تھے جو اس رسول کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول علیہ السلام کی سنت کے مطابق کام کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو منبروں پر بیٹھ کر تو نیک اور اچھی باتیں کرتے تھے لیکن خود برے معاملات کرتے تھے۔ تو اس وقت ہر ایک مومن پر فرض ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہاتھوں سے جہاد کرے اگر ہاتھوں سے نہ کر سکے تو زبان سے کرے اور اگر زبان سے بھی نہیں کر سکتا تو پھر وہ خود مسلمان نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو زیر زبر کر دو۔ فرشتے نے کہا کہ الٰہی! فلاں شخص جس نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی گناہ نہیں کیا ہے اس شہر میں موجود ہے پھر میں اس شہر کو کیسے زیر و زبر کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ اور ایسا ہی کرو کہ اس شخص نے کبھی دوسروں کے گناہوں پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شہر کے تمام باشندوں پر جس کی آبادی اٹھارہ ہزار مردوں پر مشتمل ہو اور ان کے اعمال پیغمبروں کے اعمال کی طرح ہوں، عذاب نازل فرماتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کیوں ہے؟ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں (کے بُرے کاموں) پر غیظ و غضب اور ان کا احتساب نہیں کیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: شہیدوں میں فاضل ترین شہید کون ہے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے سلطان جابر سے محاسبہ کیا۔ تا کہ اس کو اس محاسبہ کی پاداش میں وہ قتل کر دے اور اگر اس کو قتل نہیں کیا گیا تب بھی اس سے زیادہ مرتبہ کسی کا نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی طویل عمر پائے۔

اخبار میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم سے ایک لاکھ آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ جس میں اسی ہزار نیک افراد ہوں گے اور بیس ہزار اشرار و گنہگار۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ نیک لوگ کیوں ہلاک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے ان اشرار اور خطا کاروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے اور دوسرے معاملات کرنے میں احتراز نہیں کیا۔

باب دوم

احتساب کی شرط

معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب تمام مسلمانوں پر واجب ہے پس اس علم کا اس کے شرائط کے ساتھ جاننا بھی واجب ہوا۔ اس لیے کہ جس فریضہ کی شرائط سے آگاہی نہیں ہو گی اس ادائیگی ممکن نہیں ہے۔ احتساب کے چار ارکان ہیں۔ ایک محتسب، دوم جس کا احتساب کیا جائے۔ سوم جس معاملہ یا جس چیز میں احتساب کیا جائے چہارم۔ احتساب کی نوعیت اور کیفیت۔

رکن اول یعنی محتسب

محتسب کے لیے بس یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو اور مکلف ہو کہ احتساب دین کا حق بھی ہے۔ سلطان کی اجازت اور محتسب کے صاحب عدل ہونے کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے اور بعض کہتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ شرط نہیں ہے عدالت اور پارسائی احتساب کی شرط کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی شخص بھی گناہوں سے معصوم نہیں ہے کہ یہ شرط لگائی جائے کہ احتساب وہی کر سکتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو پس اگر احتساب ہم اس وقت کر سکتے ہیں کہ ہم سے کوئی گناہ نہ ہو تو اس صورت میں ہم ہرگز احتساب نہیں کر سکتے۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ جب تک خود کو پاک نہ کر لو مخلوق کو نیکی کی دعوت مت دو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ شیطان کو سوائے اس کے اور کسی چیز کی آرزو نہیں ہے کہ یہ بات وہ ہمارے دل میں جاگزیں کر دے تاکہ محاسبہ کا دروازہ بند ہو جائے پس اس مسئلہ میں حقیقی بات یہ ہے کہ محاسبہ یا احتساب دو طرح کا ہے ایک وعظ و نصیحت، جس کی توضیح و تشریح یہ ہے کہ ایک شخص کہتا ہے۔ کہ یہ کام مت کرو اور خود اسی کام کو کرتا ہے تو بجز اس کے اور کیا فائدہ ہو گا کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کا وعظ اثر نہیں کرے گا کہ ایسا محاسبہ فاسق کے لیے مناسب نہیں ہے

بلکہ ممکن ہے کہ بات اور خراب ہو جائے جب محتسب یا واعظ یہ جانتا ہے کہ اس کی بات نہیں سنے گا اور اس کا مذاق اڑانے لگے جس سے وعظ کی رونق اور اس کا بھرم برباد ہو گا۔ اور شریعت کا وقار لوگوں کی نظروں میں گر جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے دانشوروں کی نصیحت جو خود فسق میں مبتلا ہوتے ہیں مخلوق کے لیے ضرر رساں ہے اور وہ لوگ اور جری ہو جائیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ:۔

شب معراج میں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے لب آگ کے ناخن تراش سے کاٹے جا رہے تھے۔

میں نے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ دوسروں کو خیر کا حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ دوسروں کو شر سے منع کرتے تھے اور خود اس سے باز نہیں رہتے تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابن مریم! پہلے خود کو نصیحت کرو جب تم اس کو قبول کر لو تب دوسروں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرم کرو!!

احتساب کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ہاتھ اور قوت سے ہو، جیسے شراب رکھی ہوئی دیکھے تو اس کو گرا دے یا چنگ ورباب کو توڑ ڈالے اور اگر کوئی جھگڑا کرنے لگے۔ تو اپنی قوت سے اس فاسق کو روکے اور منع کرے ایسا کرنا ہر شخص پر دو باتیں واجب ہیں اول یہ کہ نہ خود کرے نہ دوسروں کو کرنے دے اگر خود کرے تو اس کو دوسرا کیوں کرے اسی طرح ریشمی کپڑے پہن کر کوئی احتساب کرے۔ اور دوسرے کے ریشمی لباس کو اس کے جسم سے اتارے،

خود شراب پیتا ہے اور دوسرے کی شراب بہا دے تو ایسا کرنا نہایت ہی بری بات ہے تو اس کا جواب ہے۔ کہ زشت اور چیز ہے اور باطل اور چیز ہے یہ بات اس لیے زشت ہے کہ اس نے اس سے مہم تر کو ترک کر دیا۔ اس لیے برا اور زشت نہیں ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مثلاً اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا تو یہ بات زشت ہے کہ اس نے ایک اہم حسنات کو ترک کر دیا یعنی نماز کو۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ روزہ رکھنا باطل و بیکار ہے۔ بلکہ قائل کا اس قول سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ نماز روزہ سے مہم تر ہے اس طرح کرنا کہنے سے زیادہ مہم ہے لیکن ہیں یہ دونوں واجب ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں ہیں۔ کہ اس کو اس کے بدلہ میں ادا کر دیا۔ جیسے مثل کے طور پر کہا جائے کہ شراب نوشی سے منع کرنا کیا اس پر اس لیے واجب ہے۔ کہ وہ خود نہیں پیتا ہے۔ اور جب وہ خود پی لے تو یہ واجب اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ محال ہے۔

شرط دوم یہ ہے کہ اس محاسبہ کے لیے بادشاہ کی اجازت اور اس کے حکم نامہ کی ضرورت ہو تو یہ بھی محاسبہ کیلئے شرط نہیں ہے کہ بزرگان سلف نے تو خود (اس کے برعکس) بادشاہوں اور سلاطین پر محاسبہ کیا ہے اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس مسئلہ کی حقیقت اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ تم محاسبہ کے درجات معلوم کر لو وہ ہم بیان کرتے ہیں

احتساب کے چار درجات ہیں:۔

محاسبہ کا درجہ اول نصیحت کرنا ہے اور خداوند عزوجل سے ڈرانا اور اس کی نافرمانی کا خوف دلانا اور یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے تو پھر کسی منشور اور فرمان کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ فاضل ترین عبادت یہ ہے کہ بادشاہ کو نصیحت کی جائے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا جائے۔

درجہ دوم: برے الفاظ کہنا ہے۔ مثلاً جس کا محاسبہ کرنا ہے اس سے کہا جائے کہ اے فاسق! اے ظالم! اے احمق! یا اے جاہل تو خدا سے نہیں ڈرتا جو ایسے کام کرتا ہے یہ تمام باتیں بالکل درست ہیں اگر فاسق کے حق میں کہی جائیں۔ ایسے کلمات کہنے کے لیے کسی فرمان یا اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

درجہ سوم: تیسرا درجہ ہاتھ سے منع کرنے کا ہے جیسے شرابی کی شراب بہا دے یا چنگ و رباب توڑ دے ریشمی پگڑی اس کے سر سے اتارے۔ یہ تمام باتیں عبادت کی طرح واجب ہیں ہر وہ بات جو ہم نے باب اول میں بیان کی ہے اس امر پر دلیل ہے کہ جو کوئی مومن ہے اس کو شریعت نے اس قسم کا اختیار دیا ہے جس کے لیے سلطان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

درجہ چہارم: یہ ہے کہ احتساب کے لیے مارے لیکن مارتے وقت اس بات کا خیال رہے اور اس بات سے ڈرے کہ اگر وہ لوگ مقابلہ پر ڈٹ جائیں تو مددگاروں کی ضرورت ہو گی پس ایسی صورت میں اپنے کچھ حامیوں کو جمع کر لے تب مار دھاڑ سے محاسبہ کرے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس طرح سے فتنہ برپا ہو جائے کہ بادشاہ وقت سے اس کی اجازت نہیں لی گئی تھی پس بہتر یہ ہے کہ اس درجہ کے محاسبہ میں بادشاہ سے اجازت لے لی جائے۔ احتساب کے یہ درجات اگر پیش نظر رہیں تو کوئی تعجب نہیں کہ بیٹا باپ کا احتساب کرے تو سوائے اس کے کہ لطف و مدارا کے ساتھ نصیحت کرے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو نصیحت کرے تو جب باپ غصہ کرے تو خاموش ہو جائے لیکن باپ سے سخت بات کہنا مناسب نہیں ہے مارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح قتل کرنا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اگر بیٹا جلاد بھی ہے تو کوڑے نہیں مارنا چاہیئے کہ یہی زیادہ مناسب ہے ہاں اس کی شراب پھینک دے ریشمی کپڑے پھاڑ ڈالے یا کوئی چیز اس نے حرام ذریعہ سے حاصل کی ہے تو اس سے لے کر اس کے مالک کو پہنچا دے چاندی کے پیالے توڑ دے اور دیوار پر جو تصویریں بنی ہیں ان کو رگڑ دے اس طرح اور باتیں ہیں یہ تمام باتیں بیٹے کے لیے روا ہیں خواہ اس صورت میں باپ کتنا ہی غصہ کیوں نہ کرے کہ ایسا کرنا حق ہے اور اس کے جواب میں باپ کا غصہ کرنا محض باطل ہے ایسا کرنا آپ کے نفس پر تصرف کرنا نہیں ہے البتہ مارنا اور برا کہنا نفس پدر پر تصرف میں داخل ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ باپ ایسی باتوں سے بہت رنجیدہ ہو گا لہٰذا نہ کرے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتساب سے اگر باپ غصہ ہو تو مقصد بیٹا خاموش ہو جائے اور وعظ و نصیحت سے باز رہے۔

اسی طرح غلام کا احتساب اپنے آقا پر اور آقا کا غلام پر، بیوی کا احتساب شوہر پر اور رعیت کا احتساب بادشاہ پر اسی طرح ہے جس طرح بیٹے کا احتساب باپ پر کہ یہ تمام حقوق موکد و مقرر ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہے البتہ شاگرد کا احتساب استاد پر بہت آسان ہے کہ استاد کی حرمت دین کے اعتبار سے ہے پس وہ جب اس علم کے مطابق جو استاد سے حاصل کیا ہے عمل پیرا ہو احتساب کرے، تو کوئی محال بات نہیں ہے بلکہ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے اس نے اپنی عزت تو پہلے ہی گنوادی ہے۔

رکن دوم

یعنی

وہ امور جن میں احتساب کیا جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر وہ کام جو منکر ہے اور محتسب بغیر تجسس کے اسے جان لے اور اس کام کی ناشائستگی پر اس پر اس کو یقین ہو تو اس پر محاسبہ کرنا روا ہے البتہ یہ چار شرطیں اس کے ساتھ ہیں۔

شرط اول یہ ہے کہ وہ کام از قسم منکر ہو خواہ معصیت نہ ہو نہ گناہ صغیرہ ہو جیسے کسی دیوانے یا بچے کو دیکھے کہ وہ کسی جانور کے ساتھ صحبت کر رہا ہے تو منع کرنا چاہیے اگرچہ اس فعل کو گناہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں مکلف نہیں (دیوانہ اور بچہ) لیکن چونکہ شریعت میں ایسا فعل منکر میں داخل ہے اور فحش بات ہے لہذا احتساب درست ہے اسی طرح اگر کسی دیوانہ کو دیکھے کہ وہ شراب پی رہا ہے یا کسی بچہ کو دیکھے کہ وہ کسی کا مال تلف کر رہا ہے تب بھی منع کرنا چاہیئے اور جو باتیں معصیت میں داخل ہیں خواہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہوں اس میں احتساب کرنا چاہیئے جیسے عورت کا حمام میں برہنہ ہونا، عورتوں کو تکنا اور خلوت و تنہائی میں ان کے ساتھ کھڑا ہونا، سونے کی انگوٹھی پہننا یا ریشمی لباس پہننا یا چاندی کے کٹورے میں پانی پینا ایسے تمام صغیرہ گناہوں میں احتساب کرنا چاہیئے۔

شرط دوم دوسری شرط یہ ہے کہ معصیت فی الحال پائی جاتی ہو لیکن اگر کوئی شخص شراب پی چکا ہے پس اس کو صرف نصیحت کرے احتساب کر کے اس کو دکھ نہیں پہنچانا چاہیے اس پر حد لگانا صرف سلطان وقت کا کام ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا ارادہ ہو کہ آج رات میں شراب پیوں گا تو اس کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہیے ہاں نصیحت ضرور کرے کہ شراب مت پیؤ، ممکن ہے کہ اس نصیحت کے بعد وہ شراب نہ پیئے اور جب وہ یہ کہہ دے کہ اچھا میں نہیں پیوں گا تو پھر اس کی طرف سے گمان بد نہ کرے۔ ہاں! اگر کوئی جوان خلوت میں عورت کے ساتھ بیٹھے تو اس کا احتساب کرنا روا ہے قبل اس کے کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے کہ ایسی خلوت خود ایک معصیت ہے اسی طرح اگر کوئی شخص عورتوں کے حمام کے دروازہ پر کھڑا

ہو جائے کہ جب عورتیں حمام سے نکلیں گی تو میں ان کو دیکھوں گا تو ایسے شخص کا بھی احتساب کرنا چاہیے کہ یہ کھڑا ہونا بھی معصیت ہے۔

شرط سوم

تیسری شرط یہ ہے کہ معصیت محتسب کے تجسس کے بغیر ہی ظاہر ہو تب تجسس نہیں کرنا چاہیے جو کوئی گھر میں داخل ہو جائے اور گھر کا دروازہ بند کرلے تب بغیر اجازت گھر میں داخل ہونا اور دریافت کرنا تم کیا کر رہے ہو (مناسب نہیں) اسی طرح در و بام سے کان لگانا تاکہ کانوں میں آواز آئے اور محاسبہ کرے یہ بھی درست نہیں ہے بلکہ جس چیز کو خدا نے چھپایا ہے اس کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہیے مگر جب آواز باہر تک پہنچے اور مستوں کا شور و غل تو باہر تک پہنچتا ہے اس وقت بغیر اجازت گھر میں داخل ہو کر احتساب کرنا درست ہے اگر کوئی فاسق اپنے دامن کے نیچے کوئی چیز چھپائے ہوئے ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ شراب ہو تو اس سے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ دکھاؤ تمہارے دامن کے نیچے کیا ہے۔ یہ تجسس ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شراب نہ ہو اور محتسب نے بغیر دیکھے ہی یہ گمان کر لیا ہو کہ شراب ہوگی ہاں اگر شراب کی بدبو آتی ہو تو پھر روا ہے کہ اس کو (لے کر) پھینک دے۔ یا اس کے پاس بڑا بربط ہے اور باریک کپڑا پہنے ہے جس سے وہ نمایاں ہو۔ ہا ہے جس سے وہ نمایاں ہو رہا ہے تو پھر چھین کر پھینک دینا روا ہے بہت ممکن ہے کہ زیر دامن اور کوئی چیز ہو تو پھر اس کو نادیدہ ہی سمجھنا چاہیئے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں ہے کہ آپ ایک چھت پر چڑھ گئے اور ادھر ادھر دیکھا تو ایک شخص کو ایک عورت اور شراب کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا[1]۔ والا معاملہ ہو ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے حقوق صحبت کے باب میں بیان کیا ہے اور یہ واقعہ بہت مشہور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز منبر پر تشریف فرما تھے تو آپ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے فرمایا کہ بتائیے آپ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ اگر امام وقت اپنی آنکھوں سے کوئی منکر دیکھے تو کیا روا ہے کہ وہ اس پر حد جاری کرے کچھ اصحاب نے فرمایا کہ حد جاری ہی کرنا درست ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دو عادل گواہوں کے ساتھ مقید و مشروط کیا ہے صرف ایک شخص کافی نہیں ہے اور یہ روا نہیں ہوگا کہ امام تنہا اپنے علم کی بناء پر اس پر حد جاری کر دے بلکہ اس کا چھپانا واجب ہے۔

شرط چہارم

چوتھی شرط یہ ہے کہ معلوم ہو کہ حقیقت میں یہ بات ناروا ہے گمان اور اجتہاد سے نہیں بلکہ یقین سے۔ پس شافعی مسلک کے شخص کے لیے یہ بات روا نہیں ہے کہ وہ حنفی مسلک پر اس مسئلہ میں اعتراض کرے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز ہے یا حنفی نے بغیر ولی کے نکاح کر دیا۔ یا کسی نے حق شفعہ حاصل کر لیا ہاں اگر کوئی شافعی مسلک کا پیرو بغیر ولی کے نکاح کر دے اس مجلس کے خرمے کھائے (یعنی اس مجلس میں موجود ہو) تو اس کے لیے روا نہیں ہے۔ اس کو منع کرنا روا ہے کہ وہ جس مذہب کا مقلد ہے اس کے صاحب (یعنی بانی مسلک) کے خلاف عمل کرنا کسی شخص کے

---

[1] آپ یہ دیکھ کر احتساب کے لیے وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے اور برتن میں شراب نہیں بلکہ شربت ہے۔

نزدیک روا نہیں ہے ایک جماعت (فقہا) کی رائے ہے کہ شراب نوشی، زنا کاری یا کسی ایسے فعل پر احتساب کرنا روا ہے جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ (مسالک اربعہ متفق ہیں) اور اس پر یقین ہو نہ کہ اپنے اجتہاد سے کام لیا ہو کہ تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی اپنے اجتہاد یا اپنے صاحب مذہب کے اجتہاد کے خلاف کرتا ہے وہ عاصی ہے اور یہ بات حقیقت میں حرام ہے کہ جیسے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی سمت متعین کرے اور پھر اس سمت نماز ادا کرے جس سے حقیقت میں سمت قبلہ کی طرف پشت ہوتی ہے تو ایسے اجتہاد سے وہ گنہگار ہو جائے گا خواہ دوسرا شخص یہ خیال کرے کہ وہ راہ صواب پر ہے (اس کا عمل درست ہے)

اور کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جو شخص جس فقہی مذہب کو چاہیے اختیار کرلے روا ہے تو یہ کہنا بالکل لغو اور بیہودہ بات ہے قابل اعتماد نہیں ہے بلکہ ہر عالم شخص اس بات کا مکلف ہے کہ اپنے ظن و گمان کے مطابق کام کرے اور جب اس کا ظن و گمان یہ ہو کہ مثلاً امام شافعی دوسرے ائمہ فقہ سے عالم تر ہیں یعنی اس باب میں امام شافعی کا اجتہاد سب سے بہتر ہے تو یہ جانتے ہوئے ان کی مخالفت کا عذر سوائے ہوائے نفس کے اور کچھ نہ ہوگا لیکن جو شخص عقائد میں مبتدع (بدعت کا بانی) ہو مثلاً حق تعالےٰ کے جسم کا قائل ہو (کہ حق تعالےٰ جسم رکھتا ہے) یا قرآن کو مخلوق کہتا ہے اور دیدار الٰہی کا (قیامت میں) منکر ہے تو ایسے شخص پر احتساب کرنا لازم ہے خواہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما احتساب نہ کریں کہ ایسا مذہب (تجسیم الٰہی کے قائل یعنی مبتدع) رکھنے والوں کی خطا یقینی ہے لیکن فقہ کے مسائل میں مجتہد کی خطا بالیقین معلوم نہیں۔

البتہ بدعقیدہ شخص پر ایسی بستی میں احتساب کرنا چاہیئے جہاں مبتدع لوگ کم ہوں اور اہل سنت و جماعت کی کثرت ہو۔ اور جب ایسی دو جماعتیں موجود ہوں۔ کہ تم ان پر احتساب کرو گے تو وہ تم پر احتساب کریں گے اور فتنہ و فساد برپا ہوگا تو ایسے احتساب میں سلطان وقت کی اعانت ضروری ہے۔

رکن سوم

یہ تیسرا رکن اس شخص کے باب میں ہے جس پر احتساب واقع ہوتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مکلف ہو اور اس کا فعل معصیت کا سبب بنتا ہو اور اس کی بزرگی بھی مانع احتساب نہ ہو جس طرح کسی کا باپ ہو کہ اس کی بزرگی تنبیہہ، تادیب اور اہانت سے فرزند کو مانع ہے ہاں وہ دیوانے اور غیر مکلف لڑکے کو منع کر سکتا ہے لیکن اس کو احتساب نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اگر ایک جانور کو دیکھا کہ مسلمانوں کا اناج کھا رہا ہے تو اس کو روکنا درست ہے تاکہ مسلمانوں کے مال کا تحفظ ہو۔ لیکن ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے البتہ اس صورت میں کہ یہ روکنا آسان ہو اور اس سے خود اس کو کسی مضرت کا اندیشہ نہ ہو تب مسلمان کے حق میں اتنا کام کرنا واجب ہے جس طرح اگر کسی کا مال ضائع ہوا اور وہ خود اس ضیاع کا گواہ ہے اور گواہی دینے جانے کا راستہ بھی بہت دور دراز نہیں تو ایک مسلمان بھائی کا حق بجالانے کے واسطے اور ادائے شہادت کے لیے جانا واجب ہوگا

ظلم

جب کوئی صاحب عقل و ہوش کسی کا مال ضائع کرتا ہے تو یہ ظلم و گناہ ہے اگرچہ اس میں محنت ہو پر احتساب ضروری اور لازمی ہے کیونکہ فسق و معصیت سے باز رہنا یا کسی کو اس سے باز رکھنا محنت

ومشقت سے خالی نہیں ہے اس کو برداشت کرنا ضروری ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ محنت ومشقت اتنی ہو کہ اس کے برداشت کرنے کی اس میں طاقت ہو۔

احتساب سے غرض اسلام کی روش اور اس کے شعائر کا اظہار ہے پس اس باب میں اس کا محنت برداشت کرنا واجب ہوگا۔ مثلاً اگر کسی جگہ اتنی مقدار میں شراب موجود ہے۔ کہ اس کو پھینکتے پھینکتے تھک جائے گا۔ تو یہ مشقت اٹھانا واجب ہوگا۔ یا بہت سے بکرے بکریاں ہیں جو کسی مسلمان کا اناج کھا رہی ہیں اور ان کو ہنکانے سے وقت ضائع ہو تو ایسی محنت یا وقت کا ضیاع واجب نہیں ہے کیونکہ انسان کو اپنے حقوق کی رعایت اس طرح کرنا چاہیے جس طرح دوسروں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اور اس وقت اس کا حق ہے لہذا کسی کے مال کی حفاظت میں اس کو ضائع کرنا واجب نہیں ہے البتہ دین کی مد میں اس کو صرف کرنا اور اس معصیت کو منع کرنا واجب ہے۔

احتساب میں ہر ایک قسم کی محنت برداشت کرنا واجب نہیں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خود عاجز ہے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ بس اس پر اتنا ہی واجب ہے کہ دل سے اس کام کا انکار کرے۔ ہاں جبکہ عاجز نہیں لیکن ڈرتا ہے کہ احتساب کروں گا۔ تو مجھ کو زدوکوب کریں گے یا یہ سمجھتا ہے کہ اس کا منع کرنا نفع بخش نہ ہوگا تو اس بات کی بھی چار صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ منع کرنے پر اس کو ماریں گے اور اس گناہ سے باز نہیں آئیں گے تو اس صورت میں اس پر احتساب واجب نہیں ہے البتہ زبان سے یا ہاتھ سے احتساب کرے یہ مباح ہے اور مار دھاڑ یا چوٹ آنے پر صبر کرے کہ اس صورت میں اس کو ثواب حاصل ہوگا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اس شہید سے افضل نہیں جو بادشاہ پر احتساب کرے اور قتل کر دیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ معصیت کو روک سکتا ہے اور کسی بات کا خطرہ نہیں ہے اس احتساب پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اب اگر احتساب نہیں کرتا ہے تو عاصی ہے اور گنہگار ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر معصیت بھی نہیں چھوڑ سکتے اور احتساب پر اس کو مار بھی نہیں سکتے تو ایسے مقام پر شرع کی تعظیم کے لیے زبان سے احتساب کرنا واجب ہے کیونکہ جس طرح زبان سے انکار کرنے میں عاجز نہیں ہے اس طرح زبان سے منع کرنے میں بھی عاجز نہیں چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ معصیت کو مٹا سکتا ہے لیکن اس کو ماریں گے۔ جیسے شراب کے شیشے اور چنگ ورباب کو پتھر سے توڑا تو اس کو ماریں گے ایسی صورت میں بھی احتساب واجب نہیں لیکن اگر احتساب کے بعد اس پر جو ظلم وزیادتی ہوگی اس پر صبر کرے تو یہ افضل و بہتر ہے اس موقع پر اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ ۝ اپنے ہاتھوں سے خود کو بلا میں مت ڈالو تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی راہ میں مال صرف کرو تاکہ ہلاک نہ ہو۔ دمال نفقہ کنید در راہ خدا تا ہلاک نہ شوید، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی گناہ کرے اور کہے کہ میرا توبہ قبول نہ ہوگا۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گناہ کریں اس کے بعد کچھ نیکی نہ کریں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو خطرہ ہے کہ جو چیز بالفعل اسکو حاصل ہے وہ ہاتھ سے نکل جائے گی دفوت ہو جائے گی مثلاً اگر احتساب کرے گا تو اس کا مال چھین لیا جائے گا۔ یا اس کا گھر ویران کر دیں گے یا بدن کی سلامتی باقی نہ رہے گی اس کو ماریں گے یا اس کی جاہ و عزت میں فرق آئے گا۔ اس کو سر برہنہ بازار میں لے جائیں گے (خواہ اس کو نہ ماریں) ان تمام باتوں میں بھی وہ احتساب سے معذور ہو گا۔ ہاں اگر کسی ایسی بات کا خوف ہے جو مروت میں خلل انداز نہ ہو لیکن شان و شوکت میں رخنہ انداز ہو جیسے اس کو پکڑ کر بازار میں پیادہ پا لے جائیں گے اور پر تکلف لباس نہ پہننے دیں یا اس کے سامنے سخت بات چیت کریں۔ (نرمی سے گفتگو نہ کریں) تو ان تمام باتوں میں جاہ طلبی کا خیال ہے ایسے اسباب کی بنا پر معذور نہ ہو گا کیونکہ خود شریعت میں ایسے کاموں پر مداومت اور مواظبت نازیبا ہے لیکن حفظ مروت شریعت میں مطلوب ہے۔ (اس کا خیال ضرور رکھنا چاہیے) اور اگر وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی غیبت کریں گے۔ اس کو گالی دیں گے اس کے دشمن ہو جائیں اور دوسرے امور میں اس کی بات نہیں مانیں گے تو بلاشبہ یہ باتیں احتساب کے لیے عذر نہیں ہو سکتیں ہیں۔ اس لیے ہر محتسب کو ایسی آفتوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ البتہ جب یہ اندیشہ ہو کہ احتساب کی وجہ سے لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس غیبت سے معصیت میں اضافہ ہو گا تو اس عذر کی بنا پر ترک احتساب روا ہے۔ البتہ اگر اپنے اقربا اور متعلقین کے باب میں اسکو ان آفات کا اندیشہ ہے یعنی وہ خود زاہد ہے اور اس کو یقین ہے (کہ اس کے زہد کی بناء پر) احتساب پر اسکو نہیں ماریں گے اور نہ اس کے پاس مال ہے جس کو وہ چھین لیں گے لیکن ڈر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں اس کے عزیزوں اور دوستوں کو ستایا جائے گا تب احتساب درست نہ ہو گا کیونکہ اپنے حق کے تلف ہونے پر صبر کرنا تو روا ہے لیکن دوسروں کے حق کے ضائع ہونے پر روا نہیں بلکہ ان کے حقوق کی رعایت کرنا دین کا حق ہے اور اہم ہے۔

احتساب کے آداب

معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب کے آٹھ درجے ہیں۔ ان میں پہلا درجہ احوال کا جاننا ہے۔

احتساب کی کیفیت یعنی چاہیے کہ محتسب اولاً یقین کے ساتھ جان لے (کہ اس کی حالت احتساب کی متقاضی ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ تجسس نہ کرے نہ در و دیوار سے کان لگا کر سنے اور نہ اسکے پڑوسیوں سے دریافت کرے اگر کوئی اپنے دامن سے کسی چیز کو چھپا لے تو ہاتھ سے نہ ٹٹولے البتہ اگر بغیر تجسس کے پتہ چل جائے جیسے ساز کی آواز اور شراب کی بو تب احتساب کرنا درست ہے یا دو شاہد عادل اس کے حال کی خبر دیں تو قبول کر لے ان دو عادل گواہوں کے قبول کی بنا پر بغیر اجازت گھر میں داخل ہونا درست ہے البتہ محض ایک شاہد کی بات سن کر گھر کے اندر داخل نہ ہو بہی اولیٰ ہے کیونکہ گھر اس شخص کی ملکیت ہے اور ایک شاہد عدل کے قول سے اس کی ملکیت کا حق باطل نہ ہو گا۔ منقول ہے کہ حضرت سلیمان

علیہ السلام کی انگشتری پر یہ تحریر تھا کہ ایسی چیز کا چھپانا جو علانیہ نظر آئے گمان کی بنا پر رسوا کرنے سے اولیٰ ہے"
دوسرا درجہ اس کا یہ ہے کہ اس چیز کی برائی بیان کر دے ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ایسا کام کرتا ہو جس کی برائی
سے وہ واقف نہ ہو جیسے ایک دہقان جو مسجد میں نماز پڑھتا ہے لیکن کامل رکوع و سجود نہیں کر پاتا یا اس کی نعلین میں
نجاست لگی ہے اگر وہ جانتا تو اس طرح نماز نہ پڑھتا پس اس کو نماز سکھانا ضروری ہوا اور ادب تعلیم یہ ہے کہ اس کو نرمی سے
سکھائے تاکہ اس کو ناگواری نہ ہو کسی مسلمان کو بلا ضرورت خفا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب تم نے کسی کو کچھ سکھلایا تو
واقعۃً اس کو نادان سمجھا اور اس کو اس کے عیب سے آگاہ کیا یہ ایسا زخم ہے کہ بغیر مرہم کے کوئی اس کو برداشت نہیں
کر سکتا اور اس کا مرہم یہ ہے کہ تم معذرت کرتے ہوئے کہو کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کے پیدا نہیں ہوتا اور جو کوئی
نادان رہتا ہے اس کا گناہ اس کے ماں باپ اور استاد کی گردن پر رہتا ہے شاید تمہارے پڑوس میں کوئی ایسا عالم نہیں
ہے جو تم کو سکھلائے غرض اس قسم کی عمدہ باتوں سے اس کے دل کو خوش کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا یا اس
کی باتوں سے کوئی رنجیدہ ہوگا۔ تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کپڑے کا خون پیشاب سے دھو رہا ہے یا چاہتا تو یہ ہے
کہ خیر کرے لیکن پیدا ہو رہا ہے شر۔

تیسرا درجہ :۔ وعظ و نصیحت کا ہے نرمی کے ساتھ سختی کے ساتھ نہیں۔ جبکہ کسی کام کا کرنے والا خود جانتا
ہے کہ جس کام کو وہ کر رہا ہے وہ حرام ہے تو پھر اس کے حرام کہنے سے کیا فائدہ بلکہ اس میں تخفیف کرنا چاہیے اور نرمی کی
صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیبت کرتا ہے تو اس سے کہے کہ ہم میں ایسا کون شخص ہے جو عیب سے پاک ہو پس اپنے
عیب پر نظر کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس کو غیبت کے بارے میں جو وعید اور سزا ہے اس کا حال پڑھ کر سنائیں۔ اس مقام پر
ایک بڑی آفت ہے کہ اس سے بچنا بہت دشوار ہے بس وہی شخص بچ سکتا ہے۔ جس پر توفیق کا دروازہ کھلا ہے کیونکہ نصیحت
کرنے میں نفس کے لیے دو بزرگیاں ہیں ایک یہ کہ ناصح اپنے علم و زہد کی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے اور دوسری بزرگی اس کو دوسرے
پر حکم چلانے اور اس پر فوقیت رکھنے کی حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں باتیں حب جاہ سے پیدا ہوتی ہیں انسانی طبیعت
کا مقتضی ہی یہ ہے کہ اکثر وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں وعظ کرتا ہوں اور شریعت کا پابند اور مطیع ہوں لیکن حقیقت میں وہ محبت کا جاہ
مطیع و تابع ہوتا ہے۔ اور اس کی معصیت اس عمل سے جو دوسرا کرتا ہے بدتر ہے پس اس صورت میں اپنے دل میں غور کرے
کہ جس کو نصیحت کر رہا ہے اس کا برائی سے باز آنا اپنی نصیحت و وعظ کے مقابلہ میں دوسرے واعظ کی نصیحت زیادہ
پسند ہے اور خود اس کو اپنی نصیحت کے سلسلہ میں پسند نہیں کرتا تو ایسے شخص کو نصیحت کرنا سزاوار ہے اور اگر اس کو یہ
بات پسند ہے کہ بس یہ شخص میری ہی نصیحت سے اس گناہ سے باز آجائے تو اس کو خدا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ اس نصیحت
سے اس کو اپنی طرف بلا رہا ہے خداوند تعالیٰ کی طرف نہیں!!
شیخ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو کوئی شخص بادشاہ سے احتساب کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ مجھے

اندیشہ ہے کہ اس کے کوڑے مارے جائیں گے کہا کہ اگر وہ ان کوڑوں کو برداشت کرے تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا کہا کہ اگر وہ اس کو بھی بخوشی برداشت کرلے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک ایسی بلا میں جو ان دونوں باتوں سے بھی عظیم سے مبتلا ہو جائے اور وہ بلا عزور ہے۔

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے چاہا کہ فلاں فتنہ پر احتساب کروں اور میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا لیکن میں نے اس کا خوف نہیں کیا لیکن اس وقت بہت سے لوگ وہاں موجود تھے تب مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ جب وہ لوگ مجھے اس راستے پر عمل پیرا دیکھیں گے اور سختی برداشت کرنے والا مجھے پائیں گے تب میرے دل میں عزور پیدا ہوگا اور اس وقت میں بے اخلاص ہو جاؤں گا اور میرا قتل میری غرض نفسانی کے تحت ہوگا محض اللہ کے لیے میرا قتل نہیں ہوگا۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ سختی سے بات چیت کی جائے لیکن اس میں بھی دو ادب ہیں ایک یہ کہ جب تک نرمی اور لطف و مدارے سے روک سکتا ہے اور وہ کافی ہو تو سختی نہ کرے دوسرا ادب یہ ہے کہ فحش بات زبان سے نہ نکالے اور سچ کے سوا دوسری بات نہ کہے یعنی فاسق، ظالم اور جاہل سے زیادہ بات نہ کرے کیونکہ جو شخص کرتا ہے وہ احمق اور جاہل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زیرک وہ ہے۔ جو اپنا حساب خود کرے اور آخرت پر نظر رکھے احمق وہ ہے جو خواہش نفس کی پیروی کرے اور مغرور رہو اور یہ خیال کرے کہ اس کو معاف کر دیا جائے گا پس سخت گوئی ویسے وقت روا ہے کہ اس کے مفید ہونے کی امید ہو اور جب محتسب یہ سمجھے کہ سخت گوئی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو چیں بہ جبیں ہو کر اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور اس سے روگردانی کرے۔

پانچواں درجہ جو احتساب محتسب کے ہاتھ سے تعلق رکھتا ہے اس کے بھی دو ادب ہیں اول یہ کہ اس کو لباس بدلنے پر مائل کرے اور کہے کہ یہ ریشمی لباس اتار دے غیر کی زمین سے نکل جائے اور شراب اگر ہے تو اس کو پھینک دے اس سے کہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد سے دور رہ دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر اس طرح کہنا کافی نہ ہو تو اس کو ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکال دے۔ اس بات میں عمل کا طریقہ یہ ہے کہ کمتر پر عمل کرے مثلاً جب کہ ہاتھ پکڑ کر نکال سکتا ہے تو داڑھی نہ پکڑے، پاؤں پکڑ کر نہ کھینچے۔ جب ساز کو توڑ دیا ہے تو اس کو ریزہ ریزہ نہ کرے ریشمی کپڑے بغیر پھاڑے اس کے جسم سے اتار دے۔ جب شراب کا پھینکنا ممکن ہے تو اس کے برتن کو نہ توڑے ہاں اگر ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے تو پھر پتھر مار کر توڑ دے اس پر تاوان لازم نہیں آئے گا یا قرابے دشراب کا برتن کا منہ چھوٹا ہے اور ڈر ہے کہ جتنی دیر میں اس سے شراب گرے گی اتنی دیر میں وہ لوگ مجھ کو پکڑ کر ماریں گے تو پھر قرابہ پھوڑ کر بھاگ جائے اسلام میں جب اولاً شراب حرام ہوئی تو حکم یہ تھا کہ قرابہ اور خم کو پھوڑ دیں دتوڑ ڈالیں، پھر یہ پھوڑنا منسوخ ہو گیا۔ بعض علما کہتے ہیں۔ کہ اس وقت یہ شراب کے مخصوص برتنوں کے بارے میں تھا اب بلا عذر ان کا توڑ درست نہیں ہے اگر کوئی شخص ان برتنوں کو توڑے گا تو اس پر تاوان ہوگا۔

چھٹا درجہ

چھٹا درجہ اس احتساب میں ڈرانے دھمکانے کا ہے مثلاً یوں کہے کہ اس شراب کو پھینک دے ورنہ تیرا سر توڑ دوں گا یا تجھے رسوا کروں گا اگر نرمی سے کام نہ نکلے۔ اس وقت اس قسم کے کلمات کہنا درست ہیں۔ تہدید میں اور ادب میں مثلاً ایسی چیز کی تہدید نہ کرے جو درست نہ ہو مثلاً کہہ دے میں تیرے کپڑے پھاڑ دوں گا تیرا گھر کھول دوں گا تیرے اہل وعیال کو ستاؤں گا۔ (ایسی باتیں کہنا درست نہیں ہے) دوسرا ادب یہ ہے کہ تہدید میں وہی بات کہے جو کر سکتا ہے تاکہ دروغ گوئی لازم نہ آئے مثلاً یوں نہ کہے کہ تیری گردن مار دوں گا سولی پر چڑھا دوں گا۔ البتہ ہراس اور خوف کی خاطر ایسے کلمات اگر کہے اور تہدید میں مبالغہ کرے تو مصلحۃً جائز ہے جس طرح دو شخصوں میں صلح کرانے کی خاطر دروغ مصلحت آمیز درست اور روا ہے۔

ساتواں درجہ

یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور لکڑی سے مارے یہ بات بوقت حاجت بقدر حاجت درست ہے یعنی اگر کوئی بغیر مار کھائے معصیت سے دست بردار نہیں ہو رہا ہے تو جب اس کو باندھ دیا تو اب مارنا درست نہیں ہوگا۔ معصیت کے بعد سزا دینے کو تعزیر اور حد کہتے ہیں اور تعزیر کرنا اور حد جاری کرنا سلطان وقت کا کام ہے اور ادب اس سلسلہ میں یہ ہے۔ کہ اگر ہاتھ سے مارنا کافی ہو سکتا ہے تو لکڑی سے نہ مارے اور ضربات منہ پر نہ مارے اور اگر یہ کافی نہ ہو تو تلوار کھینچ کر اس کو ڈرائے۔ اگر محتسب اور اس شخص کے درمیان دریا حائل ہو تو تیر کمان پر رکھ کر کہے اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گا تو یہ تیر تیرے مار دوں گا اگر نہ مانے تو اس پر تیر چلانا جائز ہے لیکن تیر ران یا پنڈلی پر مارے نازک جگہوں پر نہ مارے۔

آٹھواں درجہ

آٹھواں درجہ یہ ہے کہ اگر محتسب احتساب کی ضرورت پورا کرنے کے لیے تنہا کافی نہ ہو تو دوسرے لوگوں کو بھی جمع کرے اور اس سے لڑے، شاید ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اپنے حامیوں کو جمع کرے اور نوبت مقابلہ تک پہنچے۔ بعض علما اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ایسی صورت درپیش ہو تو حکم شاہی کے بغیر ایسا مقابلہ درست نہیں ہے کیونکہ اس سے فتنہ برپا ہوگا اور فساد واقع ہوگا۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار سے جہاد کرنا سلطان کی اجازت کے بغیر درست ہے اسی طرح فاسقوں سے جنگ کرنا بغیر اجازت سلطان درست اور روا ہے کیونکہ اس زد وخورد میں اگر محتسب مارا جائے گا تو شہید ہوگا۔''

محتسب کے آداب

محتسب کے اندر تین خصلتوں کا ہونا ضروری ہے علم، زہد اور حسن اخلاق کیونکہ اگر اس کو علم نہیں ہے (وہ عالم نہیں ہے) تو برے اور بھلے کام میں تمیز نہیں کر سکے گا اور اگر اس میں زہد نہیں ہے تو اگر برے بھلے میں علم کے باعث تمیز تو کر

سکے گا لیکن اس کا کام غرض نفسانی سے خالی نہیں ہوگا۔ اور جب اس میں حسن خلق نہیں ہوگا تو لوگ اس پر سختی کریں گے تو وہ غصہ میں قوت خدا کو بھول جائے گا اور حد میں نہیں رہے گا۔ اور اس کا ہر ایک کام نفس کے ماتحت ہوگا حقانیت سے دور رہے گا پس اس صورت میں اس کا احتساب خود ایک معصیت بن جائے گا اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایک بار ایک کافر کو پچھاڑا اور اس کو قتل کر دینا چاہا تو اس کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا آپ نے فوراً اس کو چھوڑ دیا۔ دجب اس نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے غصہ آگیا تھا تب میں ڈرا کہ یہ قتل کہیں فسق کے واسطے نہ ہو دغصہ کے باعث یہ قتل نفس کی غرض سے متعلق ہوگیا خالصتاً للہ نہ رہا) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے درے مارے اس نے آپ کو گالیاں دیں تو آپ نے مارنا فوراً روک دیا اس نے پوچھا کہ آپ کے مارنا کیوں چھوڑ دیا آپ نے فرمایا کہ اب تک تو میں تجھے خدا کے واسطے مار رہا تھا اب تو نے مجھے گالیاں دیں۔ تو اگر میں تجھے ماروں تو نفس کے تحت مارنا ہوگا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احتساب وہی کرے کہ جس چیز میں امر و نہی کر رہا ہے اس میں حلیم ہو اور نرمی کرنے والا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کا تم حکم دے رہے ہو ضروری ہے کہ اول تم خود اس پر عامل ہو یہ بات شرط احتساب نہیں بلکہ منجملہ آداب احتساب ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم اس وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں جب تک خود اس کو نہ بجا لائیں۔ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ایسا نہیں ہے اگر تم سے سب ادا نہ ہو تب بھی احتساب کو ترک نہ کرو۔

احتساب کے آداب میں سے یہ ہے کہ محتسب صابر رہے اور اس راہ میں رنج و محنت کو برداشت کرے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علےٰ ما اصابک (پس جو کوئی محنت پر صبر نہیں کر سکتا اس سے احتساب نہیں ہو سکتا احتساب کے ضروری آداب میں سے یہ بھی ہے کہ طمع کم رکھتا ہو اور علائق میں کم سے کم گرفتار ہو کیوں کہ جہاں طمع کا دخل ہو گا وہاں احتساب نہیں ہو سکے گا۔ منقول ہے کہ ایک شخص ایک قصاب سے بلی کے لیے دمفت میں) چھیچھڑے لیا کرتا تھا اس نے قصاب کی ایک دن ایک بیجا حرکت دیکھی تو سب سے پہلے وہ شخص گھر آیا۔ اور بلی کو نکال باہر کیا پھر قصاب کے پاس آیا اور اس پر احتساب کیا، قصاب نے کہا اچھا اب آئندہ تم مجھ سے چھیچھڑے مانگنا! اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے اس سے پہلے ہی بلی کو گھر سے نکال دیا ہے تب تم پر احتساب کرنے آیا ہوں۔

اگر کوئی شخص یہ بات چاہتا ہے کہ لوگ اس سے محبت کریں اس کی تعریف کریں اور اس سے رضامند رہیں تو ایسا شخص احتساب نہیں کر سکے گا۔ حضرت کعب الاحبار نے شیخ ابو مسلم خولانی سے دریافت کیا کہ لوگوں کا تمہارے ساتھ رویہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ ان کا برتاؤ میرے ساتھ اچھا ہے تو انہوں نے کہا کہ توریت میں مذکور ہے کہ جو شخص احتساب کرے گا۔ وہ اپنی قوم میں ذلیل و خوار ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ توریت کی یہ بات سچی اور درست ہے او۔ ابو مسلم نے جو

کچھ کہا وہ جھوٹ ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ احتساب کی اصل یہ ہے۔ کہ محتسب اس عاصی کے لیے جو معصیت کر رہا ہے دل سوز رہے اور شفقت کی نظر سے اس کو دیکھے اور اس کو اس طرح منع کرے جس طرح اپنے فرزند کو منع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ منقول ہے کہ کسی شخص نے مامون الرشید پر احتساب کیا اور اس سے سختی کے ساتھ گفتگو کی تو مامون الرشید نے کہا کہ اے جواں مرد! حق تعالیٰ نے تجھ سے بہتر شخص کو مجھ سے بدتر شخص کے پاس جب بھیجا تو اس کو حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرو یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو (جو تجھ سے بہتر تھے) فرعون (جو مجھ سے بدتر تھا) کے پاس جب بھیجا تو فرمایا فقولا له قولا لينا "تم دونوں نرمی سے بات کرنا، شاید وہ تمہاری بات قبول کرے۔ پس احتساب کرنے والے کو چاہیے کہ اس معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے کہ جب ایک جوان حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجیے یہ سنتے ہی تمام صحابہ کرام بگڑ گئے اور شور کرنے لگے اور مارنا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مت مارو پھر اس کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور فرمایا اے جواں مرد کیا تجھے پسند ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے ایسا فعل کرے اس نے کہا میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر دوسرے لوگ تیرے بارے میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتے ہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تیری بیٹی سے اگر ایسا کام کریں تو تو اس کو پسند کرے گا کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری بہن سے اگر کوئی ایسا ناشائستہ حرکت کرے یا پھوپھی خالہ سے، اسی طرح آپ نے ایک ایک رشتہ کے بارے میں سوال فرمایا اور وہ کہتا رہا مجھے پسند نہیں اور لوگ بھی رضامند نہیں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا الٰہی! اس کے دل کو پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کو بچا لے اور اس کا گناہ بخش دے اس کے بعد وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے، ا ہوا پھر تمام عمر زنا سے بیزار رہا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ سفیان بن عیینہؒ شاہی خلعت قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا بیت المال میں اس کا حق ہے لیکن خلوت و تنہائی میں ان سے ملے۔ اور ان پر عتاب کیا اور ان کو ملامت کی تب سفیان نے کہا کہ اے ابو علی ہم اگر صلحا میں داخل نہیں ہیں لیکن صلحاء سے ہم کو محبت ہے شیخ صلت بن اشیم اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے سے ایک شخص گذرا اس کی ازار زمین پر گھسٹ رہی تھی دراز ازار لمبی اور دراز تھی، (جیسے عرب کے مغروروں کا دستور ہے دکہ ان کی ازار دراز ہوتی تھی شرع میں اس کی ممانعت ہے) شاگردوں نے چاہا کہ اس پر سختی کریں لیکن انہوں نے اپنے شاگردوں کو جھڑکنے سے منع کر دیا اور کہا کہ میں اس کی تدبیر کرتا ہوں تب آپ نے اس کو پکارا اور کہا کہ بھائی مجھے تم سے کچھ کام ہے اس نے کہا کہ کیا کام ہے آپ نے فرمایا کہ اپنا تہبند دازار، اونچا کر لو اس نے کہا بہت خوب یہ کہہ کر ازار اونچا کر لیا، تب انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر میں اس سے سختی سے کہتا یا اس کو گالی دیتا تو یہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔

منقول ہے کہ ایک شخص ایک عورت کو زبردستی پکڑے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی عورت شور و واویلا کر رہی تھی لیکن کسی کا یہ مقدور نہ تھا کہ اس شخص کے پاس جائے اور اس کو روکے۔ حضرت بشرؒ حافی اس کے پاس گئے اور اس کے شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہوئے وہ شخص بے ہوش ہو گر پڑا اور اس کا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور عورت اس کے ہاتھ سے نکل گئی جب کچھ دیر کے بعد اس کو ہوش آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ تجھ پر کیا گذری اس نے کہا کہ بس میں اتنا جانتا ہوں۔ کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنا بدن میرے بدن سے ملا کر آہستہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تو کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے اس بات کی ہیبت سے میں بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے کہا کہ وہ بشیرؒ حافی تھے اس نے کہا کہ میں اس قدر شرمسار ہوں کہ اب میں ان کا دیدار بھی نہیں کرسکتا بس اسی وقت اس شخص کو بخار آگیا اور ایک ہفتہ ہی میں وہ مرگیا۔

باب سوم

وہ منکرات جو لوگوں پر عام طور پر غالب ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمانہ (چوتھی اور پانچویں صدی ہجری) میں تمام دنیا برے کاموں سے بھری پڑی ہے خلق کو ان کی اصلاح کی امید نہیں کہ چوں کہ وہ سب باتوں کے ترک پر قادر نہیں ہیں لہذا اس چیز کو بھی ترک نہیں کرتے جس کا چھوڑنا ممکن ہے بہرحال تو ان کا ہے جو دیندار ہیں اور اہل غفلت کی حالت یہ ہے کہ وہ ضلالت کے کاموں پر راضی ہیں جاننا چاہیئے۔ کہ یہ بات کسی طرح روا نہیں کہ جس کے مٹانے اور ترک کرنے پر تم قادر ہو۔ اس پر خاموش رہو ہم اس سلسلہ میں اس کے ہر جنس کے بارے میں اشارہ کریں گے اور بتلائیں گے (تفصیل سے نہیں) کہ تمام منکرات کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور ان منکرات میں سے بعض کا تعلق مساجد سے ہے بعض کا بازار سے اور بعض کا تعلق راستوں سے ہے۔

مساجد کے منکرات

یوں سمجھو کہ ایک شخص نے نماز پڑھی لیکن رکوع و سجود تعدیل سے ادا نہیں کئے یا قرآن پاک پڑھا لیکن گانے کی دھن میں یا قرآن پاک پڑھنے میں اس سے غلطی ہو یا کئی موذن مل کر اذان دیں یا بہت زیادہ لحن سے اسکو ادا کریں کہ اس کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہتے وقت تمام جسم کو قبلہ کی طرف سے موڑلیں ۔ ان منکرات میں سے یہ بھی ہے کہ خطیب ابریشمی لباس پہنتا ہے اور سنہری تلوار رکھتا ہے یہ دونوں باتیں حرام ہیں منکرات مساجد میں یہ بھی ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں اور اشعار (عاشقانہ) پڑھیں یا قصہ گوئی کریں یا تعویذ فروخت کریں یا اور کوئی چیزیں بیچیں جس کے باعث بچے، دیوانے اور بدمست لوگ مسجد میں آکر شور و غوغا کریں اور اہل مسجد کو ان سے اذیت ہو ہاں اگر بچہ اندر آکر خاموش رہے یا دیوانہ سے کسی کو اذیت نہ پہنچے اور وہ مسجد کو ناپاک نہیں کرتا ہے

تب ان کا آنا روا ہے اگر کوئی بچہ مسجد میں اگر کبھی کبھار بازی میں مشغول ہو جائے تو اس صورت میں منع کرنا واجب نہیں ہے کہ مدینہ کی مسجد (مسجد نبوی) میں حبشیوں نے شمشیر و سپر کے کرتب دکھائے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھا تھا البتہ اگر اس کو بازی گاہ بنالیں تو منع کرنا واجب ہے اگر کوئی وہاں بیٹھ کر کچھ سیے یا کتابت کرے تو اس صورت میں کہ اس سے خلق خدا کو تکلیف و اذیت نہ ہو تو روا ہے لیکن اگر ان کاموں کے لیے دکان بنا لے تو یہ مکروہ ہے یعنی ایسا کام مسجد میں نہ کرے جس سے اس کام کے کرنے کا غلبہ ظاہر ہو۔ متعدد بار بیٹھ کر ہمیشہ حکم یا قبالہ نویسی کرنا۔ کبھی کبھار بیٹھ کر وہاں حکم دے سکتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گاہ گاہ وہاں تشریف فرما ہو کر حکم دیا ہے۔ لیکن صرف اس مقصد کے لیے آپ مسجد میں بطور دوام تشریف فرما نہیں ہوتے تھے اسی طرح دھوبیوں کا مسجد میں کپڑے دھو کر خشک کرنے کے لیے پھیلانا یا رنگریزوں کا کپڑوں کا رنگ کے پھیلانا اور خشک کرنا یہ تمام کام برے ہیں۔ بلکہ جو لوگ مسجد میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں جو احادیث معتبرہ سے نہ ہوں اگر کریں تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دینا روا ہے کہ بزرگان سلف نے ایسا ہی کیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو بنے ٹھنے رہتے ہیں اور شہوت کا ان پر غلبہ رہتا ہے مسجّع گفتگو کرتے ہیں، گاتے ہیں ان کے مجمع پر جوان عورتیں جمع ہوتی ہیں تو یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ مسجد تو مسجد باہر بھی مناسب نہیں ہیں واعظ ایسا شخص ہونا چاہیے کہ اس کا ظاہر بھی صلاحیت سے آراستہ ہو۔ دیندار وں کا لباس پہنے، اور یہ بات کسی حال میں بھی درست نہیں کہ جوان عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تھا حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں آتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کا حال ملاحظہ فرماتے تو ضرور منع فرماتے۔

منکرات مسجد میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں کچہری لگائی جائے یا وہاں روپیہ پیسہ تقسیم کیا جائے یا دیہاتیوں کے معاملات اور حساب چکائیں یا اس کو تماشہ گاہ بنائیں۔ وہاں غیبت اور بیہودہ گوئی میں مشغول ہوں۔ یہ سب کام بیجا اور مسجد کے تقدس کے خلاف ہیں

بازار کے منکرات

بازار کے منکرات یہ ہیں کہ خریدار سے جھوٹ بولا جائے مال کا عیب چھپائیں ترازو درست اور زان اور گز صحیح نہ رکھیں مال میں دغا کریں۔ عید کے دن بچوں کے لیے چنگ اور سارنگیاں بنا کر بیچیں۔ کاٹھ کی تلواریں اور سپر بنا کر عید نوروز میں فروخت کریں یا جشن سدہ دماہ۔ بہمن کی بارہ تاریخ ایرانی یہ جشن مناتے ہیں) میں مٹی کے بگل بنا کر فروخت کریں یا مردوں کے لیے قبا اور ریشمی ٹوپیاں بنا کر بیچیں۔ بار فو کیا ہوا کپڑا یا دھلا کپڑا جو استعمال شدہ ہو اس کو تیار کر کے فروخت کریں غرض کہ ہر وہ چیز جس میں غل اور فریب ہو۔ اسی طرح روپہلی، سنہری انگوٹھیاں بخور دان (مجمرہ) دوات اور برتن سونے چاندی کے یہ سب چیزیں فروخت کرنا منع ہے اور بعض ان میں سے حرام ہیں (ان کا استعمال حرام ہے۔ اور بعض مکروہ ہیں جانوروں کی تصویریں بنانا اور بیچنا، حرام ہیں اور جو چیزیں جشن سدہ اور نوروز میں فروخت کرتے ہیں یعنی لکڑی کی ڈھال اور تلوار اور مٹی کا بگل یہ چیزیں فی نفسہا تو حرام نہیں ہیں بلکہ چونکہ اس سے آتش پرستوں کا طریقہ اور شعار ظاہر ہوتا ہے اس لیے یہ حرام ہیں کیونکہ شرع کے خلاف ہیں پس نوروز کی وجہ سے بازاروں کا سجانا یا اس کی مٹھائی بنانا اور اس دن کے لحاظ سے دوسرے

الغرض مسلمان کو روا ہے کہ کافروں کی صف پر حملہ کر دے اور ان سے لڑے یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں ہے۔ کہ اس صورت میں بھی کسی کو قتل کرے گا اور کافر دل شکستہ ہوں گے اور کہیں گے کہ دیکھو مسلمان کیسے جیوٹ اور دلاور ہوتے ہیں اس سے ثواب حاصل ہوگا۔

کوئی نابینا یا کمزور شخص ان کافروں کی صف پر اس طرح حملہ کر دے تو درست نہیں کہ اس صورت میں بے فائدہ خود کو ہلاک کرنا ہے (یہی اس آیت کا مفہوم ہے)، اسی طرح اگر ایسا موقع ہے کہ احتساب کرے گا تو اس کو ستائیں گے یا مار ڈالیں گے اور معصیت سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اور اپنی گمراہی پر سختی سے کاربند رہیں گے کہ اس سے فاسقوں کے دل نہیں گھراتے اور ان میں سے کسی کو خیر کی توفیق نہیں ہوتی تو ایسا احتساب بھی واجب نہیں کیونکہ بے فائدہ مشقت اٹھانے سے کیا حاصل اس قاعدہ میں دو اشکال ہیں ایک یہ کہ شائد اس کا یہ ہراس اور خوف بدگمانی یا نامردی کے باعث ہو یا یہ صورت ہو کہ وہ مار دھاڑ سے تو نہیں ڈرتا لیکن اس کے جاہ و جلال یا قرابتوں کے تعلق سے ڈرتا ہے۔ اس میں پہلے اشکال کی وضاحت تو یہ ہے کہ اگر اس بات کا ظن غالب ہے۔ کہ اس کو ماریں گے تب تو وہ معذور ہے اور اگر مار کھانے کا ظن غالب نہیں ہے بلکہ صرف احتمال ہے تو ہمیشہ موجود رہتا ہے پس اگر مارنے کا شک موجود ہے تو احتساب بالیقین واجب ہے اور شک سے رفع نہ ہوگا اسکو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ احتساب ایسے مقام میں واجب ہوگا جہاں سلامتی کا ظن غالب ہو دوسرا اشکال یہ ہے کہ احتساب سے ضرر محتسب کے مال پر ہوتا ہو یا جاہ و شوکت پر۔ یا اس کے جسم پر۔ یا اس کے عزیز و اقارب اور شاگردوں پر یا اس بات کا خوف ہو کہ اس سے زبان درازی کریں گے یا دین و دنیا کے فائدے اس کے لیے ختم ہو جائیں (اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں اور یہ فوائد بہت اقسام کے ہیں)، اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک حکم ہے اب سب سے پہلی بات لو کہ وہ اپنے حق میں خوفزدہ ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ڈرتا ہے کہ اگر احتساب کرے گا۔ تو مستقبل میں کوئی چیز فوت ہو جائے جیسے استاد پر احتساب کرتا ہے تو تعلیم سے محروم رہ جائے گا یا طبیب اس کے علاج میں کوتاہی کرے گا یا آقا اس کا ماہانہ وظیفہ بند کر دے گا یا اگر کوئی کام آپڑے گا تو اس حمایت سے محروم رہے گا تو ان باتوں سے اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا کہ یہ ضرر کوئی خاص ضرر نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس سے مستقبل کے ایک فائدہ کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے اگر فی الحال وہ اس مدد کا محتاج ہے جیسے خود بیمار ہے اور طبیب ریشمی لباس پہنے ہے۔ اب اگر احتساب کرتا ہے تو طبیب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا یا ایک عاجز درویش ہے توکل نہیں کر سکتا فقط ایک شخص سے اس کو نفقہ ملتا ہے اب اگر یہ درویش اس پر احتساب کرے گا تو وہ شخص نفقہ بند کر دے گا یا اگر کسی شریر کے ہاتھ پڑ گیا ہے اور صرف ایک شخص اس کا حمایتی ہے تو یہ تمام حاجتیں وہ ہیں جو فی الحال موجود ہیں ممکن ہے کہ ہم اس کو احتساب نہ کرنے کی خاموشی کے ساتھ اجازت دے دیں کہ یہ وقتی ضرورت ظاہر ہے لیکن یہ ضرر احوال کے تحت بدلتا رہے گا اور یہ بات اس کے اختیار سے متعلق ہے پس چاہیے کہ دین کی طرف نظر کر کے احتیاط کرے اور بغیر ضرورت احتساب سے دستبردار نہ ہو۔

تکلفات کرنا درست نہیں ہے بلکہ نوروز اور سدہ کے تیوہاروں کو یکسر ختم کر دینا ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ پھر آئندہ ان کا کوئی نام بھی نہ لے سکے۔

بعض علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ اس دن روزہ رکھے تاکہ وہ چیزیں اس کے کھانے میں نہ آئیں سدہ کی رات میں ہر گز چراغاں نہ کرے تاکہ روشنی بالکل نظر نہ آئے اور محققین فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھنا بھی اس دن کو یاد رکھنا ہے اور اس کی یاد بھی مناسب نہیں ہے بلکہ دوسرے ایام کی طرح اس کو بھی سمجھے (کوئی اہمیت اس دن کو نہ دے) نہ سدہ کی رات سے کوئی تعلق رکھے غرض کہ کسی اعتبار سے بھی اس کو یاد نہ رکھے تاکہ اس کا نام و نشان مٹ جائے۔

شاہراہوں کے منکرات

بڑے بڑے راستوں یعنی شاہراہوں کے منکرات یہ ہیں کہ ستون راستہ میں "گاڑ" کے دوکان بنائیں جس سے راستہ تنگ ہو جائے یا ایسی جگہ درخت لگائیں یا سائبان ڈالیں کہ اگر کوئی شخص سوار ہو کر وہاں سے گذرے تو اس کو چوٹ لگے یا راستہ پر چیزوں کا انبار لگا دیں یا راستہ پر جانور باندھ دیں جس سے راستہ تنگ ہو جائے یہ تمام کام درست نہیں ہیں صرف بقدر حاجت و ضرورت جیسے بوجھ وہاں سے اتار کے گھر کو لے جائیں (لیکن دیر نہ کی جائے) کانٹوں دار جھاڑیوں سے لدے ہوئے گدھے کو تنگ راستوں سے نہ گذاریں اس سے لوگوں کے کپڑے پھٹ جائیں گے البتہ اس صورت میں منع نہیں ہے کہ سوائے اس راستہ کے اور کوئی راستہ نہ ہو اس صورت میں حاجت و ضرورت کے اعتبار سے روا ہو گا۔ جانور کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر بار نہ کریں۔ اسی طرح قصائی کا راستہ میں بکروں کو ذبح کرنا اور کاٹنا درست نہیں ہے کہ راہگیروں کے کپڑے خراب ہوں گے۔ بلکہ اس جگہ دکان ہی میں بنانا چاہیے۔ خربوزہ کا چھلکا راستہ میں نہ پھینکنا چاہیے اور نہ اتنا پانی چھڑکنا چاہیے جس سے لوگوں کے پاؤں پھسلیں جو شخص راستہ میں برف پھینکے یا اس کی چھت کا پانی راستہ میں جہاں پر گرتا ہے اس جگہ کو مالک مکان کو صاف کرنا چاہیے لیکن جہاں اس مکان کی نالیاں بہتی ہوں۔ اس کی درستگی عام لوگوں کے ذمہ ہے اور حاکم کو روا ہے کہ وہ عوام کو اس کی درستی پر مامور کرے اگر کوئی شخص اپنے دروازہ پر جو گذرگاہ پر واقع ہے موذی کتے کو باندھے تو نا روا ہے البتہ صرف راستہ کو وہ نجس کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی اذیت اس سے نہیں پہنچتی تو منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ راہگیر اس سے بچ بھی سکتا ہے اگر کتا راستہ میں سو جائے جس سے راستہ تنگ ہو جائے جس سے راستہ تنگ ہو جائے تو یہ مناسب نہیں کہ اس طرح کتے کا مالک اگر راستہ پر آکر بیٹھ جائے تو اس کو منع کرنا چاہیے۔

ل پاکستان میں شیعہ نوروز بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ مترجم

حمّام کی برائیاں

حمام کی برائیاں یہ ہیں کہ ناف سے زانو تک ستر عورت نہ کرے د ناف سے زانو تک جسم کو ننگا کرنا) یا لوگوں کے سامنے کھڑا ہو کر رانوں کو رگڑے اور میل دور کرے بلکہ لنگی کے اندر ہاتھ ڈال کر اگر ران کو پکڑے گا اور ملے گا تب بھی درست نہیں کہ رگڑنا بھی چھونے کے مانند ہے. جانوروں کی تصویریں بھی حمام میں بنانا درست نہیں برا ہے بلکہ ان کو مٹا دینا چاہیے یا وہاں سے نکل جائے اس پر واجب ہے امام شافعی کے مذہب میں نجس ہاتھ، طسلہ طشت وغیرہ جو پلید ہے اس کو آبِ اندک میں د آب قلیل) ڈالنا منع ہے لیکن امام مالک کے مذہب میں روا اور درست ہے پانی کا بیکار خرچ کرنا بھی منکرات میں سے ہے اس کی علاوہ چند لوہمی باتیں ہیں جن کو ہم کتاب اطہارت میں بیان کر چکے ہیں۔

مہمانی کی برائیاں

ریشمی بچھونا، چاندی کی انگیٹھی اور گلاب دان، ایسے پردے جن پر تصویریں ہوں منع ہے البتہ اگر بچھونے پر اور تکیہ پر تصویریں ہوں تو کچھ ہرج نہیں ہے انگیٹھی جس کی شکل کسی جانور کی ہو استعمال کرنا منع ہے۔ راگ رنگ، ایسا سماع جہاں مردوں کے ساتھ عورتیں ہوں اور ان کا دیکھنا چونکہ خطرہ سے خالی نہیں۔ فساد کا بیج ہے لہٰذا ان سب باتوں سے منع کرنا واجب ہوگا اگر منع نہیں کر سکتا تو اس جگہ سے فوراً نکل جائے. منقول ہے کہ امام حنبل؟ نے ایک مجلس میں چاندی کا سرمہ دان دیکھا تو وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اسی طرح اگر مجلس میں کوئی شخص ریشمی لباس پہنے ہے یا سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے تو وہاں بیٹھنا درست نہیں ہے اگر کوئی باشعور بچہ کا ریشمی لباس پہنے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ مردوں پر حرام ہے اسی طرح جیسے شراب حرام ہے اور پھر جب وہ اس کا عادی ہو جائے گا تو بلوغ کے بعد اس کا چسکا باقی رہے گا البتہ جب لڑکا باشعور نہ ہو اور اس کی لذت سے بھی ناآشنا ہو تو اس کے لیے مکروہ ہے لیکن مکروہ تحریمی نہیں ہے۔

اگر مجلس میں کوئی مسخرہ لوگوں کو اپنی مسخرگی اور یاوہ گوئی سے ہنساتا ہے تو اس کے ساتھ بیٹھنا بھی درست نہیں ہے اے عزیز! منکرات کی تفصیل بہت دراز ہے جب تم نے ان د بیان کردہ) منکرات کو جان لیا تو پھر تم مدرسہ، خانقاہ کچہری اور دوسرے محکموں دربار وغیرہ کے منکرات کو اس پر قیاس کر سکتے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصل دہم
حکمرانی اور رعیت کی پاسبانی

معلوم ہونا چاہیے۔ کہ فرمانروائی ایک اہم اور عظیم کام ہے اور حق تعالیٰ کی زمین پر خلافت ہے بشرطیکہ یہ عدل کے ساتھ ہو اور جب یہ خلافت یا حکمرانی انصاف اور شفقت سے خالی ہوگی تو پھر یہ ابلیس کی نیابت ہوگی کیونکہ حاکم کے ظلم سے بڑا اور کوئی فساد نہیں ہے۔

فرمانروائی کی اصل

فرمانروائی کی اصل علم و عمل ہے حکومت و فرمانروائی کا علم اگرچہ بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کا عنوان یا مقدمہ یہ ہے کہ حاکم معلوم کرے کہ اس کو اس دنیا میں کس مقصد سے بھیجا گیا ہے اور اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور یہ دنیا اس کی صرف منزل ہے قرار گاہ نہیں ہے وہ بظاہر ایک مسافر ہے۔ ماں کا پیٹ اس کی راہ منزل کی ابتدا ہے۔ اور قبر اس کی منزل کا آخری ٹھکانا ہے اس کا وطن اس کے سوا ہے ہر برس ہر مہینہ اور دن جو اس کی عمر سے گذرتا ہے وہ بھی ایک منزل کا حکم رکھتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی آخری منزل یا قرار گاہ (قبر) کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور جو کوئی اپنی اس منزل کو بھولا اور پل کی تعمیر میں لگا۔ یا دنیا کی فکر میں لگا رہا) وہ بالکل نادان ہے دانشور اور ہوشیار وہ شخص ہے جو اس دنیا کی منزل میں راہ آخرت کا توشہ فراہم کرنے کے سوا کچھ اور طلب نہ کرے اور دنیا میں بس اتنی چیز پر جس کی ضرورت رکھتا ہے اکتفا کرے اس کے سوا کچھ اور طلب نہ کرے اور دنیا میں بس اتنی چیز پر جس کی ضرورت رکھتا ہے اکتفا کرے اس کے سوا جو کچھ اور ہے وہ حسرت و ندامت کا سرمایہ ہوگا۔ اور موت کے وقت سکرات مرگ اس پر دشوار ہوگی اور پھر یہ سختی تو اس صورت میں ہے کہ مال حلال ہو اگر مال حرام ہوگا تو آخرت کا عذاب اس حسرت سے کہیں زیادہ ہوگا۔ جاننا چاہیئے کہ دنیاوی خواہشوں سے صبر کرنا مشکل ہے بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا البتہ اس شخص کے لیے آسان ہے جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہو کہ دنیا کی لذت چند روزہ ہے اور آخرت کی لذت ابدی ہے اور کبھی زوال پذیر نہیں اور ہاتھ سے نہیں جائے گی۔ تو ایسے شخص کے لیے چند روز صبر کرنا آسان ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ کسی شخص کا کوئی معشوق اور محبوب ہے اگر اس سے کہا جائے کہ اگر آج کی رات تو اس سے ملے گا تو پھر تمام عمر اس سے نہیں مل سکے گا اور اگر آج کی رات صبر کر لیا تو پھر تمام عمر کے لیے اس کو تیرے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور اس طرح کہ کوئی رقیب درمیان میں حائل نہ ہوگا۔ تو اس صورت میں اگر اس کا عشق کتنا ہی فزوں ہو پھر بھی ایک شب

کا صبر کرنا اس کے لیے ہزار شب ہائے وصل کی امید پر آسان ہو گا اور دنیا کی مدت آخرت کی مدت کے ہزارویں حصے سے بھی کم تر ہے بلکہ اس سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی۔ ابد کی درازی انسان کے وہم اور خیال میں ہرگز نہیں آسکتی کہ اگر فرض یہ کر لیا جائے کہ آسمان اور زمین کے تمام طبقات کو دانوں سے پر کر دیا جائے اور ایک ہزار سال تک ایک پرندہ اس کھلیان سے ایک ایک دانہ چگتا رہے تب بھی وہ کھلیان ختم نہ ہو اور اس کھلیان سے کچھ کم نہ ہو!

اسی طرح اگر انسان کی عمر سو سال کی ہو اور روئے زمین کی تمام سلطنت یعنی مشرق سے مغرب اسے دے دی جائے اور کوئی اس کا مخالف بھی نہ ہو تو آخرت کی دولت کے مقابلہ میں اس کی کچھ حیثیت نہیں ہو گی۔ پس جبکہ ہر شخص کو دنیا سے تھوڑا حصہ دیا گیا اور وہ بھی کدورت سے خالی نہیں ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جو دولت میں اس سے فائق اور برتر ہوں تو پھر دائمی سلطنت کو اس چھوٹی سی دولت کے عوض بیچنے کا کیا باعث ہو سکتا ہے پس رعیت اور حاکم دونوں کو چاہیے کہ دل میں اس بات پر خوب غور کریں تاکہ کچھ دیر کے لیے دنیوی لذتوں سے دست بردار ہو سکیں اس وقت رعیت پر مہربانی اور خدا کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کو صحیح طور پر بجا لانا اس پر آسان ہو گا۔

جب حاکم کو اس بات کا علم ہو جائے تب اس کو فرمانروائی میں مشغول ہونا چاہیے اور اس طرح جیسا کہ اس کو حکم دیا گیا ہے نہ اس طرح کہ اس میں دنیا کی خوبی ہو کیونکہ حق تعالیٰ کے حضور میں کوئی عبادت حاکم کے عدل سے بہتر نہیں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سلطان عادل کے عدل کا ایک روز ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے اور حدیث شریف میں یہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں سات شخص ہوں گے ان میں سب سے پہلا سلطان عادل ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بادشاہ عادل کے لیے ہر روز ساٹھ صدیقین عابد کا عمل ملائکہ عرش پر لے جاتے ہیں"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا بڑا مقرب اور بہت محبوب بادشاہ عادل ہے اور سب سے بڑا دشمن اور گرفتار عذاب بادشاہ ظالم ہے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ ہر روز عادل بادشاہ کا اتنا عمل نیک ملائکہ لے جاتے ہیں جو اس کی تمام رعیت کا عمل ہوتا ہے اس کی ہر ایک نماز ستر ہزار نمازوں کے برابر ہو گی۔

جب صورت حال یہ ہے، تو اس سے زیادہ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو سلطنت کا منصب عطا فرمائے تاکہ اس کی ایک ساعت دوسرے شخص کی تمام عمر کے برابر ہو جائے اور جب کوئی شخص اس نعمت کا حق نہ پہچانے ظلم اور ہوا و ہوس میں مشغول ہو تو اس پر غضب الٰہی نازل ہو گا۔

معلوم ہونا چاہیے، کہ عدل کا درجہ ان دس قاعدوں کی رعایت سے حاصل ہوتا ہے۔ قاعدہ اول یہ ہے کہ جب

کوئی معاملہ اس کے حضور میں پیش ہو تو اس میں وہ اس طرح فرض کرے کہ وہ خود رعیت ہے اور سلطان کوئی دوسرا ہے۔
پس جو بات وہ اپنے بارے میں پسند نہ کرے کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں پسند نہ کرے اگر وہ پسند کرے گا تو فرمانروائی
میں دغا اور خیانت کرے گا۔ جنگ بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں تشریف فرما تھے اور خیانت کرے گا
جنگ بدر کے روز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سایہ میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام دھوپ میں تھے۔ حضرت جبریل
امین تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ سایہ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے اصحاب دھوپ میں ہیں (تو
در سایہ و یاران تو در آفتاب) بس اتنی سی بات پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا (گرہ کرو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ دوزخ سے نجات پائے اور بہشت میں جگہ ملے چاہیے کہ آخر وقت تک دوم بازپسیں) کلمہ
لاالہ الااللہ پڑھے اور جو چیز اپنی خاطر پسند نہیں کرتا ہے کسی دوسرے مسلمان کے لیے پسند نہ کرے ایک اور ارشاد گرامی
ہے کہ جو شخص صبح کو اٹھے اور خدا کے سوا اس کا دل کسی اور سے لگا ہو وہ مرد خدا نہیں ہے اور اگر مسلمانوں کے کام کاج سے
بے پرواہ ہے تو وہ مسلمانوں میں داخل نہیں ہے۔

قاعدہ دوم

قاعدہ دوم یہ ہے کہ اپنے دروازے پر ارباب حاجات کے انتظار کرنے کو معمولی بات نہ سمجھے
اور اس آفت سے بچے اور جب تک کسی مسلمان کے کام سے فارغ نہ ہو جائے نفلی عبادت میں مشغول
نہ ہو کہ مسلمانوں کی حاجت روائی کرنا تمام نوافل سے افضل ہے۔ منقول ہے کہ ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز نماز ظہر تک مخلوق
کے کاموں میں مصروف رہے پھر گھر میں تھکے ماندے گئے تاکہ ایک ساعت آرام کرلیں ان کے اس ارادہ سے آگاہ ہو کر ان کے
فرزند نے کہا کہ اے والد محترم آپ کو کیا معلوم شاید آپ کو اس ساعت میں پیام اجل آجائے اور اس وقت کوئی امیدوار آپ کے
دروازہ پر کھڑا ہو اور آپ اس امر میں قصور وار ٹھہریں آپ نے فرمایا بیٹے تم سچ کہتے ہو یہ کہہ کر آپ فوراً باہر تشریف لے آئے۔

قاعدہ سوم

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ اچھی خوراک اور عمدہ لباس کا عادی نہ بنے بلکہ تمام امور میں قناعت اختیار کرے
کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے
جو باتیں میرے بارے میں سنی ہیں ان میں تم کو کون سی باتیں ناپسند ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک وقت
کے کھانے میں دو سالن آپ کے دستر خوان پر ہوتے ہیں اور آپ کے پاس دو جوڑے کپڑے ہیں آپ ایک دن کو پہنتے ہیں
اور ایک رات کو آپ نے دریافت کیا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی بات سنی ہے جو تم کو ناپسند ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں اتب
آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں بے اصل ہیں

قاعدہ چہارم

اس سلسلہ میں چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک کام میں نرمی اختیار کرے درشتی سے کام نہ لے)
رسول اکرم صلے اللہ علیہ فرماتے ہیں جو حاکم رعیت کے ساتھ نرمی کرے گا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ
اس کے ساتھ نرمی کرے گا۔ حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ بارالٰہا! جو بادشاہ اپنی رعیت کے ساتھ

نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما اور جو کوئی سختی کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی فرما حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے ,, جو کوئی حکومت کا حق بجالائے اس کی حکومت خوب ہے اور جو کوئی اس باب میں تقصیر کرے اس کی حکومت بری ہے۔

ہشام بن عبدالمالک کا دور خلافت تھا اس نے شیخ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ سے جو بہت بڑے عالم تھے دریافت کیا کہ حکومت و ریاست میں نجات کی تدبیر کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو درم تم لیتے ہو حلال طور پر لو اور ایسے شخص کو دو جو اس کا حق دار ہے۔ ہشام نے دریافت کیا کہ یہ کام کون شخص انجام دے سکتا ہے انھوں نے جواب دیا یہ کام یہ کرسکے گا جو دوزخ کے عذاب سے ڈرے اور بہشت کو دوست رکھتا ہو۔

قاعدہ پنجم

پانچواں قاعدہ ہے کہ حاکم کی کوشش یہ ہو کہ تمام رعایا اس سے خوش رہے اور شرع کے خلاف کام نہ کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اچھے حاکم وہ ہیں جو تم کو پیار کریں۔ تم سے محبت کرتے ہوں اور تم ان سے پیار کرو اور برے وہ ہیں۔ جو تم سے عداوت رکھیں اور وہ تم پر لعنت کریں اور تم ان پر۔ حاکم کو چاہیئے کہ لوگوں کی تعریف سے خوش اور اس پر مغرور نہ ہو۔ اور ان کی تعریف سے یہ نہ سمجھنے لگے کہ سب لوگ اس سے خوش ہیں کیونکہ لوگ تو خوف سے بھی سراہتے اور تعریف کرتے ہیں۔ معتمد لوگوں کو مقرر کرے تاکہ وہ اس امر میں تجسس کریں اور حاکم کے بارے میں مخلوق سے دریافت کریں کہ انسان اپنا عیب دوسرے لوگوں کی زبان سے ہی معلوم کر سکتا ہے۔

قاعدہ ششم

چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے خلاف کام کر کے لوگوں کی رضامندی کا خواہاں نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص شریعت کی مخالفت سے ناخوش ہوتا ہے تو ایسی ناخوشی اس کے لیے مضرت رساں نہیں ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جب صبح کو میں اٹھتا ہوں تو مخلوق کے آدھے لوگ مجھ سے خفا ہوتے ہیں اور یہ ضرور ہے کہ جب ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی تو وہ خفا ہو گا۔ پس دونوں فریق (ظالم و مظلوم) کو خوش کرنا ممکن نہیں ہے اور وہ شخص بڑا ہی نادان ہے۔ جو خلائق کی رضامندی کے لیے حق تعالیٰ کی رضامندی کو ترک کر دے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خط لکھا کہ مجھے ایک مختصر نصیحت کیجیے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے مخلوق کو خوش کر کے خداوند تعالیٰ کی رضامندی تلاش کی تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا اور خلق کو بھی اس سے راضی رکھے گا اور جس نے حق تعالیٰ کی نارضامندی میں مخلوق کی خوشی چاہی خداوند تعالیٰ اس سے ناخوش ہو گا اور خلائق کو بھی اس سے ناخوش رکھے گا۔

قاعدہ ہفتم

ساتواں قاعدہ یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ حکومت کرنا ایک خطرناک کام ہے خلائق کے امور کا کفیل ہونا آسان بات نہیں ہے جس نے اس سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق پائی تو اس نے ایسی سعادت حاصل کی کہ اس سے بالاتر اور کوئی سعادت نہیں ہے اور اگر اس امر میں تقصیر کی تو وہ ایسی بدبختی اور شقاوت میں مبتلا ہوا کہ کفر کے بعد ایسی شقاوت کوئی اور نہیں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور در کعبہ کا حلقہ آپ نے

پکڑا اس وقت حرم میں قریشی حضرات موجود تھے آپ نے فرمایا کہ حکام اور سلاطین قریش سے رہیں گے جبتک وہ تین کام بجالاتے رہیں گے (۱) جب لوگ ان سے مہربانی کے خواہاں ہوں تو وہ مہربانی کریں (۲) حکم چاہیں تو انصاف کریں (۳) اور جو اقرار کریں اس کو پورا کریں۔ جو کوئی ایسا نہ کرے اس پر خدا کی فرشتوں کی اور تمام مخلوق کی لعنت ہو حق تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول فرمائے اور نہ سنت۔ پس غور کرو کہ یہ کیسی بڑی تقصیر ہوگی جس کے سبب سے عبادت قبول نہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرے اور اس میں ظلم کرے اس پر خدا لعنت کرے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن پر قیامت کے دن حق تعالیٰ نظر نہیں فرمائے گا۔ ایک دروغ گو سلطان! دوسرا بوڑھا زانی! تیسرا متکبر اور لاف زن درویش۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قریب ہے کہ مشرق و مغرب کے ممالک تم فتح کرو گے وہاں کے عامل دوزخ میں پڑیں گے مگر وہ شخص جو خدا سے ڈرے گا۔ وہ تقوی اختیار کرے گا۔ اور امانت گذار رہے گا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ وہ حاکم جس کے حوالے بندگان خدا تعالیٰ نے رعیت کو کیا ہے، اگر وہ دغا کرے گا اور شفقت بجا نہیں لائے گا حق تعالیٰ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا۔ اور فرمایا ہے جس کو مسلمانوں پر سرداری عطا کی گئی اور اس نے ان کی ایسی نگہبانی نہیں کی جیسی وہ اپنے گھر والوں کی کرتا ہے تو اس سے کہہ دو دوزخ میں اپنا ٹھکانا اختیار کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دو شخص میری امت کے شفاعت سے محروم رہیں گے ایک ظالم بادشاہ دوسرا وہ بدعتی جو دین میں فساد کرکے حد سے تجاوز کرے اور فرمایا کہ قیامت میں بادشاہ کو بڑا عذاب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے پانچ اشخاص سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے اگر چاہے گا تو دنیا میں ان پر غضب نازل فرمائے گا۔ ورنہ دوزخ میں ان کی جگہ ہو گی ان میں ایک وہ سردار قوم ہے جو قوم سے تو اپنا حق لے لے لیکن ان کا حق ادا نہ کرے اور ظلم کو ان سے موقوف نہ کرے دوسرا وہ امیر ہے لوگ جس کے مطیع ہیں لیکن وہ ضعیف و قوی کو یکساں نہیں سمجھتا اور طرف داری کی بات کرتا ہے تیسرا وہ شخص ہے جس نے ایک مزدور کو کام پر لگایا اور جب وہ اس کا کام تمام کر چکا تو یہ اس کی پوری اجرت نہیں دیتا چوتھا وہ شخص ہے جو اپنے زن و فرزند کو اللہ کی اطاعت کا حکم نہ کرے اور دین کی باتیں انہیں نہ سکھائے اور ان کے کھلانے پلانے میں حلال و حرام کی روزی کی تمیز نہ کرے۔ جیسے بھی ہو ان کا پیٹ بھر دے! پانچویں وہ شخص جو مہر کے بارے میں اپنی بیوی پر ظلم کرے کہ وہ اس کا مہر معاف کر دے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ایک جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی جب اس میت کو دفن کر چلے تو آپ نے اس نے اس کی قبر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بارالہا! اگر تو اس کو عذاب دے تو یہ اس کا سزاوار ہے کہ اس سے تیری تقصیر کی ہوگی اور اگر تو اس پر رحم فرمائے اور رحمت کرے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے! اے مردے! تجھے مبارک ہو اگر تو کبھی امیر و حاکم، نہ تھا اور نہ نقیب تھا اور نہ مددگار، نہ کاتب اور نہ خراج وصول کرنے والا۔ آپ کی اس دعا کرنے کے بعد وہ شخص جس نے نماز پڑھائی تھی نظر سے غائب ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ،

نے فرمایا اس شخص کو تلاش کرو لیکن تلاش کرنے پر وہ شخص نہیں ملا تب آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افسوس ہے ان امیروں پر، نقیبوں پر، امینوں پر جو عمل نہیں کرتے تھے وہ اپنے گیسوؤں کے بل آسمان سے لٹکے ہوں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف دس آدمیوں پر امیر ہے تب بھی اس کو قیامت کے دن دست بزنجیر لایا جائے گا۔ اگر وہ نیک رہا ہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ ایک اور زنجیر اس کی طرف بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ زمین کے حاکم پر آسمان کے حاکم کی طرف سے افسوس کیا جاتا ہے جب وہ سامنے پیش ہوتا ہے ہاں جب کہ اس نے انصاف کیا ہو، حق گذار رہا ہو اور حرص و ہوا سے حکم نہ کیا ہو اور اپنے اقربا کی حمایت نہ کی ہو اور خوف و رجا کے تحت حکم نہ کیا ہو اور خداوند تعالیٰ کی کتاب کو (ان معاملات میں) آئینہ کی طرح اپنی نظر کے سامنے رکھا ہو اور ہر ایک حکم کتاب الٰہی کے مطابق دیا ہو اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کے دن حاکموں کو حاضر کیا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم میرے ریوڑوں کے نگہبان تھے اور میری زمین و مملکت کے خزینہ دار تھے میرے فرمان کے خلاف تم نے کسی کو کوئی سزا دی اور اس پر حد جاری کی وہ جواب دیں گے کہ الٰہی اس غیظ و غضب کی بنا پر ایسا کیا کہ انہوں نے تیری مخالفت کی تھی حق تعالیٰ فرمائے گا کیوں؟ کیا تمہارا غصہ میرے غصہ سے زیادہ تھا دوسرے امیر سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے حکم سے کم سزا کیوں دی (جتنی سزا کا میں نے تجھے حکم دیا تھا اس سے کم سزا کیوں دی) وہ جواب دے گا کہ بارالٰہا! مجھے اس پر رحم آ گیا تھا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تو مجھ سے زیادہ رحیم ہو سکتا ہے اس کے بعد دونوں سے مواخذہ کیا جائے گا اس سے بھی جس نے اس کے حکم سے زیادہ کیا تھا اور اس سے بھی جس نے حکم الٰہی سے کم کیا تھا اور دوزخ کے گوشوں کو ان سے بھر دیا جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی حاکم کی تعریف نہیں کرتا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن تمام حاکموں کو لایا جایا گا۔ خواہ وہ عادل ہوں یا ظالم سب کو صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور صراط کو حکم دیا جائے گا۔ کہ ان کو ایک جھٹکا دے پس جس نے حکم دینے میں زیادتی کی ہوگی یا قضاۃ میں رشوت لی ہوگی یا ایک فریق کی بات غور سے سنی ہوگی اور دوسرے کی سرسری طور پر ایسے سب لوگ اس جھٹکے سے نیچے گر پڑیں گے۔ اور ستر برس تک دوزخ کے غار میں چلیں گے تب کہیں اپنی قرار گاہ تک پہنچیں گے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر باہر نکلتے تھے جو کوئی نظر آتا اس سے دریافت کرتے کہ داؤد کی سیرت، طرز زندگی اور معاش کیسی ہے؟ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام ایک

شخص کی صورت میں سامنے آئے حسب معمول ان سے حضرت داود علیہ السلام نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ داؤد نیک مرد ہوتا اگر وہ بیت المال سے اپنی روزی نہ لیتا ہوتا۔ پس داؤد علیہ السلام اپنی محراب میں گئے اور روتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! مجھے کوئی حرفہ سکھا دے تاکہ میں اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھا سکوں! اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہ بنانا سکھا دیا اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ، بجائے شحنہ کے رات کو خود گشت کیا کرتے تھے تاکہ جہاں کہیں خرابی نظر آئے اس کا تدارک کریں اور فرماتے تھے کہ اگر ایک خارش زدہ گوسفند کو دریائے فرات کے کنارے چھوڑ دیا جائے اور اس کی خارش دور کرنے کا روغن اس کے نہ ملا جائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کا سوال کیا جائے گا باوجود اس کے کہ آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا اور آپ کا عدل ایسا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس عدل کو نہیں پہنچ سکتا جب آپ کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ حق تعالیٰ ان کو مجھے خواب میں دکھا دے چنانچہ بارہ سال کے بعد (وفات) میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ آپ چلے آرہے ہیں اس طرح جیسے کوئی غسل کر کے آیا ہو اور ازار باندھے ہو (یعنی جسم پسینہ سے تر ابور تھا) آپ کو دیکھ کر میں نے پوچھا کہ اے امیر المومنین حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا آپ نے فرمایا کہ اے عبیداللہ تمہارے پاس سے مجھے گئے ہوئے کتنا عرصہ گذر گیا؟ میں نے عرض کیا کہ بارہ سال گذر گئے آپ نے فرمایا کہ میں اب تک حساب دے رہا تھا اور مجھے بس یہ ڈر تھا کہ میرا معاملہ تباہ ہو جائے گا۔ آخر کار رحمت الٰہی کے سبب مجھے نجات ہوگئی۔ دیکھو حضرت عمرؓ کا یہ حال ہوا جبکہ سرداری و سروری کے لوازم میں سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔

بزرجمہر کا ایلچی

منقول ہے کہ بزرجمہر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے پاس ایک قاصد بھیجا تاکہ دیکھے کہ آپ کیسے شخص ہیں اور آپ کی سیرت کیسی ہے جب یہ شخص مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمارا بادشاہ نہیں ہے ہمارا امیر ہے اور وہ ابھی کسی کام سے باہر گیا ہے یہ خبر سن کر سفیر باہر نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ "دُرّہ" (کوڑا)، بجائے تکیہ کے سر کے نیچے رکھے ہوئے دھوپ میں زمین پر سو رہے ہیں اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے اور پسینہ سے زمین تر ہو رہی ہے جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو اس کے دل میں عجیب ہی تاثر پیدا ہوا اور کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ وہ شخص جس کی ہیبت سے تمام بادشاہ لرزتے ہیں اور خائف ہیں اس کا اپنا یہ حال ہے پھر وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین آپ نے عدل فرمایا ہے اس لیے آپ بے فکر ہو کر سو رہے ہیں اور ہمارا بادشاہ چونکہ ظالم اور جابر ہے اس لیے وہ ہمیشہ خوف زدہ اور ہراساں رہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ دین برحق صرف تمہارا دین ہے اگر میں سفیر بنکر نہ آیا ہوتا تو اس وقت مسلمان ہو جاتا اب میں پھر آؤں گا اور اسلام قبول کرونگا۔

پس معلوم ہوا کہ حکومت ایک کارنامہ عظیم ہے اور اس کا علم بھی ایک وسیع و بسیط علم ہے پس حاکم کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ علمائے دیندار کے ساتھ ہم نشینی رکھے تاکہ عدل کا راستہ وہ اس کو بتائیں حاکم ان کی نصیحت دل سے سنے اور دنیادار عالموں کی صحبت سے بچے کہ وہ لوگ اس کو فریب دیں گے اس کی بیجا تعریف کریں گے اور اس کی خوشنودی حاصل

کرنا چاہیں گے تاکہ یہ لوگ اس مردار حرام سے (دنیا در حکومت) جو اس حاکم کے ہاتھ میں ہے مکر وحیلہ سے کچھ حاصل کریں۔

دین دار عالم

دیندار عالم وہ ہے جو حاکم سے کوئی طمع نہ رکھے اور انصاف سے کسی وقت نہ چوکے منقول ہے کہ شیخ شفیق بلخیؒ ہارون رشید کے پاس گئے تو ہارون نے کہا کہ شفیق زاہد تم ہی ہو انہوں نے کہا کہ میں شفیق ہوں زاہد نہیں ہوں ہارون نے کہا مجھے نصیحت کرو۔ شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو حضرت صدیقؓ کی مسند پر بٹھایا ہے پس وہ تجھ سے ایسا صدق چاہتا ہے جیسا کہ اس کو مطلوب ہے اور فاروق اعظمؓ کی مسند پر بٹھایا ہے اور وہ آپ سے حق و باطل میں فرق چاہتا ہے جیسا کہ وہ چاہتا ہے (ہونا چاہیئے) اور عثمان ذوالنورین کی جگہ آپ کو بٹھایا ہے اور آپ سے وہ علم و عدل چاہتا ہے یہ سن کر ہارون نے کہا کہ کچھ اور نصیحت کیجیے۔ شفیق بلخیؒ نے فرمایا حق تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کو دوزخ کہتے ہیں آپ کو اس کا دربان بنایا ہے اور آپ کو تین چیزیں دی ہیں۔

بیت المال کے اموال، شمشیر اور تازیانہ اور حکم دیا ہے کہ ان تین چیزوں کے ذریعہ مخلوق کو دوزخ سے بچائیے یعنی جو محتاج تمہارے پاس آئے اس کو مال سے محروم نہ رکھو۔ اور جو خدا کی نافرمانی کرے اس کو اس تازیانہ سے سزا دیجیے اور جو شخص کسی کو ناحق قتل کر دے اس کو (والی کی اجازت کے بعد اگر وہ دیت نہ دے) اس تلوار سے قتل کر دیجیے اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ ہی دوزخیوں کے پیشوا ہوں گے اور دوسرے لوگ آپ کے پیچھے پیچھے آئیں گے یہ سن کر ہارون نے کہا کہ ابھی کچھ اور نصیحت فرمایئے شفیق بلخیؒ نے فرمایا آپ ایک چشمہ ہیں اور آپ کے عمال امراء دنیا میں اس کی نہریں ہیں اگر چشمہ روشن اور پاکیزہ ہے۔ تو نہروں کے گدلے پن سے کچھ نقصان نہیں ہوگا ہاں اگر چشمہ تاریک اور گدلا ہوگیا تو پھر نہریں بھی صاف نہیں رہ سکتیں۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض کی نصائح

منقول ہے کہ ہارون الرشید اپنے مصاحب عباس کے ساتھ شیخ فضیل بن عیاض کے پاس گئے جب ان کے دروازہ پر پہنچے تو سنا کہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کر رہے ہیں۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞

"وہ لوگ جنہوں نے برے اعمال کیے ہیں آیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو برابر رکھیں گے ایسے لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ان کی زندگی اور موت برابر ہے انہوں نے جو کیا وہ برا حکم تھا۔"

یہ آیت سن کر ہارون نے کہا کہ اگر ہم نصیحت حاصل کریں تو ہم کو یہی کافی ہے ہارون نے کہا کہ اچھا دروازہ کھٹکھٹاؤ عباس نے دروازہ پر دستک دی اور آواز دی کہ اے شیخ امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ ان کا مجھ سے کیا کام عباس نے کہا کہ امیر المومنین کی اطاعت کیجیے۔ یہ سن کر فضیلؒ بن عیاض نے دروازہ کھول دیا رات کا وقت تھا شیخ نے چراغ بجھا دیا۔ تاریکی میں فضیلؒ کے ہاتھ سے ہارون کا ہاتھ مس ہوا تو شیخ نے فرمایا کہ اگر ایسا نازک ہاتھ عذاب الٰہی سے محفوظ نہ رہے تو حیف ہے! پھر کہا کہ اے امیر المومنین! قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے جواب کے واسطے تیار رہیئے کہ آپ کو ہر

ایک مسلمان کے ساتھ بٹھایا جائے گا اور اس کا انصاف آپ سے طلب کیا جائے گا۔ یہ سن کر ہارون رونے لگا عباس نے کہا کہ اے شیخ آپ نے تو امیر المومنین کو مار ڈالا۔ شیخ فضیل نے فرمایا اے ہامان تو اور تیرے جیسے لوگوں نے امیر المومنین کو ہلاک کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں نے مار ڈالا۔ ہارون نے عباس سے کہا کہ شیخ نے مجھے فرعون سمجھا اس وجہ سے تجھ کو ہامان کہا اس کے بعد ہارون نے ہزار دینار ان کو پیش کئے اور کہا کہ یہ مال حلال ہے میرے والدہ کے مہر کی رقم ہے اس کو قبول کر لیجیے۔ شیخ فضیل نے فرمایا کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو ترک کر دو اور مال والوں کو مال دے دو اور تم مجھے مال دے رہے ہو! آخر کار یہ دونوں وہاں سے واپس آ گئے۔

محمد بن کعب القرظی کی نصیحت

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے شیخ محمد بن کعب القرظی سے کہا کہ عدل کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کوئی مسلمان آپ سے بڑا ہو آپ اس کے حق میں فرزند اور برابر والے کے لیے بھائی بن جائیں ہر سزا پانے والے کو بس اتنی ہی سزا دیجئے جو کہ اس کے قصور اور اس کی برداشت کے مطابق ہو خبردار! کبھی غصہ سے کسی کو تازیانہ نہ ماریں ورنہ آپ کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

منقول ہے کہ ایک زاہد کسی خلیفہ کے پاس گئے خلیفہ نے ان سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجیے انہوں نے کہا کہ میں مملکت چین گیا تھا۔ وہاں کا بادشاہ بہرا تھا وہ زار وقطار روتا رہتا تھا وہ کہتا تھا کہ میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میری سماعت ختم ہو گئی ہے بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ اگر کوئی مظلوم آئے اور فریاد کرے تو میں اس کی فریاد نہیں سن سکوں گا۔ لیکن ابھی میری بصارت باقی ہے لہٰذا تمام مملکت میں اعلان کر دیا جائے کہ جو کوئی فریادی ہو وہ سرخ لباس پہنے اس کے بعد وہ ہر روز ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا اور جو کوئی سرخ لباس پہنے ہوئے نظر آتا اس کو اپنے حضور میں بلا کر اس کا انصاف کرتا۔ اے امیر المومنین! یہ بادشاہ کافر تھا اور وہ خدا کے بندوں پہ اس طرح مہربان تھا اور آپ مومن ہیں اور اہلِ بیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہیں تو پھر غور کیجئے کہ آپ کی روش کیسی ہونی چاہیئے۔ ابو قلابہ، عمر بن عبد العزیز کے پاس گئے تو عمر بن عبد العزیز نے اُن سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک کوئی خلیفہ باقی نہیں رہا ہے مگر آپ! انھوں نے کہا کہ اور نصیحت کرو! انھوں نے کہا کہ اب پہلا خلیفہ جو انتقال کرے گا وہ آپ ہوں گے۔ (از روزگار آدم تا امروز ہیچ خلیفہ نہ ماندہ است مگر تو۔ گفت بے فرمائی۔ گفت پیشتر خلیفہ کہ بمیرد تو خواہی بود) حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ اور کچھ نصیحت مجھے کیجئے۔ کہا کہ اگر حق تعالٰے آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کچھ خوف نہیں۔ لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ نہ رہے تو پھر آپ کس کی پناہ ڈھونڈیں گے۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کہ

بس یہ نصیحت مجھے کافی ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کا دورِ خلافت تھا ایک دن اس نے غور کیا کہ میں نے دنیا میں اس قدر عیش و آرام کیا قیامت میں میرا کیا حال ہوگا۔ اس اندیشہ میں خادم کو شیخ ابو حازمؒ کے پاس بھیجا، عالم و زاہد زمانہ تھے اور کہلایا کہ آپ جس چیز سے اپنا روزہ افطار کرتے ہیں اس میں سے کچھ مجھے بھیج دیجئے۔ شیخ نے تھوڑی سی بھوسی بھون کر سلیمان بن عبدالملک کے پاس بھیج دی اور کہلایا کہ میں رات کو یہی کھاتا ہوں (میری رات کی غذا یہی ہے) سلیمان بھوسی کو دیکھ کر رو دیا اور اس کے دل پر بہت اثر ہوا اس نے پے بہ پے تین روزے رکھے اور کچھ نہ کھایا تیسرے دن اس بھوسی (سبوس بریاں) سے روزہ افطار کیا کہتے ہیں کہ اسی شب اس نے اپنی بیوی سے قربت کی اور اس صحبت کے نتیجہ میں (بیوی کو حمل رہ گیا) عبدالعزیز پیدا ہوئے انہی عبدالعزیز کے فرزند حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں جو عدل و انصاف میں حضرت عمر ابن الخطاب کے مانند تھے علماء نے کہا ہے کہ اسی سبوس بریاں کھانے کی برکت تھی جو شیخ ابو حازم نے عطا کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی توبہ کا کیا سبب ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک روز میں نے اپنے غلام کو مارا تو اس نے مجھ سے کہا۔ کہ اس دن کو یاد کیجیے جس کی صبح کو قیامت قائم ہوگی اس بات نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔

منقول ہے کہ کسی بزرگ نے ہارون الرشید کو عرفات کے میدان میں دیکھا کہ سر و پا برہنہ گرم ریگ اور پتھر پر کھڑا ہے اور ہاتھ اٹھا کر اس طرح کہہ رہا ہے کہ بار الہا! تو آقا ہے اور میں غلام ہوں میرا کام یہ ہے کہ میں ہر لحظہ گناہ کروں اور تیرا کام یہ ہے کہ تو بخش دے اور مجھ پر رحم کی نظر فرمائے یہ حالت دیکھ کر اس بزرگ نے کہا کہ یہ مغرور انسان خداوند زمین و آسمان کے سامنے کیسی گریہ و زاری کر رہا ہے۔

ایک بار حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے شیخ ابو حازمؒ سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے انہوں نے فرمایا کہ زمین پر سو اور موت کو سرھانے (بالیں کی طرح) رکھو اور ایسی حالت کو پیش نظر رکھو جس میں تم موت کا آنا پسند کرتے ہو جو چیز تم روا نہیں رکھتے اس سے دور رہو کیونکہ موت قریب ہے۔

ؔ اس مقام پر کیمیائے سعادت کے تمام نسخے دیکھے گئے نولکشوری نسخہ جو پاکستان میں قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ہے یعنی ۸۷۹ اور دیکھا گیا لفظ سلیمان بن عبدالملک ہی موجود ہے جبکہ حقیقت میں یہ مروان بن عبدالحکم بن ابی العاص ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف خروج کیا اور خفیہ سازشوں کے ذریعہ مصر و شام پر قابض ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ۶۵ھ میں اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اسی سال مر گیا مروان کا دوسرا بیٹا عبدالعزیز تھا جس کو مروان نے جانشین نہیں کیا اسی سے حضرت عمر پیدا ہوئے جو عمر بن عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہیں۔ عبدالملک کے دو بیٹے تھے ولید اور سلیمان جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے اسی عبدالملک کی بیٹی فاطمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زوجیت میں تھیں اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز سلیمان کے پوتے تو نہیں ہاں چچا زاد بھائی اور بہنوئی ضرور تھے اس لیے یہاں کاتب سے تسامح ہوا ہے اور بجائے سلیمان بن عبدالملک کے مروان بن حکم پڑھا جائے تب عبارت درست ہوگی مترجم۔

پس حاکم کو چاہیے کہ وہ ان حکایتوں کو یاد رکھے اور ان نصیحتوں کو جو یہ لوگ دوسروں کو دیتے ہیں تسلیم کریں اور جب حاکم کو دیکھیں اس سے نصیحت حاصل کریں اور ہر ایک عالم کو چاہیے کہ وہ ان حاکموں کو اس طرح کی نصیحتیں کریں اور حق کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر ان کو فریب دیا اور ان سے حق بات نہیں کہی تو پھر دنیا میں جو ظلم ہوگا اس میں یہ عالم شریک ہوگا۔

قاعدہ نہم

نواں قاعدہ یہ ہے کہ صرف اپنے آپ سے برائیوں سے دست بردار ہونا کافی نہ سمجھے بلکہ اپنے نوکروں چاکروں اور نائبوں کو بھی سدھارے اور کسی طرح ان کے ظلم پر راضی نہ ہو کیونکہ ان کے ظلم کے سلسلہ میں بھی اس سے باز پرس کی جائے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے عامل تھے ایک نامہ تحریر فرمایا جس میں تحریر تھا کہ نیک بخت وہ عامل ہے کہ رعیت اس کی وجہ سے نیک وسعید ہو اور بہت ہی بد بخت عامل وہ ہے جس کی وجہ سے بد بخت بن جائے۔ خبردار، فراخ روی اختیار نہ کرنا ورنہ تمہارے عمّال بھی ایسا ہی کریں گے اس وقت تم اس جانور کے مثال ہو گئے جس نے بہت سی گھاس دیکھی تو اس خیال سے خوب کھائی کہ فربہ ہو جائے گا لیکن یہی فربہی اس کی ہلاکت کا سبب بن گئی (لوگوں نے فربہ پاکر اس کو ذبح کر کے کھالیا)

توریت میں لکھا ہے کہ جو ظلم بادشاہ کے عامل کے ہاتھوں سے ہوتا ہے اور بادشاہ اس سے واقف ہو کر خاموش رہے تو وہ ظلم اسی بادشاہ کا ہوگا۔ اور اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ حاکم کو یہ بات اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اس شخص سے زیادہ نادان اور کوئی نہیں ہے جو اپنے دین و آخرت کو دوسروں کی دنیا کے عوض فروخت کردے یہ تمام کارندے (عمال) اور نوکر چاکر محض دنیا طلبی کے لیے خدمت کرتے ہیں اور اپنے ظلم کو اپنے حاکم کی نگاہ میں بنا سنوار کے پیش کرتے ہیں (کہ وہ ظلم نہیں ہے بلکہ عنایت ہے) تاکہ اپنا مطلب پورا کرلیں اور حاکم کو دوزخ میں ڈالدیں پس غور کرنا چاہیے کہ ان لوگوں سے بڑھ کر تمہارا اور کون دشمن ہوگا کہ اپنے چند درہموں کے لیے تمہاری بربادی کا سامان فراہم کریں۔
مختصر یہ کہ جس نے اپنے عاملوں اور نوکروں چاکروں کو عدل پر قائم نہ رکھا اور اپنے زن و فرزند اور غلاموں کو عدل پر نہیں رکھ سکا وہ رعایا میں کس طرح عدل قائم کر سکے گا۔ یہ اہم کام اسی سے سرانجام ہو سکتا ہے جو پہلے اپنی ذات سے انصاف کرے اور اس کے ساتھ عدل قائم کر سکے اور یہ اس طرح ہوگا کہ آدمی ظلم و غضب اور خواہشات کو اپنی عقل پر غالب نہ کرے ان جذبات کو عقل و دین کا قیدی بنائے ایسا نہ کرے کہ عقل و دین ظلم و غضب اور شہوت کے اسیر بن جائیں۔ اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ انہوں نے عقل کو غضب اور شہوت کے تابع بنایا ہے اور حیلہ و بہانہ تلاش کرتے ہیں تاکہ شہوت و غضب اپنی مراد حاصل کر سکیں اور پھر کہتے ہیں کہ دانشمندی اور عقل اسی کا نام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عقل فرشتوں کا جوہر اور حق تعالیٰ کا لشکر ہے اور غضب اور شہوت شیطان کا لشکر ہے پس عدل کا آفتاب سب سے پہلے سینے میں طلوع ہوگا

اور اس کے بعد اس کا نور گھر والوں اور خاص لوگوں میں ظاہر گا پھر اس کی روشنی رعیت کو پہنچے گی۔ اور جو شخص اس آفتاب کے بغیر اسکے شعاعوں کی امید رکھتا ہے وہ ایک محال چیز کی طلب کرتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عدل کمال عقل سے پیدا ہوتا ہے اور عقل کا کمال یہ ہے کہ انسان اشیاء کی حقیقت معلوم کرے اور ان کے ظاہر پر فریفتہ نہ ہو مثلاً جب محسن دنیا کی خاطر عدل کو ترک کر جائے تو غور کرے کہ دنیا سے مقصود و مراد کیا ہے اگر دنیا سے یہی مقصود ہے کہ اچھا کھائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک حیوان ہے انسان کی شکل کیونکہ کھانے کا حریص ہونا جانوروں کا کام ہے اور اگر اس نے دنیا کو اس لیے پسند کیا ہے کہ دیبا و حریر کا لباس پہنے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک عورت ہے مرد کی شکل میں کہ آرائش عورتوں کا کام ہے اور ان ہی کا دستور ہے اور اگر دنیا سے مقصود یہ ہے کہ اپنے مخالفوں پر عتاب کرے اور ان پر غصہ ہو تو وہ درندوں میں شمار ہوگا جو انسان کی صورت میں ہے اس لیے کہ غرانا، غصہ کرنا درندوں کی سیرت ہے اور اس کا مقصود دنیا سے یہ ہے کہ لوگ اس کی خدمت کریں تو پھر وہ ایک جاہل محض ہے جو عاقل کی صورت میں ہے کیونکہ اگر عقل اس کے پاس ہوتی تو سمجھ لیتا کہ سب خدمت گار اپنے پیٹ کے نوکر ہیں اگر وہ ایک دن بھی ان کا روزینہ نہ دے تو یہ لوگ اس کے پاس نہ پھٹکیں گے۔ پس یہ لوگ جو اس کی خدمت کرتے ہیں تو انھوں نے اس کو اپنی خواہشات کا جال بنا رکھا ہے اور یہ جو اس کی بندگی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کی نہیں بلکہ اپنی بندگی کرتے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض دروغ پر مبنی یہ بات کہدے کہ حکومت و اقتدار کسی دوسرے شخص کو ملنے والا ہے تو یہ سب لوگ اس سے روگرداں ہو جائیں گے اور اس دوسرے سے قرب حاصل کریں گے ان لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ جہاں سے ان کو روپیہ ملے گا تو بس خدمت اور سجدے وہاں کرنے لگیں گے پس حقیقت میں یہ خدمت نہیں ہے بلکہ صاحب دولت پر ہنسنا اور اس کا مذاق اڑانا ہے۔

پس عاقل وہی ہے کہ کاموں کی حقیقت اور ان کی روح کو سمجھے اور ان کی صورت اور ظاہر کو نہ دیکھے ان تمام باتوں کی حقیقت وہی ہے جو بتائی گئی پس اگر وہ اس حقیقت کو نہ سمجھے تو عاقل نہیں بلکہ وہ جاہل ہے اور جو عاقل نہیں وہ عادل نہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اسی بناء پر تمام نیکیوں کی جڑ اور اصل عقل ہے واللہ اعلم

قاعدہ دہم

قاعدہ دہم یہ ہے کہ حاکم پر تکبر کا غلبہ نہ ہو۔ اسی تکبر سے اس پر غضب و غیظ غالب ہوگا اور یہ غضب اس کو انتقام پر آمادہ کرے گا پس غیظ و غضب عقل کیلئے دیو کی طرح ہے ہم غضب کی آفت اور اس کے علاج کی تشریح اس کتاب کے رکن چہارم "مہلکات" میں کریں گے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب غیظ و غضب غالب ہو تو اس وقت یہ کوشش کرنی چاہیے کہ تمام کاموں میں عفو و درگذر کی طرف اس کا جھکاؤ ہو اور کرم اور بردباری و تحمل، اپنا شعار بنالے۔ اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب وہ کرم کو اپنا شعار بنالے گا تو پھر وہ اولیا، صحابہ اور انبیاء کی مانند ہوگا (کہ یہ سب حضرات کرم پیشہ تھے) اور اس کو ابلہ اور بیوقوف لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے، کہ یہ ابلہ لوگ تو

جانوروں اور درندوں کی طرح ہوتے حکایت منقول ہے کہ ابوجعفر (منصور) کا عہد خلافت تھا اس نے ایک دن ایک خیانت کرنے والے شخص کے قتل کا حکم دیا۔ شیخ مبارک بن فضالہ اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس قتل سے قبل مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن لیجیے ابوجعفر نے کہا سناؤ شیخ مبارک نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کو ایک صحرا میں جمع کیا جائے گا اور منادی آواز دے گا کہ جس کسی کا اللہ تعالیٰ پر حق ہو وہ کھڑا ہو جائے اس وقت کوئی شخص بھی نہیں اٹھے گا سوائے اس شخص کے جس نے کسی کو معاف کیا ہو گا۔ یہ حدیث سن کر ابوجعفر نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو میں نے اس کو معاف کر دیا۔

اکثر غیظ و غضب اس سبب سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان سے زبان درازی کرے والے کو فوراً قتل کر دیں ایسے موقع پر حاکم کو چاہیئے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کو یاد کرے جو انھوں نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر تہمت لگانے والا تیرے بارے میں صحیح کہہ رہا ہے تو اس کا شکر بہ ادا کر اور اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے تو بہت زیادہ شکر ادا کر کہ تیرے نامہ اعمال میں ایک عمل خیر کا اضافہ ہوا بغیر اس کے کہ اس کے عمل میں تو نے کچھ تکلیف اٹھائی یعنی اس شخص کی عبادت تیرے اعمالنامہ میں لکھ دی جائے گی جس کے لیے تو نے کوئی تکلیف نہیں اٹھائی۔

منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی اس طرح تعریف کی گئی کہ وہ بہت طاقتور ہے آپ نے فرمایا کس طرح ؛ کہنے والے نے کہا کہ وہ جس کسی سے لڑتا ہے اس کو شکست دے دیتا ہے اور ہر شخص پر غالب رہتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوی اور مرد وہ شخص ہے کہ جو اپنے غصہ پر غالب آجائے وہ شخص نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جس شخص کو یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں اس کا ایمان کامل ہے یہ کہ جب غصہ کرے تو کسی باطل بات کا ارادہ نہ کرے جب خوشنود ہو تو اس کا حق ادا کرے اور جب قدرت رکھتا ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ خلق میں تم اس شخص پر اعتماد مت کرو جب تک تم غصہ کی حالت میں اس کو نہ دیکھ لو کہ وہ غصہ کو ضبط کرنے والا ہے) اور جب تک تم کسی شخص کو حرص و طمع میں نہ آزما لو اس کے دین پر اعتماد مت کرو۔ جناب علی ابن حسین رضی اللہ عنہما ایک روز مسجد کی طرف جا رہے تھے راستہ میں ایک شخص نے ان کو گالی دی آپ کے ملازمین نے اس شخص کو مارنے کا ارادہ کیا آپ نے ان کو منع کر دیا اور اس شخص سے کہا کہ میرے بارے میں تم پر اس سے زیادہ چھپا رہا ہے۔ جو تم نے کہا ہے ، کیا تمہاری کوئی ضرورت مجھ سے پوری ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہو تو مجھے بتاؤ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی غصہ کو پی جاتا ہے اور ہو سکے تو اس کو دل سے نکالدے تو خداوند تعالیٰ اس شخص کے دل کو دین وایمان سے معمور فرما دیتا ہے اور جو کوئی شاندار لباس نہیں پہنتا کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں تواضع کا اظہار کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خلعت بہشتی عطا فرماتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے افسوس ہے کہ اس شخص پر جو غضب ناک ہو اور اس وقت اپنے اوپر خداوند تعالیٰ کے غضب کو بھول جائے۔

ایک شخص نے رسول اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کوئی ایسا کام بتایئے جس کے کرنے سے میں بہشت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا غصہ مت کرو بہشت تمہاری ہے اس شخص نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ اور بتائیں آپ نے فرمایا کسی شخص سے کسی چیز کے طالب مت ہو جنت تمہاری ہے اس شخص نے کہا کہ حضور کچھ اور کام بتائیں آپ نے فرمایا کہ نماز کے بعد ستر بار استغفار کرو تاکہ تمہارے ستر سال کے گناہ بخش دیے جائیں اس شخص نے کہا کہ حضور میرے تو ستر سال کے گناہ نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ اس میں تمہاری ماں کے گناہ بھی شامل ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میری ماں کے بھی ستر سال کے گناہ نہیں ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تمہارے باپ کے گناہ اس شخص نے کہا کہ حضور میرے والد کے بھی ستر سال کے بقدر گناہ نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ تیرے بھائیوں کے ستر سال کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم تو اللہ کے لیے نہیں ہے یعنی انصاف کے ساتھ نہیں ہے یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک سرخ ہو گیا اور آپ بہت زیادہ خشمگیں ہوئے لیکن اس وقت آپ نے بس اتنا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے کہ ان کو لوگوں نے اس سے زیادہ ستایا اور انہوں نے اس پر صبر فرمایا اخبار وحکایات سے اتنی باتیں بطور نصائح اہل ولایت اور حاکموں کے لیے بہت کافی ہیں کہ جب اصل ایمان برقرار ہوتا ہے تو یہ باتیں اثر کرتی ہیں اور اگر ان باتوں کا اثر نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس شخص کا دل ایمان سے خالی ہے اور سوائے باتوں کے اس شخص کے دل اور زبان پر کچھ اور نہیں ہے کہ ایمان کی بات جو دل میں ہوتی ہے وہ دوسری ہے اور ایمان ظاہری دوسرا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسے عامل کے ایمان کی حقیقت کیا ہو گی جو سال بھر میں ہزاروں دینار حرام میں کھا لیتا ہے خود کھاتا ہے اور جو دوسرے لوگ اس سے وابستہ ہوتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہے قیامت میں تمام لوگ جن کا مال اس نے زبردستی کھایا ہے، اس سے وہ مال طلب کریں گے اور اس کی نیکیاں دوسروں کا دے دی جائیں گی یہ کیسی غفلت اور مسلمانی سے بعید بات ہو گی والسلام۔ (کتاب کیمیائے سعادت کا رکن اول دوم ختم ہوا الحمد للہ رب العلمین وصلے اللہ علیہ خیر خلقہ محمد والہ الطیبین وسلم تسلیما دائما کثیرا)

کیمیائے سعادت

جلد دوم

یعنی

رکن سوم و چہارم

رکنِ سوم

راہ دین کے عقبات جن کو مہلکات کہتے ہیں

اصل اوّل

ریاضت نفس کا پیدا کرنا، بری عادتوں کا علاج اور نیک عادتوں کے حصول کی تدبیریں کرنا۔

اصل دوم

خواہشاتِ شکم و فرج کا علاج اور ان دونوں کی حرص کا توڑنا اور ختم کرنا۔

اصل سوم

بہت زیادہ حرص، بہت زیادہ گفتگو کرنے کا علاج زبان کی آفتیں جیسے دروغ اور غیبت وغیرہ کا علاج۔

اصل چہارم

غصہ، حسد اور عداوت کی آفتیں اور اُن کا علاج۔

اصل پنجم

دوستیٔ دنیا کا علاج اور یہ بتانا کہ دنیا کی دوستی ہی تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔

اصل ششم

دوستیٔ مال کا اور بخل کا علاج۔

اصل ہفتم

دوستیٔ جاہ وحشمت کا علاج اور ان کی آفات۔

اصل ہشتم

عبادت میں ریا کرنے اور خود کو پارسا ظاہر کرنے کا علاج

اصل نہم

کبر ونخوت کا علاج، اخلاق حسنہ اور تواضع وعجز کے حصول کے طریقے

اصل دہم

غرور وفریفتگی اپنے اندر پیدا کرنا اور اپنے بارے میں حسن ظن کا علاج۔

اصل اوّل

ریاضتِ نفس اور خوئے بد سے پاکی حاصل کرنا

ہم اس فصل میں خوئے نیک کی بزرگی و اہمیت کے بارے میں بیان کریں گے اس کے بعد خوئے نیک کی حقیقت اور اصل کو بتائیں گے اور بتائیں گے کہ ریاضت سے خوئے نیک حاصل ہو سکتی ہے (اس کا حصول ممکن ہے) پھر اس کے حصول کا طریقہ بیان کریں گے۔ خوئے بد کی علامتوں کو بیان کیا جائے گا اس کے بعد ہم وہ تدبیر بتائیں گے جس کے ذریعہ کوئی شخص اپنے عیب کو خود پہچان سکے۔ پھر خوئے نیک پیدا کرنے کے طریقے بتائیں گے۔ اس کے بعد بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کا ذکر کریں گے اور بتائیں گے کہ اس کی ابتدائے کار میں مرید کو کس طرح کوشش کرنی چاہیئے۔ اب ہم خوئے نیک کا فضل اور اس کا اجر سب سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

خوئے نیک کا فضل اور اس کا اجر

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق نیک کی اس طرح تعریف فرمائی ہے (بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں) خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کے محاسن اور ان کی خوبیوں کا اہتمام کردوں۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال کے پلہ میں سب سے عظیم چیز جو رکھی جائے گی وہ خوئے نیک ہے۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خلق نیک۔ پھر وہ شخص آپ کے داہنی جانب گیا اور یہی سوال کیا آپ نے اس کو وہی جواب دیا۔ پھر وہ بائیں جانب گیا اور یہی سوال کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ آخری بار اس کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ تجھے نہیں معلوم! دین یہ ہے کہ تجھے غصہ نہ آئے۔ تو خشمگیں نہ ہو۔

روایت ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ فاضل ترین اعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خلق نیک۔ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اس نے کہا کچھ اور نصیحت کیجئے تو آپ نے فرمایا ہر بدی کے بعد نیکی کرتا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ اس شخص نے عرض کیا کچھ اور نصیحت فرمایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا رکھ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھے اخلاق عطا فرمائے ہیں اور خوبصورت چہرہ دیا ہے اس کو چاہیے کہ اس کو جہنم کا ایندھن نہ بنائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر کرتی ہے لیکن وہ بدخو ہے اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو دکھ پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خوے بد بندگی اور طاعت کو اس طرح تباہ کر رہی ہے جس طرح سرکہ شہد کو تباہ کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرمایا کرتے تھے بار الٰہا! تو نے میری خلقت خوب کی ہے تو میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی! مجھے تندرستی، عافیت اور اچھی عادتیں عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ بندہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی کون سی عطا بہتر ہے آپ نے فرمایا خلقِ نیک۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نیک اخلاق گناہوں کو اس طرح نیست کر دیتے ہیں جس طرح آفتاب برف کو پگھلا دیتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل رات میں نے ایک عجیب چیز مشاہدہ کی۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو زانو کے بل (اوندھا) پڑا تھا اور اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب حائل تھا۔ اس شخص کے نیک اخلاق آئے اور وہ حجاب دور ہو گیا۔ اور اس خلق نیک نے اس کو حق تعالیٰ تک پہنچا دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خلق نیک کے بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس طرح کوئی دن میں روزہ رکھے اور رات میں نماز ادا کرے۔ اس کو آخرت میں اور بھی بلند درجے ملتے ہیں۔ اگرچہ وہ عبادت میں کم بھی ہوتا ہے تو اس کو خلق نیک کے باعث آخرت میں بلند درجے عطا ہوتے ہیں۔

سب سے پسندیدہ تر اخلاق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ ایک روز حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ عورتیں بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں اور شور مچا رہی تھیں اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے وہ عورتیں وہاں سے بھاگ گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈر رہی ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تم کو ڈر نہیں ہے۔ ان عورتوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت تمہارا خوف بہت زیادہ ہے اور آپ ان سے بہت زیادہ تند مزاج ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ایکبار فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان جس راستہ پر تم کو دیکھتا ہے اس راستہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور وہ تمہاری ہیبت سے وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

شیخ فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نیک خو فاسق کی صحبت وہم نشینی کو بدخو قاری کی صحبت سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ شیخ ابن المبارک ایک روز راستہ میں ایک بدخو کے ساتھ جا رہے تھے۔ جب وہ اس سے جدا ہوئے تو رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے کہا کہ میں اس سبب سے رو رہا ہوں کہ بدخو بیچارہ تو میرا ساتھ چھوڑ گیا لیکن اس

کی بدخوئی نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور اس کے ساتھ لگی ہے۔ شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی ہونا نیک خو ہونا ہے پس جو کوئی تم میں سے نیک خوئی میں زیادہ ہے وہ تم سے بڑا اور بلند پایہ صوفی ہے۔

شیخ یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوئے بد ایک ایسی معصیت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت فائدہ نہیں دیتی اور خوئے نیک ایک ایسی اطاعت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی معصیت سے نقصان نہیں پہنچتا۔

نیک خوئی کی حقیقت

معلوم ہونا چاہیئے کہ نیک خوئی کیا ہے؟ اس کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور ہر ایک نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر اس کی وضاحت کی ہے لیکن اس کی جامع و مانع تعریف نہیں کی جا سکی ہے۔ چنانچہ ایک دانشمند کا قول ہے کہ کشادہ روئی کا نام نیک خوئی ہے ایک حکیم کا قول ہے لوگوں کی ایذا کو برداشت کرنا نیک خوئی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "بدلہ نہ لینا" نیک خوئی ہے۔ اور اسی طرح کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں اور تمام تعریفیں فروعی ہیں اس کی حقیقت اور جامع تعریف کسی میں بھی بیان نہیں کی گئی ہے۔ ہم یہاں اس کی حقیقت اور جامع تعریف بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہو کہ انسان کو دو چیزوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ ایک جسم جس کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور ایک روح جسکو چشم دل کے سوا کسی اور چیز سے نہیں دیکھ سکتے اور ان دونوں کے ساتھ برائی اور بھلائی وابستہ ہے ایک کو حسن خُلق کہتے ہیں اور دوسرے کو حسن خلق کہا جاتا ہے۔ حُسن خُلق سے مراد صورت باطنی ہے جس طرح حسن خلق سے مراد صورت ظاہر ہے اور جس طرح ظاہری صورت کو اس وقت اچھا کہا جاتا ہے کہ آنکھیں خوبصورت ہوں دہن خوبصورت ہو اور جب ناک منہ اور آنکھیں خوبصورت ہوتی ہیں تو اور دوسرے اعضا بھی اس کی مناسبت سے خوبصورت ہوتے ہیں۔ پس یہی حال صورت باطنی کا ہے کہ وہ اس وقت تک خوبصورت نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اندر یہ تمام قوتیں اچھی اور عمدہ حالت میں نہ ہوں یعنی قوت علم، قوت خشم، قوت شہوت اور قوت عدل۔"

قوت علم سے ہماری مراد زیرکی اور دانائی ہے۔ قوت علم کی خوبی یہ ہے کہ آسانی سے کلام کے جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکے اور برائی سے اچھائی کو پہچان سکے۔ اسی طرح اعمال و افعال کی اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے اور حق کو باطل سے پہچان سکے (حق و باطل میں تمیز کر سکے) اعتقادات میں (کون سا عقیدہ حق ہے اور کون سا عقیدہ باطل ہے) جیسا کہ حق تعالے کا یہ ارشاد ہے،
وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا :- یعنی جسنے حکمت حاصل کی اُسنے خیر کثیر کو حاصل کیا۔

قوت غضب کی خوبی اور خوبصورتی یہ ہے کہ وہ شریعت کے فرمان کے تحت رہے۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ شریعت کے حکم حکم کے مطابق اس کا ظہور ہو اور اس کے حکم کے مطابق وہ فرو ہو!

قوت شہوت کی خوبی اور نیکوئی یہ ہے کہ وہ سرکشی نہ کر سکے اور شرع و عقل کے حکم کے تابع ہو تا کہ عقل و شرع کی اطاعت آسانی سے کر سکے۔

قوت عدل کی خوبی اور نیکوئی یہ ہے کہ غضب اور شہوت کو اس طرح قابو میں رکھے جیسا کہ دین اور عقل کا اشارہ ہو غیظ و غضب کی مثال شکاری کتے کی ہے اور شہوت کی مثال گھوڑے کی اور عقل کی مثال اس گھوڑے پر سوار ہونے والے کی ہے اور گھوڑا کبھی کبھی سرکش بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اشاروں پر چلتا ہے اور کبھی کتا سکھایا ہوا ہوتا ہے (اس کے مطابق کام کرتا ہے) اور کبھی وہ اپنی طبع کے مطابق کام کرتا ہے پس جب تک گھوڑا سدھایا ہوا اور کتا تربیت کیا ہوا نہیں ہوگا سوار کو یہ امید نہیں کرنی چاہیے کہ شکار حاصل کرے گا بلکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں خود ہلاک نہ ہو جائے کہ کتا اس پر حملہ نہ کر دے اور گھوڑا اس کو زمین پر پٹخ نہ دے۔ اور عدل کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں (غضب و شہوت) کو عقل و دین کا مطیع بنائے۔ کبھی شہوت کو ختم و غضب پر مسلط کر دے تاکہ اس کی سرکشی ختم ہو جائے اور کبھی غضب و خشم کو شہوت پر مسلط کر دے تاکہ اس کی حرص ختم ہو جائے۔ جب ان چاروں صفات میں یہ خوبی اور نیکوئی پیدا ہو جائے گی تو پھر اس کو خوبی مطلق کہا جائے گا اور اگر ان میں بعض کے اندر خوبی نہ ہو اور بعض میں ہو تو اس کو خوبیٔ مطلق نہیں کہا جائے گا۔ جس طرح کسی کا دہانہ تو خوبصورت ہو لیکن ناک اچھی نہ ہو تو یہ مطلق خوبصورتی نہ ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب ان چاروں صفات میں سے کوئی ایک بھی زشت و خراب ہوگی تو اس سے بُرے اخلاق اور بُرے کام سرزد ہوں گے۔ ان صفات کی برائی اور ان کی زشتی دو اسباب کی بنا پر ہوتی ہے یعنی ایک کا محدود نہ ہونا: حد سے بڑھ جانا اور دوسری صورت میں ناقص ہونا۔ اسی طرح جب قوت علم حد سے فزوں ہوتی ہے تو وہ بُرے کاموں میں صرف ہونے لگتی ہے اور اس سے گربزی (چالاکی) اور ہمہ دانی کے دعویٰ کی بُری صفت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ ناقص اور تفریط میں ہوتی ہے تو اس سے اَبلہی (بے خبری) اور حماقت کا ظہور ہوتا ہے۔ جب یہ اعتدال پر ہوتی ہے تو اس سے درست تدبیر، صائب رائے، مناسب اور درست فکر و خیال اور صحیح دانشوری کے صفات پیدا ہوتے ہیں۔

جب قوت غضبانی (خشم) حد افراط میں ہوتی ہے تو اس کو "تہور" کہا جاتا ہے اور جب ناقص اور تفریط میں ہوتی ہے تو اس وقت بد دلی اور بے حمیتی (بے غیرتی) ظہور میں آتی ہے اور جب یہ حالت اعتدال میں ہوتی ہے نہ زیادہ نہ کم تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اسی شجاعت سے کرم، بزرگ ہمتی، دلیری، حلم، بردباری، آہستہ روی، غصّہ کا ضبط اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور تہور سے شیخی، تکبّر اور غرور، ڈھیٹ پن اور خطرناک کاموں میں دخل اندازی اور اس جیسی بری صفات پیدا ہوتی ہیں اور جب یہ تفریط کی صورت میں ہوتی ہے تو اس سے بے بسی (خودخواری) بے چارگی، رونا دھونا، دوسروں کی خوشامد کرنا اور مذلت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

اب رہی قوت شہوانی: جب یہ عالم افراط میں یا حد سے فزوں ہوتی ہے تو اس کو "شرہ" کہتے ہیں اور اس سے شوخی، ڈھٹائی بے باکی، بے مروتی، ناپاکی، حسد اور امراء و تونگروں کے ہاتھوں ذلت برداشت کرنا اور درویشوں کو حقیر سمجھنا جیسے بُرے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اگر یہ حد تفریط میں ہوتی ہے تو اس سے سستی، نامردی، بے شرمی، بے حسی، کے جذبات

پیدا ہوتے ہیں اور جب یہ حالت اعتدال پر ہوتی ہے تو اس سے شرم، قناعت، مسامحت (نرمی کرنا) صبر پاک دلی اور دوسرے اسی طرح کے موافقت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان قوتوں میں سے ہر ایک قوت کے دو جانب اور دونوں زشت و مذموم ہیں۔ صرف ان کا اعتدال اچھا اور پسندیدہ ہے اور ان کے دونوں کناروں میں جو درمیانہ حصہ ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے یعنی اعتدال اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے یہ اپنی باریکی میں آخرت کے صراط کی طرح ہے جو کوئی دنیا میں اس صراط پر سیدھا قدم اٹھائے گا (صحیح اور درست طریقہ پر چلے گا) کل قیامت میں اس صراط سے اس کو کچھ خطرہ نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق میں حد اعتدال رکھی ہے اور اس کے دونوں کناروں پر قدم رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اس شخص کی تعریف کی ہے جو نفقہ کے اندر نہ تنگی کرتا ہے اور نہ اسراف کرتا ہے بلکہ درمیانہ روی اختیار کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ۔ اپنے ہاتھ کو اس طرح بند نہ کرو۔ یعنی نہ ہاتھ کو بالکل روک لو کہ کچھ نہ دو اور نہ اس قدر کشادہ کر دو کہ سب کچھ دے دو اور خود بے سروسامان رہ جاؤ!!

پس معلوم ہونا چاہیئے کہ مطلق نیک خوئی یہ ہے کہ جس میں یہ تمام باتیں بشرط اعتدال موجود ہوں جس طرح خوبصورتی وہی ہے کہ جسم کے تمام اعضاء سڈول اور خوبصورت ہوں۔ لوگ اس حیثیت سے چار طرح پر ہیں۔ اول ایسا شخص کہ ان تمام صفات کا کمال اس کے اندر موجود ہو اور نیک خوئی اس میں بدرجہ کمال موجود ہو۔ پس تمام مخلوق کو ایسے شخص کی پیروی کرنی چاہیئے اور ایسا شخص اور ایسی ہستی سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی دوسری نہیں ہے جس طرح خوبصورتی کا کمال یوسف علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوم یہ کہ یہ صفات اس شخص کے اندر نہایت زشتی اور برائی کے ساتھ موجود ہوں اس کا نام مطلق بد خوئی ہے۔ مخلوق سے اس کا نکال باہر کر دینا واجب ہے۔ اور زشتی جس کا نام ہے وہ شیطان کی زشتی ہے جو باطن اور صفات و اخلاق کی زشتی ہے۔

سوم وہ جو زشتی اور خوبی کے درمیان میں ہو لیکن نیکوئی سے قریب تر ہو۔ چہارم وہ جو ان دونوں کے درمیان ہو لیکن زشتی سے قریب تر ہو جس طرح حسن ظاہری میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس میں نیکوئی حد درجہ موجود ہوتی ہے اور زشتی کم تر ہوتی ہے بلکہ اکثر درمیانہ حالت اس کی ہوتی ہے اسی طرح خلق نیکو میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ پس ہر ایک شخص کو کوشش کرنا چاہیئے کہ اگر وہ کمال کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم اس درجہ تک ضرور پہنچ جائے جو کمال سے نزدیک تر ہو۔ خواہ اس کے تمام اخلاق اچھے ہوں یا زیادہ تر اچھے اور کم تر برے ہوں یا بعض نیکو اور خراب ہوں۔ جس طرح خوش روئی اور زشت روئی میں تفاوت درجات کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح خلق میں بھی تفاوت درجات کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

یہ تھے معنی خلق نیک کے جو ہم نے بیان کئے۔ اور یہ صرف ایک چیز نہیں ہے نہ دس ہیں نہ سو۔ بلکہ بے شمار ہیں لیکن ان سب کی اصل وہی چار قوتیں ہیں یعنی قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت اور قوت عدل۔ اور دوسری تمام چیزیں اور باتیں اس کی فروع ہیں۔

خلق نیک کا حصول ممکن ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جیسا کہ تخلیق ظاہری نظر آتا ہے اس اعتبار سے کوتاہ کو دراز اور دراز کو کوتاہ نہیں کہا جاسکتا اسی طرح زشت کو خوب اور خوب کو زشت نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن ان لوگوں کا ایسا خیال کرنا غلطی ہے اگر یہ بات صحیح ہوتی تو پھر تادیب و تربیت، نصائح اور نیک باتوں کی ترغیب دینا یہ سب باتیں باطل ٹھہرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ تو پھر یہ بات کس طرح محال ہوسکتی ہے۔ غور کرو! جانوروں کو سدھا کر سرکشی سے باز رکھا جاتا ہے۔ وحشی جانوروں میں انس کا جذبہ پیدا کر دیا جاتا ہے پس اس کا نیک خلقت پر کرنا باطل ہے حقیقت یہ ہے کہ کام دو طرح کے ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں (یعنی افعال اختیاری و ارادی) یعنی انسان کے اختیار کو ان میں دخل ہے اور بعض وہ ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں جیسے کھجور کی گٹھلی سے سیب کا درخت نہیں اگایا جاسکتا۔ ہاں اس سے درخت خرما اگایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کی تربیت کی جائے اور اس کے تمام لوازم پورے کئے جائیں پس اسی طرح غضب اور خواہش کی اصل (جذبۂ اصلی) کو انسان سے اختیار کے ذریعہ نہیں نکالا جاسکتا۔ انسان کے اختیار میں نہیں ہے، لیکن اس قوت غضبی اور شہوانی کو ریاضت سے حد اعتدال پر لایا جاسکتا ہے اور ایسا تجربہ سے معلوم ہوچکا ہے البتہ بعض اخلاق کی تربیت اور ان کو اعتدال پر لانا دشوار تر بھی ہے۔ اس دشواری کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ یہ خلق اصل فطرت میں قوی تر ہو اور دوسرے یہ کہ ایک مدت مدید تک اس کی طاعت میں رہا ہے (یعنی خلق بد کو اپنائے رہا ہے)

اخلاق کے چار درجے ہیں

اخلاق کے مراتب و درجات چار ہیں۔ اول درجہ یہ کہ انسان سادہ دل ہو اور نیک و بد کی پہچان نہ ہو۔ اور نہ نیک و بد کسی عادت کو اختیار کیا ہو، یا وہ اپنی فطرت اولین پر ہو تو ایسی فطرت نقش پذیر ہوتی ہے اور جلد ہی اصلاح کو قبول کر لیتی ہے پس اس کو صرف تعلیم کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس کو اخلاق بد کی آفتوں سے آگاہ کر دے اور اچھے اخلاق کی طرف اس کی راہنمائی کرے۔ ابتداء میں بچوں کی یہی صورت ہوتی ہے (یعنی سادہ وصاف) اور ان کے ماں باپ ان کی راہ کھوٹی کرتے ہیں کہ ان کو دنیا کا حریص بنا دیتے ہیں اور ان کو اتنی ڈھیل دے دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں زندگی بسر کریں۔ پس ان کا خون ناحق ماں باپ کی گردن پر ہوتا ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے قوانفسکم واہلیکم نارا۔ یعنی خود کو اور اپنے اہل کو آتش دوزخ سے بچاؤ۔

درجہ دوم: درجہ دوم یہ ہے کہ ابھی ایک فرد نے بری باتوں پر اعتقاد نہیں کیا ہے لیکن وہ ہمیشہ کے لیے شہوت و غضب کی اتباع کا عادی بن گیا ہے۔ یا باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کام کرنے کے لائق نہیں پھر بھی ان کو کرتا ہے تو ایسے شخص کی اصلاح ایک کارِ دشوار ہے ایسے شخص کو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ فساد کی عادت اس سے دور کی جائے دوسرے یہ کہ صلاح و درستی کی اس کے اندر تخم کاری کی جائے۔ ہاں اگر اس کے اندر اس کا احساس پیدا ہو جائے کہ میری اصلاح ہونی چاہیئے اور یہ خو ہائے بد مجھ سے دور ہونا چاہیئے تو پھر ایسے شخص کی اصلاح بہت جلد ہو جاتی ہے اور فساد کی خو اس سے دور ہو جاتی ہے۔

درجہ سوم: یہ ہے کہ خوئے فساد ایک شخص کے اندر پیدا ہو چکی ہے اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں بلکہ خوئے فساد اس کی نظر میں پسندیدہ اور خوب ہے تو ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ سوائے شاذ و نادر کے۔

درجہ چہارم: یہ ہے کہ وہ خو ہائے فساد پر فخر کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ شاندار کام ہیں جیسے کوئی شخص لاف زنی کرتا ہے کہ میں تو اتنے لوگوں کو فوت کر چکا ہوں اور اتنی شراب پی چکا ہوں تو ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ البتہ آسمانی سعادت اس کے شریکِ حال ہو تو دوسری بات ہے (اصلاح ہو جائے) ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

علاج کا طریقہ

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی عادت کو وہ ترک کر دے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عادت جس بات کو کہے (کرنے پہ آمادہ کرے) تو اصلاح چاہنے والا شخص اس کے خلاف کرے کہ شہوت کو سوائے مخالفت کے شکست نہیں دے سکتے ہر چیز کو اس کی ضد ہی توڑتی ہے جس طرح اس بیماری کا علاج جو گرمی سے پیدا ہوتی ہے سردی کھانے سے کیا جا سکتا ہے اسی طرح بخل کی عادتِ بد کا علاج سخاوت و داد و دہش ہے اسی طرح دوسری عادتوں کا قیاس کرنا چاہیئے۔

پس جس کام میں نیک عادت پیدا کی جائے گی اس میں خلقِ نیک پیدا ہو جائے گا اور شریعت نے جو نیکو کاری کی تعلیم دی ہے اس کا یہی راز ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ بری صورت یا بری عادت سے دل کو نفرت ہو جائے اور اچھی صورت کی طرف اس کا رخ ہو جائے۔ انسان کوشش اور تکلف کے ساتھ جس بات کی عادت ڈالتا ہے وہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ بچہ کو دیکھ لو کہ وہ ابتدا میں مکتب سے بھاگتا ہے اور تعلیم سے بچتا ہے لیکن جب اس کو التزام کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے تو پھر وہی تعلیم جس سے وہ بھاگتا تھا اس کی طبیعت بن جاتی ہے اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو پھر اس کو علم کے اندر لطف حاصل ہوتا ہے اور بغیر پڑھے لکھے وہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا بلکہ یہاں تک کہ اگر کبوتر بازی، شطرنج بازی یا قمار بازی کسی کی طبیعت بن جاتی ہے تو وہ دنیا کی تمام راحتیں اور اس کے پاس جو کچھ مال و متاع ہے ان بازیوں پر تج دیتا ہے اور ان کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ بعض چیزیں جو انسان کی طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں وہ بھی عادت کی بنا پر طبعِ ثانی بن جاتی ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عیاری پر فخر کرتے ہیں باوجودیکہ ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں ہاتھ کاٹ دیے جاتے ہیں لیکن وہ ان تمام باتوں پہ صبر کرتے ہیں۔ مثلاً سینگی لگانے

والے اور خاک رولیوں ہی کو دیکھ لو کہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں کہ ایسا فخر علماء اور سلاطین بھی ایک دوسرے پر نہیں کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس عادت کا ثمرہ ہیں۔ جو لوگ مٹی کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ بیماری بلکہ ہلاکت کے لیے تیار ہو جاتے لیکن مٹی کھانا نہیں چھوڑتے۔

پس اسی طرح وہ باتیں جو خلاف طبع اور اس کی ضد ہیں جب وہ عادت کے باعث طبع ثانیہ بن جاتی ہیں تو جو چیز طبیعت کے مطابق ہو اور دل کو ایسا فائدہ بخشے جیسا کھانا اور پانی جسم کو تو وہ عادت سے کیوں نہ حاصل ہوگی! جبکہ خلاف طبیعت چیزیں عادت سے موافق طبع بن جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی بندگی اور قوت شہوانی اور غضبانی کو مغلوب کرنا انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے کیونکہ اس کو ملائکہ کے بھرپور جوہر سے بنایا ہے اور اس کی غذا یہی ہے، گناہوں کی طرف اس کا مائل ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ بیمار ہے یا اپنی اصل غذا سے بیزار ہو گیا ہے اور مشاہدہ ہے کہ بیمار اکثر اچھے اور لطیف کھانوں سے بیزار ہوتے ہیں اور نقصان پہنچانے والی غذاؤں کے حریص اور مشتاق ہوتے ہیں۔ پھر جو شخص خداوند تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت سے زیادہ کسی دوسری چیز کو دوست رکھے تو سمجھ لو کہ اس کا دل بیمار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ (ان کے دلوں میں آزار ہے) اور فرمایا کہ۔ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ (رستگاری اس کے لیے ہے جو پاک دل کے ساتھ خدا کے حضور میں آیا) جس طرح جسم اور بدن کا بیمار اس دنیا کی ہلاکت میں گرفتار ہوگا اسی طرح جو دل بیمار ہے وہ اس جہان کی ہلاکت میں گرفتار ہوگا اور جس طرح بیمار کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ طبیعت کے حکم کے بموجب نفس کی خواہش کے برخلاف کڑوی دوا استعمال کرے اسی طرح دل کی بیماری بھی اس وقت دور ہوگی جبکہ خواہشات نفسانی کو ترک کر دے، اور صاحب شرع کے ارشاد کے مطابق جو دلوں کے طبیب ہیں عمل کرے۔

وصل سوم یہ کہ تن کا علاج اور دل کا علاج دونوں ایک ہی طرح پر ہیں جس طرح گرمی کے لیے سردی اور سرد کے لیے گرمی موزوں اور موافق ہے اسی طرح جس پر تکبر کا مرض غالب ہے وہ تواضع اختیار کرنے سے شفا پائے گا، اور جب تواضع کا کسی میں غلبہ ہوگا اور تواضع عالم تفریط میں پہنچ جائے گی تو صفت نمودار ہوگی اس کا علاج تکبر اختیار کرنے سے ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ نیک اخلاق پیدا ہونے کے تین ذرائع ہیں۔ ایک اصل خلقت ہے جو حق تعالیٰ کا انعام اور اس کی بخشش ہے کہ اس نے کسی کو اصل خلقت ہی میں نیک تو پیدا کیا ہے یعنی سخی اور متواضع بنایا ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ کوئی بہ تکلف نیک افعال اس طرح اختیار کرے کہ وہ اس کی عادت بن جائیں۔ تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ خوش اخلاق لوگوں کو دیکھے اور ان سے میل جول رکھے تو اس طرح وہ بھی ان کے سے اخلاق اختیار کرے گا اگرچہ خود ان سے بے خبر رہے۔

پس جس کسی کو یہ تینوں سعادتیں حاصل ہو جائیں کہ وہ اصل خلقت میں بھی نیک خو ہو اور نیک کاموں کی عادت ڈالے اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہے تو ایسا شخص درجۂ کمال کو پہنچ جائے گا اور جو شخص ان تینوں سعادتوں سے محروم ہے یعنی اصل فطرت بھی اس کی ناقص، اشرار کی صحبت میں رہا اور بُرے کاموں کی عادت ڈال لی تو وہ شقاوت میں پورا ہے (پورا پورا شقی ہے)

اس سعادت اور شقاوت کے درمیان بہت سے مدارج ہیں کہ بعض کو وہ حاصل ہوں اور بعض کو حاصل نہ ہوں یا بعض کو بعض حاصل ہوں اور بعض حاصل نہ ہوں پس ہر ایک کی شقاوت و سعادت اسی کے مطابق ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا (دونوں کی جزا و سزا پائے گا)

فصل

اعمال خیر ہی تمام سعادتوں کی اصل ہیں:

معلوم ہونا چاہیئے کہ اعمال کی اصل اعضاء رئیسہ سے ہے (جوارح اصل اعمال ہیں) یعنی اس سے یعنی اس سے مقصود دل کا تغیر ہے کیونکہ دل ہی ہے جو عالم آخرت کا سفر کرے گا، پس چاہیئے کہ دل جمال و کمال کا مالک ہو تا کہ بارگاہ الٰہی کے حضور کے قابل بن سکے کہ جب آئینہ صاف و شفاف (بے زنگار) ہوتا ہے تو ملکوت کی صورت اس میں نظر آئے گی۔ جب یہ صاف و شفاف ہوگا تو ایسا جمال اس میں مشاہدہ کرے گا کہ وہ بہشت جس کی تعریف اس نے سنی ہے اس کو حقیر و ناچیز نظر آئے اگرچہ اس عالم میں جسم کا بھی ایک حصہ ہے لیکن اصل دل ہے اور تن اس کا تابع ہے۔ دل کچھ اور ہے اور جسم کچھ اور ہے۔ کہ دل عالم ملکوت ہے اور تن عالم اجسام و عالم شہادت ہے جس کا بیان ہم اس کتاب (کیمیائے سعادت) میں کر چکے ہیں۔

اگرچہ دل تن سے ایک الگ چیز ہے لیکن دل کا اس سے ایک خاص تعلق ہے اس لیے کہ ہر ایک نیک عمل سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور عمل بد سے اس میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ جو نور دل میں پیدا ہوتا ہے وہ نور سعادت کا تخم ہے اور یہ ظلمت شقاوت اور بدبختی کا بیج ہے۔ اسی علاقہ کے باعث انسان کو اس عالم (فانی) میں لایا گیا ہے تاکہ اس تن کے واسطے اور آلہ سے اپنے اندر سعادت اور صفات کمال پیدا کرے مثلاً کتابت دل کی ایک صفت ہے لیکن کتابت کا فعل انگلیوں سے تعلق رکھتا ہے اب اگر کوئی چاہتا ہے کہ اچھا لکھے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ خوب کوشش کر کے اچھا لکھے تاکہ اس کا دل اچھے خط کا نقش قبول کرے اور اس کا عادی بن جائے۔ جب اس طرح دل اس نقش کو قبول کرے گا تو پھر انگلیاں (خود بخود) باطن سے اس کو لینے لگیں گی۔ پس اسی طرح نیک کاموں کی مشق سے انسان کا دل خلق نیک کو قبول کرنے لگتا ہے اور خلق نیک اس کی صفت بن جاتی ہے اس وقت تمام افعال اس خلق کے موافق و مطابق صادر ہونے لگتے ہیں۔ پس تمام سعادتوں کا آغاز نیک کاموں سے ہوگا جو کہ تکلف کے ساتھ کیئے گئے ہیں جس کے نتیجہ میں دل نیکی کی صفت کو قبول کر لیتا ہے اور پھر اس نیکی کا نور آشکارا ہوتا ہے پھر یہ حالت ہو جائے گی کہ وہ نیک کام جو پہلے بہ تکلف کیے جاتے تھے ان کا اب اس کو ملکہ ہو جائے گا

(بغیر دشواری کے ان کا صدور ہو گا) اس کیفیت اور عادت کی اصل وہ علاقہ ہے جو دل اور تن میں موجود ہے کہ اس سے یہ دونوں اثر قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کام غفلت سے کیا جائے گا نا چیز ہو گا۔ کیونکہ اس کا علاقہ تن سے نہ تھا اور دل اس سے غافل تھا۔

فصل

تمام اخلاق حسنہ کو طبیعت بن جانا چاہیئے تاکہ تکلف برقرار نہ رہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بیمار کو جو سردی سے بیمار ہو گیا ہے بے انداز گرم چیزوں کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حرارت بھی ایک مرض بن جائے۔ اس کے لیے اعتدال کی ضرورت ہے اور اس کا معیار مقرر ہے جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مزاج اعتدال پر رہے۔ نہ زیادہ گرمی سے رغبت ہو اور نہ زیادہ سردی سے! جب مزاج اس حد اعتدال پر پہنچ جائے تو علاج کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس وقت یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ یہ اعتدال مزاج باقی رہے۔ اس وقت معتدل چیزوں کو استعمال میں لانا چاہیئے۔

پس اس طرح اخلاق کی بھی دو طرفیں ہیں (ہر خلق کے دو پہلو ہیں) ایک محمود ہے اور دوسرا مذموم۔ اور حیوان کے وسط میں ہو گا وہی معتدل ہے اور وہی ہمارا مقصود ہے۔ مثلاً ایک شخص بخیل ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کریں۔ یہاں تک کہ خرچ کرنا اس کے لیے آسان کام بن جائے لیکن اتنا بھی خرچ نہ کرنے لگے کہ اسراف بن جائے کہ یہ مذموم ہے۔ اخلاقی درستی کے لیے ایسی میزان شریعت ہے جس طرح جسم کے علاج کے لیے طب ایک ترازو ہے۔ پس یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں شریعت خرچ کرنے کا حکم دے تو یہ خرچ کرے (خرچ کرنے میں تکلف نہ کرے) اور ایسے مقام پر امساک اور بخل سے کام نہ لے۔ اور جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم نہ دے تو پھر ایسے موقع پر خرچ نہ کرے تاکہ اعتدال کی حد باقی رہے۔ اب جہاں خرچ کرنے کا حکم ہو وہاں اس کا دل خرچ کرنا نہ چاہے یا بہ تکلف خرچ کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ابھی تک بیمار ہے۔ اس سلسلہ میں پسندیدہ بات یہ ہے کہ بہ تکلف دوا استعمال کرے تاکہ یہ تکلف رفتہ رفتہ اس کی سرشت بن جائے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "حق تعالےٰ کی اطاعت رغبت سے کرو اگر یہ ممکن نہ ہو تو جبر سے کرو کہ اس میں جبر کرنا بھی بھلائی کا سبب ہو گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص اپنا مال تکلف سے دیتا ہے اس کو سخی نہیں کہتے بلکہ سخی وہ ہے کہ مال کا دینا اس پر گراں نہ ہو۔ اور جو کوئی بہ تکلف خرچ کرتا ہے وہ بخیل نہیں بلکہ بخیل وہ ہے جو بالطبع مال کو جمع کرے۔ پس ضروری ہے کہ آدمی کے تمام اخلاق ملکہ ہوں اور ان میں تکلف کو دخل نہ ہو بلکہ کمال خلق یہ ہے کہ آدمی اپنے اختیار کی باگ شرع کے ہاتھ میں دے دے اور

شریعت کی اطاعت اس پر آسان ہو اور اس کے دل میں کسی قسم کا نزاع باقی نہ رہے جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

اس ارشاد گرامی میں ایک راز ہے اگرچہ اس کتاب میں اس کا بیان مشکل ہے لیکن اس کی طرف ہم اشارہ کریں گے ۔

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ آدمی کی سعادت یہ ہے کہ ملائکہ کی صفت حاصل کرے کیونکہ وہ ان کے جوہر سے بنا ہے اور اس عالم میں ایک پردیسی کی طرح آیا ہے اور اس کا اصل ٹھکانا فرشتوں کا مقام ہے۔ پس جو یہاں سے اجنبی بن کر جائے گا اس کو فرشتوں میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ پس ضروری ہے کہ جب وہاں پہنچے تو ٹھیک ٹھیک ان کی صفت رکھتا ہو اور کوئی اجنبی صفت دنیا کی اس کے ساتھ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جس کو مال جمع کرنے کا شوق دنیا میں رہا ہے وہ مال کے خیال میں یہاں مصروف ہے اور جس کو خرچ کرنے کا ذوق ہے وہ اپنے اس دھندے میں مصروف ہے اور جو تکبر میں مبتلا تھا وہ اب بھی مخلوق کے ساتھ مشغول ہے اور جو تواضع کا حریص ہے وہ بھی مخلوق کے ساتھ مشغول ہے اور ملائکہ کا حال یہ ہے کہ وہ نہ مال کی طرف مائل ہیں نہ خلق کے ساتھ مشغول ہیں بلکہ خدا کی محبت میں اس طرح مستغرق ہیں کہ کسی اور چیز کی طرف التفات ہی نہیں کرتے ۔ پس ضروری ہے کہ آدمی کے دل کا تعلق مال اور مخلوق کے ساتھ نہ رہے تاکہ ان تعلقات سے بالکلیہ پاک وصاف ہو ۔ اور اگر کوئی ایسا وصف ہے کہ کلیۃً اس کا ترک کرنا ممکن نہیں ہے تو چاہیئے کہ اس کے وسط (اعتدال) کو اختیار کرے تاکہ ایک اعتبار سے وہ دونوں سے خالی ہو۔ جس طرح پانی کہ گرمی اور سردی اس کے لیے ضروری ہے لیکن جب وہ حالت اعتدال پر ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ پانی نہ سرد ہے اور نہ گرم ۔ پس تمام صفات میں جو اعتدال کا حکم دیا گیا ہے اس کا راز یہی ہے ۔ پس ان باتوں کا خیال دل سے رکھنا چاہیئے تاکہ تمام مخلوق سے کٹ کر خدا کی محبت میں مستغرق ہو جائے ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے :

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝ بلکہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت بھی یہی ہے ۔ چونکہ تمام آلائشوں سے انسان کا پاک ہونا ممکن نہیں ہے تو اس طرح حکم دیا گیا :۔ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۝

پس اس سے معلوم ہو کہ تمام ریاضتوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان مرتبہ توحید تک کسی طرح پہنچ جائے اسی کو دیکھے، اسی کو پکارے، اسی کی بندگی کرے ۔ اس کے سوا اس کے دل میں کچھ اور خواہش باقی نہ رہے ۔ جب یہ وصف پیدا ہوگا ۔ تو انسان عالم بشریت سے گذر کر مقام حقیقت تک جا پہنچے گا ۔

فصل

جاننا چاہیئے کہ ریاضت بہت زیادہ دشوار ہے بلکہ جانکندنی کا مقام ہے لیکن اگر مرشد طبیب حاذق ہو اور اچھی دوا جانتا ہو تو یہ بات سہل ہے۔ طبیب کی خوبی یہ ہے کہ مرید کو بار اوّل ہی حقیقت کی طرف دعوت نہ دے کہ اس کو وہ سمجھ نہ سکے گا۔ جیسے ایک بچّے سے کہا جائے کہ مدرسہ چل، تاکہ وہاں تجھ کو ریاست کا درجہ حاصل ہو تو بچہ ابھی خود نہیں جانتا کہ ریاست کیا چیز ہے (تو اس کے دل میں کس طرح مدرسہ جانے کا شوق پیدا ہوگا۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ اگر تو مدرسہ جائے گا تو شام کے وقت تجھے کھیل کے لیے گوئے چوگان (گیند بلا) یا چڑیاں دوں گا تو بچہ شوق سے مدرسہ چلا جائے گا۔ جب وہ کچھ بڑا ہو تو اچھے لباس اور عمدہ عمدہ چیزوں کا اس کو لالچ دیا جائے تاکہ وہ کھیل سے دستبردار ہو جائے جب کچھ اور بڑا ہو تو سرداری اور ریاست کا وعدہ کر کے اس کو بتایا جائے کہ دنیا کی سرداری اور حکومت ہیچ ہے کہ موت کے بعد یہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اس وقت آخرت کی بادشاہی اور سرداری کی اس کو دعوت دے۔ ممکن ہے کہ مرید ابتدائے کار میں اخلاص عمل کی طاقت اور قدرت نہ رکھتا ہو تو اس وقت اس اجازت دی جائے کہ مخلوق کی نگاہوں میں پسندیدہ اور محبوب بننے کے واسطے کوشش کرے تاکہ اس ریا کے شوق میں کھانے پینے کا ذوق اس سے جاتا رہے جب یہ بات حاصل ہو جائے اور مرید میں رعونت پیدا ہو (کہ وہ خلق میں محبوب ہے) اس وقت اس کی رعونت کی شکست کے لیے اس کو حکم دیا جائے کہ بازار میں جا کر گداگری کرے جب وہ اس کو قبول کر لے (چند روز اس میں مصروف رہے) تو پھر اس کو گدائی سے منع کر کے پاخانہ، غسل خانہ وغیرہ صاف کرنے کی ہلکی خدمتوں میں لگا دے، اسی طرح جو صفات (دنیاوی) اس میں پیدا ہوں بتدریج ان کا علاج کرے۔ ایک ہی بار تمام باتوں سے نہ روکے کہ وہ اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ البتہ وہ ریا اور نیک نامی کی آرزو میں تمام تکالیف اٹھا سکتا ہے۔ یہ تمام صفتیں سانپ اور بچھو کی طرح ہیں اور ریا ان میں اژدھے کی مانند ہے جو ان سب کو نگل لیتا ہے۔ اسی لیے جب خطرات حقیقی کمال کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں تو ریا کی صفت ان سے نابود ہو جاتی ہے۔

عیوب نفس اور بیماری دل کی شناخت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ بدن، ہاتھ، پاؤں اور آنکھوں کی صحت اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے کہ ہر ایک عضو سے اس کا کام بخوبی انجام پائے مثلاً آنکھیں اچھی طرح دیکھتی ہوں پیر خوب چلتے ہوں اسی طرح دل کی صحت بھی اسی وقت معلوم ہوگی وہ جس کام کے لیے بنایا گیا ہے اور جس کام کی اس کو ضرورت ہے وہ اس پر آسان ہو (آسانی سے ان کاموں کو انجام دے) اور وہ ان چیزوں کو دوست رکھتا ہو جو اس کی اصل فطرت اور سرشت ہیں۔ اس بات کو دو چیزوں سے معلوم کیا جا سکتا

ہے ایک ارادت اور دوسرے قدرت ۔ ارادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی چیز کی محبت نہ رکھتا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی
معرفت دل کی غذا ہے جس طرح کھانا جسم کی غذا ہے جب بھوک نہ رہے یا بدن کمزور ہو تو وہ انسان بیمار ہے ۔ اسی طرح
جب دل میں خداوند تعالیٰ کی معرفت اور محبت، نہ رہے یا بہت کم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بیمار ہو گیا ہے اسی لیے
خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:- اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا الآیۃ
(کہہ دیجئے) کہ اگر تم ماں باپ ، بچوں ، بیٹوں اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ دوست رکھتے
ہو تو خدا کا حکم آنے تک ٹھیرو اور دیکھو !) یہ تو ارادت کے سلسلہ میں تھا۔ قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس پر آسان ہو۔
اور تکلف کی حاجت نہ ہو بلکہ خود ذوق و شوق پیدا ہو چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جعلت قرۃ عینی
فی الصلوٰۃ - (میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) پس جب کوئی شخص اپنے اندر یہ ذوق و شوق نہ پائے تو
سمجھ لے کہ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی بیماری کی صحیح نشانی اور علامت اس کا علاج کرنا چاہیئے شاید وہ سمجھے کہ وہ یہ قدرت
رکھتا ہے اور واقعی میں یہ بات نہ ہو کہ انسان اپنے عیب کو پہچان نہیں سکتا۔ اس کے پہچاننے کے چار طریقے ہیں ایک یہ کہ کسی کامل
مرشد کی خدمت میں حاضر رہے تاکہ وہ اس کے احوال پر نظر کر کے اس کے عیوب کو ظاہر کرے اور ایسا شخص اس زمانہ میں
نادر و کمیاب ہے ۔ دوسرا یہ کہ اپنے ایک مشفق اور دوست کو اپنا نگراں مقرر کرے جو محض اس کی خاطرداری سے اس کے عیبوں
کو نہ چھپائے اور نہ حسد کے باعث ان میں اضافہ کرے ایسا شخص بھی کمیاب ہے ۔

شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں اٹھتے بیٹھتے ۔ آپ نے جواب دیا
کہ وہ میرا عیب مجھ پر ظاہر نہیں کرتے پھر ان کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ ؟

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بارے میں دشمن کی بات سنے کیونکہ دشمن کی نظر ہمیشہ عیب پر پڑتی ہے خواہ دشمنی
میں مبالغہ بھی کرے اس کی بات راستی سے خالی نہیں ہوتی ۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کے حال پر نظر کرے اور جب
کسی کا عیب دیکھے تو خود اس سے حذر کرے اور خیال کرے کہ وہ خود بھی ایسا ہی ہے ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے لوگوں
نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے کسی کی کوئی برائی دیکھی تو میں خود اس سے حذر
کرنے لگا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو بڑا احمق ہوگا وہی اپنے بارے میں نیک گمان ہوگا اور جو ہوشمند ہوگا وہ اپنے بارے میں بدگمان
رہے گا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں
کے راز (ان کی علامات) سے تم کو آگاہ کیا ہے تم نے ان علامات میں سے کوئی علامت مجھ میں پائی ہے ؟

پس لازم ہے کہ ہر شخص اپنا عیب تلاش کرے کیونکہ جب تک مرض نہ معلوم ہوگا وہ علاج نہ کر سکے گا اور تمام علاج
خواہش اور شہوت کی مخالفت پر مبنی ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ لا فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ — اور جس نے باز رکھا نفس کو خواہش سے پس بالیقین جنت اس کی آرام گاہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ سے واپس تشریف لاتے تو صحابہ کرام سے فرماتے کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کون سا جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا نفس کے ساتھ جہاد کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نفس کے بارے میں مشقت مت اٹھاؤ اور اس کی حاجت روائی مت کرو۔ خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں، کہ قیامت کے دن وہ تجھ سے محاسبہ کرے گا اور تجھ پر لعنت کرے گا۔ اور تیرے اعضاء ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہر منہ زور اور سرکش جانور کی نسبت، نفسِ سرکش سخت لگام کا محتاج ہے۔ شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چالیس سال سے میرا نفس چاہتا ہے کہ شہد کے ساتھ روٹی کھاؤں لیکن میں نے اب تک نہیں کھایا ہے۔ شیخ ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں کوہِ لگام پر جاتا تھا وہاں انار کثرت سے تھے، مجھے انار کھانے کا شوق ہوا میں نے ایک انار توڑا وہ ترش نکلا میں نے اس کو یوں ہی چھوڑ دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر پڑا ہے بھڑیں اس کو کاٹ رہی ہیں میں نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے جواب میں وعلیک السلام یا ابراہیم کہا۔ میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ آپ کو میرا نام کس طرح معلوم ہو گیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو کوئی خدا کو پہچان لے تو پھر کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہتی ہے میں نے کہا کہ آپ کو خداوند تعالیٰ کے حضور میں ایک نسبت حاصل ہے پس آپ دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ ان بھڑوں کو آپ سے دفع فرمادے۔ انھوں نے فرمایا تم اس سے نسبت رکھتے ہو پھر تم دعا کیوں نہیں مانگتے کہ انار کھانے کا شوق تم سے دور فرمادے کیونکہ اس شوق سے آخرت میں ضرر پہنچے گا اور زنبوروں کی یہ اذیت فقط دنیا تک ہے۔

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ انار اگرچہ مباح ہے لیکن جو صاحبانِ احتیاط ہیں ان کی نظر میں ہے کہ خواہش وہ حلال چیز کی ہو یا حرام کی یکساں ہے اگر نفس کو حلال سے نہیں روکا جائے گا اور بقدر ضروری پر قناعت نہیں کی جائے گی تو پھر یقیناً نفس حرام کی طلب کرے گا۔ اسی وجہ سے بزرگانِ دین نے مباحات کی خواہش کو بھی اپنے لیے مسدود کر دیا تھا تاکہ حرام خواہشوں سے محفوظ رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ۷ بار حلال چیزوں کو اس لیے ترک کرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی حرام شے میں مبتلا ہو جاؤں!

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نفس دنیا کی مباح چیزوں سے پرورش پاتا ہے تو دنیا کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر دنیا اس کے لیے بہشت بن جاتی ہے اور موت اس پر دشوار بن جاتی ہے۔ دل میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی اور مناجات سے اس کو حلاوت حاصل نہیں ہوتی۔ مباح چیزیں اگر نفس کو تندو تو سرکشی کرتا ہے اور جب انسان دنیا سے بیزار

ہوتا ہے تو آخرت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے اس وقت غم اور شکستگی کی حالت میں ایک تسبیح اس کے دل پر اس قدر اثر کرے گی کہ خوشی اور آسائش کی حالت میں وہ تسبیح اثر نہیں کرتی۔

نفس کی مثال باز کی سی ہے جس کو تربیت کرنے کے لیے گھر میں لاتے ہیں (پالتے ہیں) اور اس کی آنکھیں سی دیتے ہیں تاکہ گھر کی چیزوں سے مانوس نہ ہو پھر تھوڑا تھوڑا گوشت اس کو کھلاتے ہیں تاکہ وہ باز دار سے خوب مانوس نہ ہو جائے اور اس کا مطیع بن جائے اسی طرح نفس جب تک اللہ تعالیٰ سے انسیت نہ پیدا کرے مرید کو تمام عادتوں سے باز رکھے اور آنکھ، کان اور زبان کا راستہ بند کرے۔ تنہائی بھوک، خاموشی اور بیدار رہنے کی مشق اس سے نہ کرائی جائے کہ ابتدائے کار میں یہ بات اس پر دشوار ہوگی جس طرح بچہ پر یہ باتیں دشوار ہوتی ہیں اور جب بچہ کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے تو پھر اگر زبردستی بھی اس کو دودھ دیں تو وہ نہیں پیتا۔ انسان کی ریاضت کا بھی یہی انداز ہے کہ جس چیز سے دل خوش ہوتا ہو اس کو چھوڑ دے اور جو چیز اس پر غالب ہو اس کے خلاف کرے۔

پس جو شخص جاہ وحشمت سے دلشاد ہوتا ہے اس کو ترک کر دے اور جس کو مال و زر سے فرحت ہوتی ہے وہ مال کو خرچ کرے۔ اسی طرح ہر اس چیز کو جو خداوند تعالیٰ کی محبت کے سوا اس کے لیے آرام کا موجب ہے اور اس کے لیے آرام گاہ بنی ہوئی ہے اس کو اپنی ذات سے جدا کر دے اور ایسی چیز سے دل لگائے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہ سکتی ہو اور ایسی چیز کو جس سے مرنے کے بعد بچھڑ جائے گا۔ خود اپنے اختیار سے اس کو چھوڑ دے۔ خداوند تعالیٰ اس کا رفیق اور ساتھ ہی رہے گا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السلام)، میں تیرا ناگزیر ساتھی ہوں تو میرا رفیق بن۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے دل میں القا کیا۔ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُہٗ ۔ دنیا کی جس چیز کو چاہے دوست رکھو لیکن آخر کار اس سے تمہاری جدائی ہے۔

خلق نیک کی علامت

جاننا چاہیے کہ نیک عادت کی علامات یہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مومنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ

(بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ جو زکوٰۃ دینے اور بھلائی کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔)

اور فرمایا گیا:۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے رکوع والے، سجدے والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگا رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو:

اور ارشاد ہوا کہ:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الخ)

(اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام اور وہ جو رات کاٹتے ہیں آپ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں۔"

اور جو کچھ منافقوں کی علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب "خوئے بد" کی علامتیں ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، فرماتے ہیں:" میری تمام تر ہمت نماز، روزہ اور عبادت ہے اور منافق کی تمام تر ہمت طعام و شراب (کھانا پینا) ہے۔ جیسے جانور۔ حضرت عاصم اصم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ" مومن فکر اور عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق سوائے خداوند تعالیٰ کے ہر ایک سے ڈرتا ہے۔ اسی طرح مومن ہر ایک سے نومید ہو سکتا ہے مگر خداوند تعالیٰ سے نومید نہیں ہوتا۔ منافق ہر ایک سے امید رکھتا ہے مگر حق تعالیٰ سے امید نہیں رکھتا۔ مومن اپنا مال دین کے لیے فدا اور قربان کرتا ہے اور منافق اپنا دین مال پر قربان کر دیتا ہے۔ مومن عبادت کرتا ہے اور روتا ہے اور منافق گناہ کرتا ہے اور ہنستا ہے۔ مومن تنہائی اور خلوت کو پسند کرتا ہے اور منافق صحبت اور میل جول سے رغبت رکھتا ہے گویا مومن کشت کاری کرتا ہے اور کبھی کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ نیک خو وہ ہے جو شرمیلا، کم گو، راست گو، دوسروں کی بھلائی چاہنے والا، جلد رنجیدہ نہ ہونے والا، بندگی بہت زیادہ کرنے والا، کم غلطی کرنے والا اور بہت کم فضول باتوں میں پڑنے والا ہوتا ہے۔ وہ دوسرے تمام لوگوں کا بھی خواہ، دوسروں کے حقوق کے سلسلہ میں نیک کردار، شفیق اور باوقار ہوتا ہے۔ اس کو امیدیں اور لالچ بہت کم ہوتا ہے، وہ صبر کرنے والا، متین، قانع، شاکر، بردبار، رفیق القلب کوتاہ سخن ہوتا ہے نہ بڑی باتیں زبان سے نکالتا ہے اور نہ کسی کی چغلی کھاتا ہے، نہ کسی کو گالی دیتا ہے

اور نہ کسی پر لعنت بھیجتا ہے، نہ کسی کی غیبت کرتا ہے۔ اس میں عجلت پسندی نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی سے کینہ وحسد رکھتا ہے۔ خوش رو، کشادہ پیشانی اور خوش زبان ہوتا ہے۔ اس کی دوستی اس کی دشمنی اس کی خوشی اور اس کی ناراضگی صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ اور بس!! جاننا چاہیئے کہ بہت سے اخلاق حسنہ اور نیک عادتیں صرف ایک تحمل اور بردباری کے اندر موجود ہیں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کچھ دکھ پہنچائے گئے، کفار نے بڑی ایذائیں دیں یہاں تک کہ آپ کے دندانہائے مبارک بھی شہید کر دیئے لیکن انتہائی بردبار اور تحمل کے باعث آپ نے ان کے حق میں یہی فرمایا کہ "الٰہی ان پر رحم فرما کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔ آپ نے ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی۔"

شیخ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک بار جنگل میں گئے کچھ دیر بعد ایک سپاہی ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ تم غلام ہو" انہوں نے کہا کہ ہاں! اس نے کہا کہ مجھے آبادی کا پتہ بتاؤ۔ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا کہ وہاں آبادی ہے۔ لشکری نے ان کے سر پر ڈنڈا مارا۔ ان کے سر سے خون بہنے لگا۔ سپاہی ان کو پکڑ کر شہر لے آیا۔

لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو سپاہی سے کہا کہ اے بے وقوف! یہ تو ابراہیم ادھم (بزرگ صوفی) ہیں۔ لشکری یہ سنتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کی پابوسی کی اور کہا کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے مجھے کیوں بتایا تھا کہ میں غلام ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں نے اس وجہ سے کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ لشکری نے کہا کہ جب میں نے آبادی کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیوں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ تھا کہ شہروں کی یہ آبادی تو ایک دن ویران ہو جائے گی۔ لشکری نے کہا کہ اچھا یہ بتایئے کہ جب میں نے ڈنڈے سے آپ کا سر پھوڑ دیا تھا تو آپ نے مجھے دعا کیوں دی تھی آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ دعا دینے میں دو ثواب ہیں۔ میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ تم سے مجھے نیکی اور ثواب حاصل ہو اور اس کے عوض مجھ سے تم کو ابدی عذاب حاصل ہو۔"

شیخ ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا تاکہ ان کے تحمل کی آزمائش کی جائے چنانچہ جب وہ صاحب خانہ کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کو اندر نہیں جانے دیا اور کہا کہ کھانا ختم ہو چکا ہے یہ سن کر آپ واپس تشریف لے گئے آپ نے ابھی کچھ راستہ طے کیا تھا کہ صاحب خانہ آپ کے پیچھے پہنچا اور آپ کو واپس لے آیا لیکن پھر لوٹا دیا اسی طرح کئی بار آپ کو بلایا اور واپس کر دیا آخر کار صاحب خانہ نے کہا کہ واقعی آپ ایک عظیم جواں مرد ہیں۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ یہ جو کچھ تم نے دیکھا یہ تو کتے کی عادت ہے کہ جب اس کو بلاتے ہیں وہ بلانے پر آجاتا ہے اور جب اس کو دھتکارتے ہیں تو واپس ہو جاتا ہے۔ پس یہ کوئی قابل قدر بات تو نہیں!!

ایک اور واقعہ

ایک بار آپ کے سر پر ایک چھت سے بہت سی خاک کسی نے ڈال دی۔ آپ نے اپنے کپڑوں سے اس خاک کو جھاڑ دیا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ شکر کس بات کا ادا کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ہو (جس کے سر پر آگ ڈالنا چاہیئے۔ اگر اس کے سر پر خاک ڈالی جانے ہی پر اکتفا کی جائے تو کیا شکر کا مقام نہیں ہے۔

نقل ہے کہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ کالا رنگ کا تھا ان کے گھر کے سامنے ایک حمام تھا۔ جب آپ حمام میں جاتے تو اس کو خالی کرایا جاتا تھا۔ ایک روز حسب معمول جب آپ حمام میں گئے تو حمامی کی غفلت سے ایک دہقان وہاں رہ گیا تھا۔ اس نے جب ان کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ شخص حمام کے خدمتگاروں میں سے کوئی ہے تب اس نے کہا کہ اٹھ اور پانی لا۔ آپ نے پانی لاکر رکھ دیا پھر اس نے کہا کہ ملنے کے لیے مٹی لا۔ اسی طرح آپ اس کے کام کرتے رہے۔ جب حمامی آیا اور اس نے دہقان کی آواز سنی تو وہ آپ کے خوف سے حمام سے بھاگ گیا۔

جب آپ حمام سے باہر آئے تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ حمامی سے کہو کہ نہ بھاگے کہ خطا تو اس شخص کی ہے جس نے فرزند کے نطفہ کو ایک سیاہ فام کنیز کے رحم میں ڈالا۔ (اس میں حمّامی کا کیا قصور ہے۔)

شیخ عبداللہ خیاط ایک بڑے بزرگ شخص تھے۔ ایک آتش پرست ان سے کپڑے سلواتا۔ اور ہر بار اجرت میں کھوٹا درہم ان کو دے جاتا اور وہ اس کو لے لیتے۔ ایک بار یہ کہیں گئے ہوئے تھے شاگرد نے آتش پرست سے کھوٹا درہم نہ لیا جب عبداللہ خیاط واپس آئے اور ان کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے شاگرد سے کہا کہ تو نے کھوٹا درہم کیوں نہیں لیا۔ کئی سال سے وہ مجھے کھوٹی نقدی دیتا ہے اور میں خاموشی سے لے لیتا ہوں تاکہ وہ یہ کھوٹا سکہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ دے۔"

منقول ہے کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جب کہیں جاتے تو لڑکے آپ کو پتھر مارتے وہ فرماتے کہ لڑکو! چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مجھے مارو کہیں میرا پیر نہ ٹوٹ جائے اگر پیر ٹوٹ گیا تو نماز میں قیام کس طرح کروں گا۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ علیہ کو ایک شخص گالیاں دیتا ہوا ان کے ساتھ ہو گیا اور بالکل خاموش رہے۔ جب یہ اپنے محلہ کے قریب پہنچے تو رک گئے اور اس شخص سے کہا کہ اگر کوئی گالی باقی ہے تو وہ بھی دے تو کیونکہ جب میرے متعلقین سنیں گے تو وہ تم کو ایذا دیں گے۔

ایک عورت نے شیخ مالک بن دینار رحمہ اللہ علیہ سے کہا کہ اے ریاکار! آپ نے کہا اے خاتون! بصرہ

کے لوگ میرا نام بھول گئے تھے تو نے اسی نام کو تلاش کر لیا۔

کمال حسن خلق کی علامت

کمال حسن خلق کی علامت وہ ہے جو بزرگان دین کہتے تھے اور یہ صفت ان لوگوں کی ہے جو خود کو بشریت سے پاک کر لیتے ہیں اور حق تعالٰے کے سوا کسی اور کو نہ دیکھیں اور ہر ایک فعل کو خداوند تعالٰی سے منسوب کریں جو شخص اس صفت سے پاک و صاف نہ ہو اس کو اپنے بارے میں نیک خوئی کا گمان نہیں کرنا چاہیئے"۔

بچوں کی تادیب وتربیت

معلوم ہونا چاہیئے کہ فرزند ماں باپ کے پاس خداوند تعالٰی کی امانت ہے اور اس کا دل ایک نفیس گوہر ہے جو موم کی مانند ہے۔ نقش کو قبول کر لیتا ہے اور اس پر کوئی نقش موجود نہیں ہے۔ اس کی مثال ایک پاک زمین کی ہے، جب تم اس میں بیج بوگے تو وہ اُگے گا پس تم اگر اس میں نیکی کا تخم بوگے تو اس سے دین و دنیا کی سعادت کا پھل حاصل ہوگا۔ ماں باپ اور استاد اس کے ثواب میں شریک رہتے ہیں اگر اس کے برخلاف ہوگا تو وہ بدبخت ہے جو کچھ بُرا کام وہ کرے گا اس میں یہ لوگ (ماں باپ اور استاد) اس کے شریک ہیں۔

حق تعالٰے فرماتا ہے!

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۝ (خود کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) اور بچے کو دوزخ کی آگ سے بچانا، دنیا کی آگ سے بچانے سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ بات ادب اور نیک اخلاق سکھانے سے حاصل ہوگی۔ اس کو بری صحبت سے بچائیں کہ ساری آفتیں صحبت بد سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کا اس کو عادی نہ کریں تاکہ اگر کبھی میسّر نہ ہو سکے تو وہ اس پر صبر نہیں کر سکے گا اور اپنی تمام عمر اس کی تلاش میں ضائع کر دے گا۔ چاہیئے کہ اس بات کی کوشش کریں کہ اس کی دایہ صالح، نیک اطوار اور حلال روزی کمانے والی ہو کیونکہ دایہ کی خوئے بد اس میں اثر کرتی ہے اور جو دودھ حرام سے حاصل ہو وہ ناپاک ہے جب اس حرام دودھ سے اس بچہ کا گوشت پوست بنیگا تو بلوغ کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ جب بچہ بولنے لگے تو اس کو اللہ کا نام سکھایا جائے۔ جب ایسا ہو کہ وہ بعض چیزوں سے شرمائے تو یہ اس امر کی بشارت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ عقل کا نور اس میں پیدا ہو گیا ہے۔ جب شرم کو اس نے اپنا محافظ ٹھہرایا تو وہ اس کو ہر بُری چیز سے روکے گا۔

بچہ میں سب سے پہلے کھانے کا شوق پیدا ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھائیں تاکہ وہ سیدھے ہاتھ سے کھائے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے۔ جلدی جلدی نہ کھائے۔ اچھی طرح

لقمے چبائے۔ دوسروں کے نوالوں پر نظر نہ کرے اپنے سامنے سے لقمہ اٹھائے اور جب تک ایک نوالہ نہ نگل لے دوسرا نوالہ نہ لے۔ کھانے سے ہاتھوں کو نہ لیپے اور نہ کپڑے خراب کرے۔ کبھی کبھی اس کو روکھی روٹی بھی کھلائیں تاکہ وہ ہمیشہ سالن کا طالب نہ ہو۔ بچہ کے سامنے بسیار خواری کی مذمت کریں اور بتائیں کہ یہ کام جانوروں اور احمقوں کا ہے اور اس کے سامنے بلیہ بچہ کی مذمت کی جائے۔ اور باادب بچہ کی تعریف کریں تاکہ اس کی تعریف سن کر اس میں حمیت پیدا ہو اور وہ خود بھی اس پر عمل کرنے لگے۔ اس کے سامنے سفید لباس کی تعریف کریں۔ ریشمی اور رنگین کپڑوں کی برائی بیان کریں۔ بتائیں کہ آرائش عورتوں اور معشوقوں کا طریقہ ہے اور خود کو سنوارنا مخنثوں کا کام ہے کیونکہ جب وہ ایسے لوگوں کو دیکھے گا تو خود بھی بگڑے گا اور ان جیسا شوق اس میں پیدا ہوگا۔ بچہ کو بری صحبت سے بچائیں ورنہ وہ ڈھیٹ، بے حیا، چور، دروغگو، گستاخ اور بے ادب ہو جائے گا اور یہ روش مدت دراز تک اس سے ترک نہ ہوگی۔

بچہ کو جب مکتب میں بھیجیں اور وہ قرآن پاک پڑھنے لگے تو نیک لوگوں کی حکایتیں اور صحابہ کرام کی سیرت سے اس کو آگاہ کریں۔ ایسے اشعار اس کو نہ پڑھنے دیں جن میں حسن وعشق اور عورتوں کا ذکر ہو اور ایسے استاد کے پاس اس کو نہ جانے دیں جو یہ کہتا ہو کہ ایسے عشقیہ اشعار سے تیزی طبع پیدا ہوتی ہے ایسا استاد ادب آموز نہیں ہے بلکہ ابلیس ہے۔ کہ وہ فساد کا بیج بچہ کے دل میں بو رہا ہے۔ جب بچہ اچھا کام کرے اور خوش اخلاق بنے تو اس کی تعریف کریں۔ اور ایسی چیز اس کو دیں جس سے اس کا دل خوش ہو۔ دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کریں۔ اگر بچہ غلطی کرے تو ایک دو ایک دو مرتبہ انجان بن جائیں۔ (اس کی گرفت نہ کریں) تاکہ وہ بے شرم اور ڈھیٹ نہ بن جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ اپنی غلطی کو چھپاتا ہو کیونکہ بار بار ٹوکنے اور سرزنش کرنے سے وہ بے شرم بن جائے گا اور پھر اس کی جھجک دور ہو جائے گی اور وہ کھلم کھلا ایسی تقصیر کرنے لگے گا۔ اگر وہ عمداً پھر ایسی غلطی کرے تو ایک بار خلوت اور تنہائی میں اس کو سرزنش کریں اور تنبیہ کریں۔ کہ آئندہ کسی کے سامنے ایسا کام نہ کرے کہ رسوا ہوگا اور بتائیں کہ اس کی قدر و منزلت ختم ہو جائے گی۔ باپ کو چاہیئے کہ بیٹے کے ساتھ بزرگی سے رہے۔ (اپنی بزرگی اور وقار کو قائم رکھیں) اور اس کو ماں باپ کے خوف سے آگاہ کریں۔ (بتائیں کہ ماں باپ سے ڈرنا چاہیئے) بچہ کو دن میں سونے نہ دیں۔ کہ وہ سست ہو جائے گا۔ رات کو اسے نرم بستر پر نہ سلائیں تاکہ اس کا جسم مضبوط بنے۔ تمام دن میں ایک گھنٹہ اس کو کھیل کی اجازت دیں۔ تاکہ وہ رنجیدہ خاطر نہ ہو کہ اس تنگ دلی سے اس میں بدخلقی پیدا ہوگی اور وہ غبی بن جائے گا۔ اس کو تواضع سکھائیں دوسرے بچوں کے ساتھ اس کو لاف زنی نہ کرنے دیں۔ اس کو دوسروں سے کچھ نہ لینے دیں۔ بلکہ اس کو بتائیں کہ وہ خود دوسروں کو کچھ نہ کچھ دے۔ اس کو بتائیں کہ کسی سے کچھ لینا فقیروں اور

بے ہمتوں کا شیوہ ہے ۔اس کو ہرگز اجازت نہ دیں کہ کسی سے روپیہ پیسہ قبول کرے ۔ یہ اس کی ابتری اور خرابی کا باعث ہوگا۔ اس کو اس امر کی تعلیم دیں کہ لوگوں کے روبرو نہ چھینکے ، نہ تھوکے ، اور ان کی طرف بیٹھ کر پیشاب نہ کرے بلکہ ان کے سامنے ادب سے بیٹھے ، ٹھوری کے نیچے ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے کہ یہ سستی کی علامت ہے ۔ بہت زیادہ باتیں اس کو نہ کرنے دیں ، اسی طرح قسمیں نہ کھائے ۔ بغیر سوال کے جواب نہ دے ۔ (باتیں نہ بنائے) جو اس سے بزرگ ہو اس کی تعظیم کرے ، زبان کو گالی اور فحش باتوں سے روکے ۔

اس کو تعلیم دیں کہ اگر استاد سزا دے تو اس سزا پر شور و واویلا نہ کرے اور نہ کسی سفارشی کو سزا سے بچنے کے لیے لائے ۔ بلکہ استاد کی سزا پر صبر کرے ۔ اس کو بتائیں کہ تحمل اور برداشت جوان مردوں کا کام ہے اور شور و غوغا عورتوں اور لڑکیوں کا شیوہ ہے ۔

جب لڑکا سات برس کا ہو جائے تو اس کو طہارت اور نماز کا حکم نرمی کے ساتھ دیں ۔ جب دس سال کا ہو جائے اور وہ نماز نہ پڑھے تو اس کو ماریں اور نماز پڑھائیں ۔ چوری حرام خوری ، اور دروغ گوئی کی برائی اس پر ظاہر کریں ایسی پرورش اور ترتیب کے بعد ان آداب کی خوبیاں اس پر ظاہر کریں تاکہ وہ اس میں اثر کریں ۔ اس کو بتائیں کہ کھانا کھانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو عبادت کی قوت حاصل ہو ۔ بتائیں کہ دنیا سے غرض زاد آخرت ہے کہ دنیا بے وفا ہے ۔ موت یکایک آجاتی ہے پس دانا و بینا وہ شخص ہے جو دنیا سے زاد آخرت فراہم کرے تاکہ بہشت میں اس کو جگہ ملے اور خدا کی خوشنودی اس کو حاصل ہو ۔ اس کے سامنے بہشت اور دوزخ کا احوال بیان کرنا چاہیے اور ثواب و عذاب کی حقیقت اس کو سمجھائیں ۔

جب اول اول اس کی ادب کے ساتھ پرورش کریں گے تو یہ باتیں اس کے دل میں انمٹ ہو جائیں گی (اس کے دل پر نقش کالحجر ہو جائیں گی) اور اگر اس کو آزاد و مطلق العنان چھوڑ دیا جائے گا تو اس کا حال ایسا ہوگا جیسے خاک دیوار سے گرتی ہے ۔

شیخ سہل تستری نے فرمایا ہے کہ جب میری عمر تین سال کی تھی تو میں اپنے ماموں محمد بن سوار رح کو جب وہ نماز پڑھتے دیکھتا رہتا تھا ۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے لڑکے ! تو اس خدا کو جس نے تجھے پیدا کیا ہے یاد نہیں کرتا ۔ میں نے کہا کس طرح یاد کروں ! انہوں نے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت تین بار یوں کہو ، خدا میرے ساتھ ہے ، خدا مجھے دیکھتا ہے ۔ چنانچہ کئی راتیں میں نے یہی عمل کیا ۔ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہر رات میں گیارہ بار کہا کرو ۔ آخر کار اس ذکر کی حلاوت میرے دل میں پیدا ہو گئی ۔ جب اسی طرح ایک سال گزر گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا جو کچھ میں نے تم کو بتایا ہے اس کو اپنی تمام زندگی میں یاد رکھو ۔ میں نے چند سال اس ذکر کو کیا یہاں تک کہ اس کی حلاوت میرے دل و دماغ میں پیدا ہو گئی ۔ پھر ایک دن ماموں نے مجھ سے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی کو دیکھتا ہے اس کو

چاہیئے کہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ خبردار! اے لڑکے گناہ نہ کر کیونکہ خدا تجھے دیکھتا ہے اس کے بعد مجھے معلم کے سپرد کر دیا گیا لیکن وہاں میرا دل پراگندہ رہتا تھا لہٰذا میں نے کہا کہ مجھے مکتب میں ایک ساعت سے زیادہ کے لیے نہ بھیجا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سات برس کی عمر میں میں نے قرآن پاک ختم کر لیا۔ جب میں دس برس کا ہوا تو میرا یہ معمول بن گیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھتا اور جو کی روٹی کھاتا تھا۔ بارہ برس کی عمر تک میرا یہی حال رہا جب میری عمر کا تیرہواں سال شروع ہوا تو ایک مشکل مسئلہ میرے دل میں پیدا ہوا کہ میں اس کے حل کے لیے بصرہ گیا وہاں کے تمام عالموں سے وہ مشکل حل نہ ہوئی۔ مجھے معلوم ہوا کہ عبادان میں ایک عالم متبحر ہیں ان سے وہ مسئلہ حل ہو گا چنانچہ میں وہاں گیا انہوں نے اس مسئلہ کو حل کر دیا چند روز میں ان کے پاس مقیم رہا پھر تستر واپس آ گیا۔ یہاں میں نے ایک درم کے جو خریدے افطار کے وقت جو کی روٹی بغیر سالن کے کھایا کرتا تھا۔ سال بھر کے لیے ایک درم کے جو کافی ہوتے تھے۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ تین دن کے بعد کچھ کھایا کروں۔ جب میں اس کا عادی ہو گیا اور اس کی طاقت پیدا ہو گئی تو پانچ دن رات، پھر سات شبانہ روز بھوکا رہنے لگا آخر کار پچیس دن تک بھوکا رہنے کی طاقت میرے اندر پیدا ہو گئی۔ بیس برس تک میری یہی حالت رہی۔ بیس شبانہ روز بھوکا رہتا۔ اور رات بیداری میں گزارتا۔

یہ مفید حکایت اس واسطے لکھی گئی تاکہ معلوم ہو کہ جو کام بڑا اور عظیم ہو اس کی عادت طفلی ہی سے ڈالی جائے

ابتدائے کار میں مرید کے لیے شرائط

اور راہ دین میں ریاضت

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ جس نے معرفت الٰہی حاصل نہ کی اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اس نے راہ الٰہی کو طے نہیں کیا اور اس کا باعث یہ ہو گا کہ یا تو اس کو اس بات کی طلب نہ تھی یا اس کا موجب یہ ہو گا کہ وہ معرفت الٰہی سے بے خبر رہا اور اس کا ایمان کامل نہ تھا کیونکہ جو کوئی یہ جانتا ہے کہ دنیا کدورتوں سے بھری ہوئی ہے اور اس کو قیام نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت پائیدار اور پاک ہے اس کے دل میں زاد آخرت کی ضرور طلب پیدا ہو گی اور یہ کام اس پر زیادہ دشوار نہ ہو گا۔ پس ان تمام باتوں کا سبب ضعف ایمان ہے اور اس ضعف ایمان کا موجب یہ ہے کہ راہ بتلانے والے جو علمائے پرہیزگار ہیں وہ مفقود ہیں جب رہبر نہ ہو تو راستہ خالی رہے گا اور لوگ اپنی سعادت کے حصول سے محروم رہیں گے اور اب جو علماء موجود ہیں ان پر دنیا کی محبت غالب ہے جب یہ خود دنیا طلبی میں مصروف ہیں تو مخلوق کو دنیا سے روگرداں کر کے آخرت کی طرف کس طرح بلائیں گے۔ دنیا کی راہ آخرت کی راہ کے برخلاف اور برعکس ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس قدر تفاوت ہے۔ جیسا کہ مشرق اور مغرب میں۔ جب کوئی شخص دنیا سے نزدیک اور آخرت سے دور ہو گا! لیکن اس کے دل میں شوق الٰہی پیدا ہو تو وہ اس

فریق میں داخل ہو جائے گا جس کے بارے میں باری تعالےٰ کا ارشاد ہے :- وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ پس آدمی کو چاہیئے کہ پہلے وہ اس سعی کے معنی معلوم کرے۔ سعی سے مراد راستہ کاٹے کرنا اور چلنا ہے۔ اس سلوک کے مرتبہ اول میں چند شرطیں ہیں جن کا بجا لانا ضروری ہے اس کے بعد اس دستاویز کا وہ تمسک کر سکتا ہے۔ پھر وہ اپنی پناہ کے لیے ایک حصار بنائے۔

پہلی شرط

شرط اول یہ ہے کہ اپنے اور خداوند تعالےٰ کے درمیان جو حجاب ہے اس کو اٹھا دے تاکہ اس جماعت میں داخل نہ ہو جائے جس کے بارے میں ارشاد کیا گیا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

یہ حجاب چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے : مال، جاہ، تقلید اور معصیت۔ مال اس وجہ سے حجاب بنتا ہے کہ دل کا اس سے ہر دم تعلق رہتا ہے اور راہ حق اس وقت طے کی جا سکے گی جبکہ دل فارغ ہو پس چاہیئے کہ مال کو اپنے پاس سے دور کر دے صرف بقدر ضرورت رہنے دے کہ بقدر ضرورت مال دل کی مشغولی کا سبب نہیں ہوگا اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس کو شوق الہٰی ہے تو وہ راستہ جلد طے کرے گا۔

جاہ و حشمت کا حجاب اس وقت دور ہوگا کہ انسان اپنے لوگوں سے بھاگے اور ایسی جگہ پہنچے جہاں اس کو کوئی پہنچانتا نہ ہو۔ اس لیے کہ صاحب شہرت ہمیشہ مخلوق کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور اس کی ذات میں سرگرم رہتا ہے اور جب مخلوق سے اس کو لذت حاصل ہو گی تو وہ درگاہ الہٰی میں نہیں پہنچے گا۔

تقلید اس وجہ سے حجاب ہے کہ جب کسی مذہب و مسلک کی تقلید کی اور مناظرہ کی باتیں گوش گزار ہوئیں تو پھر دوسری بات اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہو گی پس چاہیئے کہ ان سب باتوں کو فراموش کرے اور لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لائے اور اپنے دل سے اس کی تحقیق کرے اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا سوائے خدا تعالےٰ کے اور کوئی معبود نہ رہے اور جس پر حرص و ہوا کا غلبہ ہے تو اس کا معبود وہی ہے جب یہ حال حقیقت بن جائے تو دوسرے امور کا کشف مجاہدے اور ریاضت میں تلاش کرے بحث و جدل سے بالکل بے تعلق ہو جائے۔ معصیت بندہ اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ایک بڑا حجاب ہے کیونکہ جو شخص معصیت پر قائم رہتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس پر حق کس طرح آشکارا ہو سکتا ہے خصوصاً جب کہ وہ حرام روزی کھاتا ہو اور جو یہ ارادہ رکھتا ہو احکام شریعت بجا لانے سے قبل ہی دین و شرع کے اسرار اس پر ظاہر ہو جائیں ایسے شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جو عربی زبان سیکھنے سے پہلے تفسیر قرآن پڑھنا چاہتا ہو۔ اور جب یہ حجابات اس سے دور ہو جائے گی تو وہ اس شخص کی

مانند ہوگا کہ طہارت کر کے نماز ادا کرنے کے لائق ہوا اب اس کو صرف ایک امام کی ضرورت ہے جس کی وہ اقتدا کرے اور وہ مرشد ہے کیونکہ بغیر مرشد کے اس راہ پر چلنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایک رازِ مخفیہ ہے اور شیطان کی راہیں، راہِ الٰہی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور راہ ہائے باطل تو ہزاروں ہیں۔ راہِ حق صرف ایک ہے۔ بغیر رہبر کے راہ طے کرنا پھر کیونکر ممکن ہوگا۔ جب مرشد مل جائے تو اپنا کام اس کے سپرد کر دے پھر اپنا اختیار باقی نہ رکھے اور یقین کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ اپنی رائے صواب کے مقابل میں مرشد کی غلط رائے میں بھی بڑی منفعت ہے۔ اگر اپنے مرشد سے کوئی ایسا کام دیکھے جس کی بظاہر وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس وقت حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرے کہ وہ حکایت پیر و مرید ہی کے لیے ہے، کیونکہ مشائخ ایسے بہت سے امور سے آگاہ ہوتے ہیں کہ مرید کی عقل ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔

منقول ہے کہ حکیم جالینوس کے زمانے میں ایک شخص کی سیدھی انگلی درد کرنے لگی ناقص اطبا اس انگلی پر دوائیاں لگاتے رہے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا، جالینوس سے جب رجوع کیا تو جالینوس نے اس کے بائیں کاندھے پر دوا لگائی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیا حماقت ہے۔ انگلی کے درد کو شانہ کے علاج سے کیا تعلق، آخر کار انگلی کا درد جاتا رہا جالینوس نے پہچان لیا تھا کہ اصل میں عَصَب (پٹھے) کا خلل ہے۔ تمام اعصاب دماغ اور پشت سے نکلے ہیں جو اعصاب بائیں جانب سے نکلتے ہیں وہ داہنی جانب آتے ہیں اور جو داہنی جانب سے نکلتے ہیں وہ بائیں جانب آتے ہیں۔ مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ مرید اپنے باطن میں کچھ تصرف نہ کرے۔ خواجہ ابوعلی فارمدی (مرشد امام غزالی) سے میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک بار شیخ ابوقاسم گرگانیؒ سے میں نے ایک خواب بیان کیا وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور ایک مہینہ تک مجھ سے بات چیت بند رکھی۔ اس کا سبب مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار خود انھوں نے فرمایا کہ اس خواب میں تم نے مجھ سے بیان کیا کہ تم شیخ ہو اور خواب میں مجھ سے ہم کلام ہو۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں شیخ کس طرح ہوگیا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں یہ بات جاگزیں نہ ہوتی تو خواب میں تمہاری زبان پر یہ بات نہ آتی۔

جب مرید اپنا کام شیخ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر اس کو اپنے حصار اور پناہ میں لے لیتا ہے تاکہ وہ آفتوں سے محفوظ رہے۔ اس حصار کی دیواریں چار ہیں۔ ایک خلوت، دوسری خاموشی، تیسری بھوک، چوتھی بے خوابی۔ (شب بیداری)، بھوک شیطان کا راستہ بند کر دیتی ہے۔ بے خوابی سے دل روشن ہوتا ہے۔ خلوت نشینی خلائق کی ظلمت کو دور کرتی ہے اور چشم و گوش کا راستہ بند کر دیتی ہے اور خاموشی بے ہودہ باتوں کو دل میں نہیں آنے دیتی شیخ سہل تستریؒ فرماتے ہیں وہ حضرات، جو ابدال کے مرتبے پر پہنچے ہیں وہ خلوت، گرسنگی، خاموشی اور بے خوابی سے اس درجے پر پہنچے ہیں۔

جب مرید اشغالِ دنیوی سے الگ تھلگ ہو جائے تب سمجھنا چاہیئے کہ اس نے سلوک میں قدم رکھا، اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ راستے کے خطرات کو دور کرے اس سے مراد بُری صفتیں ہیں جو دل میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے افعال کی جڑیں

جن سے حذر کرنا ضروری ہے جیسے مال وجاہ کی حرص اور کھانے پینے کا شوق ، مکروریا وغیرہ سے باطن کا تعلق بھی قطع ہو جائے اور دل ان سے خالی ہو جائے اگر کوئی مرید ایسا ہے کہ یہ تمام باتیں اس میں نہیں ہیں لیکن ایک چیز موجود ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس سے بھی قطع تعلق کرے اس طرح پر جیسے اس کا شیخ مناسب خیال کرتا ہے ، اس کا آئین اور طریقہ ہر شخص کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہو گا۔ اس طرح جب زمین پاک ہو جائے تو شیخ اس میں تخم ریزی کرے ، تخم ریزی سے مراد ذکر الٰہی ہے جب دل ماسوائے اللہ سے خالی ہو گیا تو گوشے میں بیٹھ کر دل سے اور زبان سے اللہ اللہ کہے اور یہاں تک یہ ذکر کرے کہ زبان خاموش ہو جائے اور دل ذکر کرتا رہے پھر دل بھی خاموش ہو جائے اور اس کلمہ کے معنی دل پر اس طرح غالب آجائیں کہ الفاظ کا دخل ختم ہو جائے نہ عربی ہو نہ فارسی کہ دل سے بولنا بھی بات کرنا ہے اور گویائی اس تخم کا پوست ہے یعنی عین تخم نہیں ہے ، پھر وہ معنی دل میں اس طرح نقش ہو جائیں کہ دل اس سے بلا تکلف وابستہ ہو جائے بلکہ ایسا عاشق ہو جائے کہ تکلف اور کوشش سے بھی اس کو دل سے نہ نکال سکے

حضرت شبلیؒ کا ارشاد

حضرت شبلیؒ نے اپنے مرید سے کہا کہ جمعہ جمعہ جو تم میرے پاس آیا کرتے ہو اگر ماسوائے اللہ کا خیال اس عرصہ میں تمہارے دل میں آئے تو تمہارا میرے پاس آنا درست نہیں ہے۔ بس جب دل کو دنیاوی وسوسوں کے فساد سے نکال لیا اور یہ بیج (ذکر) دل میں بو دیا تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جو دل کے اختیار سے تعلق رکھتی ہو بس اختیار یہیں تک تھا۔ اس کے بعد مرید انتظار کرے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے ، یہ تخم عموماً ضائع نہیں ہوتا ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ج — جس کو آخرت کی زراعت کا خیال ہو اس کو ہم بہت سا ثمر دیتے ہیں۔

مریدوں کے احوال مختلف

یہ ایک ایسا مقام ہے کہ اس مقام پر مریدوں کے احوال مختلف ہوا کرتے ہیں ، کوئی مرید تو ایسا ہو گا کہ اس کلمہ کے معنی میں اس کو اشکال پیش آئے گا اور خیال باطل اس کے اندر پیدا ہو گا اور کوئی ایسا ہو گا کہ اس وسوسے سے اس کو نجات حاصل ہو گی ، فرشتے اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح بہترین صورتوں میں اس کو نظر آئے گی حالت خواب میں بھی اور عالم بیداری میں بھی ! اس کے بعد کچھ ایسی حالت ہو جاتی ہے جس کی تفصیل بیان کرنا طوالت کا موجب ہے اور نہ اس کے بیان کرنے سے کچھ حاصل ہے کیونکہ یہ راستہ سلوک کا ہے قیل و قال کا نہیں ہے ہر ایک کو مختلف کیفیت پیش آئے گی (اس کو کہاں تک بیان کیا جائے) سالک کے حق میں مناسب یہی ہے کہ ان احوال کی کیفیت کسی سے نہ سنے کیونکہ اس طرح اس کا دل کیفیت کے انتظار میں مشغول رہے گا اور دل کی مشغولی حجاب بن جاتی ہے ، علم کی پہنچ اور رسائی یہیں تک ہے ، کہنے کا مقصود یہ ہے کہ انسان اس پر ایمان لائے اگرچہ اکثر علماء نے اس سے انکار کیا ہے اور یہ لوگ علم رسمی کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کو باور نہیں کرتے واللہ اعلم ۔

اصلِ دوم

شہوتِ شکم و فرج کا علاج اور ان کی حرص کا دور کرنا

معلوم ہونا چاہیئے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور تمام رگیں جو اس معدہ سے ہفت اندام میں پہنچی ہیں ان کی مثال نہروں کی طرح ہے (جو اس حوض سے نکلتی ہیں) تمام شہوتوں کا سرچشمہ معدہ ہے یہ سب سے عظیم شہوت ہے جس نے انسان پر غلبہ پایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے نکلنا اسی شہوت شکم کے۔ باعث ہوا تھا۔ یہ شہوت شکم دوسری شہوتوں اور خواہشوں کی جڑ ہے کہ جب شکم سیر ہوتا ہے تو نکاح کی خواہش پیدا ہوتی ہے، شکم اور فرج کی شہوت مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی پس اس کی وجہ سے مال کی حرص پیدا ہوئی اور مال بغیر جاہ کے پیدا نہیں ہو سکتا پس جب تک مخلوق سے خصومت نہ رکھی جائے جاہ کا حصول ممکن نہیں پھر اسی سے حسد، تعصب، عداوت، کبر، ریا اور کینہ پیدا ہوتا ہے پس معدہ کو مطلق عنان چھوڑ دینا ساری مصیبتوں کی جڑ ہے اور اس کو روکنا (قابو میں رکھنا) اور بھوک کی عادت ڈالنا سب نیکیوں کی اصل ہے۔

ہم اس فصل میں سب سے پہلے گرسنگی (بھوک) کی فضیلت بیان کریں گے اور اس کے بعد اس کے فائدے! کم خوری کی ریاضت کا طریقہ اور اس کے بعد اس سلسلہ میں لوگوں کے مختلف احوال بیان کریں گے اور اس کے بعد شہوتِ فرج خواہشِ نکاح کی آفت اور جو شخص خود کو اس آفت سے بچائے گا اس کا آخر میں کریں گے۔

گرسنگی کی فضیلت

بھوکا رہنے کی فضیلت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بھوک اور پیاس سے نفس کے ساتھ جہاد کرو اس کا ثواب اتنا ہے جتنا کافروں سے جہاد کرنے کا اور کوئی عمل اللہ تعالےٰ کے نزدیک گرسنگی اور تشنگی سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنا شکم پُر کرتا ہے اس کو ملکوتِ آسمان کی طرف راستہ نہیں دیتے ہیں"۔ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا نیک شخص کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ شخص ہے جو کم کھائے، کم ہنسے، اور ستر عورت پر قناعت کرے۔"

٭ ٭ ٭

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے گرسنگی تمام اعمال کی سردار ہے۔ آپ نے فرمایا لوگو! پرانا لباس پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ کہ یہ عمل نبوت کا ایک جزو ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ فکر کرنا نصف عبادت ہے کم کھانا کل عبادت ہے۔" اور فرمایا ہے، تم میں سے بہتر شخص خداوند تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس کی فکر اور گرسنگی دراز ہو اور تم میں سے خداوند کریم کا بڑا دشمن وہ ہے کہ کھانا بہت کھائے اور بہت سوئے۔" اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ اس شخص سے فرشتے پر فخر کرتا ہے جس نے کم کھایا اور فرماتا دیکھو! میں نے اس کو بھوک دی تھی لیکن اس نے میرے لیے کم کھایا، اے فرشتو! گواہ رہنا کہ اس کے ہر اس لقمے کے عوض جو اس نے چھوڑا ہے میں اس کو بہشت میں ایک درجہ دوں گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اپنے دلوں کو بہت زیادہ کھانے پینے سے مُردہ نہ بناؤ کہ وہ ایک کھیت کی طرح ہے جو زیادہ پانی دینے سے پتر مُردہ ہو جاتا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ" آدمی شکم سے بدتر اور کسی چیز کو پُر نہیں کرتا اور آدمی کے لیے چند چھوٹے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں پس تیسرا حصّہ شکم کا کھانے کے واسطے اور تیسرا باقی سالن پینے ذکر الٰہی کے لیے چھوڑ دو۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "اپنے آپ کو ننگا اور بھوکا رکھو تاکہ تمہارے دل حق تعالیٰ کا مشاہدہ کریں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شیطان آدمی کے جسم میں اس طرح سیر کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں پس بھوک اور پیاس سے اس کی راہ تنگ کر دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ" مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں میں یعنی منافق کی بھوک اور خوراک مومن کی بہ نسبت سات گنا زیادہ ہوتی ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ بہشت کے دروازے پر دستک دیا کرو تاکہ اس کو کھول دیں! میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دستک کس طرح دی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا بھوک اور پیاس سے۔"

روایت ہے کہ ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ التحیۃ والثناء کے سامنے ڈکار لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ڈکار کو مت آنے دو، جو اس جہان میں خوب سیر رہا ہے وہ اس جہان میں بھوکا رہے گا۔" ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سیر ہو کر تناول نہیں فرماتے تھے۔ مجھے آپ پر ترس آتا تھا، میں حضرت کے شکم اطہر پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتی تھی کہ میں آپ پر قربان جاؤں، اگر آپ اتنا کھائیں جس سے بھوک جاتی رہے تو کیا حرج ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جواب دیتے کہ "وہ انبیاء اولوالعزم جو بڑے بھائی تھے اور مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور حق تعالیٰ سے انہوں نے شرف اور بزرگی حاصل کی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں شکم پر ہو کر کھاؤں تو میرا درجہ ان سے کم ہو جائے گا۔ پس چند روز صبر کرنا بہتر ہے بمقابلہ اس بات کے کہ آخرت میں میرا درجہ گھٹ جائے، مجھے اس بات سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں کہ میں اپنے بھائیوں کے پاس پہنچوں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں ایک ہفتہ سے زیادہ مقیم نہیں رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکڑا لیے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے روٹی پکائی تھی جی نہیں چاہا کہ آپ کے بغیر کھاؤں، آپ نے فرمایا کہ تین دن سے مجھے اس ٹکڑے کے علاوہ اور کچھ کھانا نہیں ملا ہے۔

شیخ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ رات کے کھانے سے مجھے ایک نوالہ کم کھانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں۔ حضرت شیخ فضیلؒ اپنے دل سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے "بھوک سے کیوں ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کو یہ (نعمت) عطا کی تھی تو کیا تجھے عطا نہیں کرے گا۔ حضرت مالک دینارؒ کا ارشاد ہے کہ نیک بخت وہ شخص ہے جس کے پاس بقدر کفایت غلّہ موجود رہے اور وہ مخلوق سے بے نیاز رہے"۔ شیخ محمد واسعؒ کا ارشاد ہے کہ "ایسا نہیں ہے جیسا کہ مالک دینارؒ نے فرمایا بلکہ نیک بخت وہ ہے کہ رات اور دن کے فاقہ میں اللہ سے راضی رہے۔ شیخ سہل بن تستریؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں اور دانشوروں کا فیصلہ ہے کہ دین و دنیا میں کوئی چیز گرسنگی سے بہتر نہیں ہے اور آخرت کے معاملہ میں سیری سے زیادہ کوئی شے مضر نہیں ہے۔ شیخ عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ بھوکے کو دوست رکھتا ہے: اس گرسنگی کے باعث پانی پر چل سکتے ہیں اور طے الارض کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ، موسیٰ علیہ السلام نے ان چالیس دنوں میں جبکہ حق تعالےٰ نے آپ سے کلام فرمایا کچھ نہیں کھایا۔

گرسنگی کے فوائد اور سیری کی آفتیں

گرسنگی کی فضیلت

گرسنگی کی فضیلت کا سبب یہ نہیں ہے کہ اس میں تکلیف اٹھانا پڑتی ہے جس طرح تلخی دوا کی خوبی نہیں ہے بلکہ گرسنگی میں دس فائدے ہیں، پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل صاف اور روشن ہوتا ہے اور سیری دل کو دھندلا اور غبی کرتی ہے اور ایک بخار معدے سے اٹھ کر دماغ کو جاتا ہے جس سے انسان کا دل پریشان ہوتا ہے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کم کھانے سے اپنے دل کو زندہ کرو اور گرسنگی سے اس کو پاک صاف بناؤ تاکہ تصفیہ حاصل ہو۔" آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ، جو شخص بھوکا رہتا ہے اس کا دل زیرک ہوتا ہے اور اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔

شیخ شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ

حکمت نہ پیدا ہوتی ہو۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ" سیر ہو کر نہ کھاؤ کیونکہ معرفت کا نور سیری کے باعث تمہارے دل میں مر جائے گا پس جب کم خوری معرفت بہشت کی راہ سے اور گرسنگی معرفت کی درگاہ ہے تو بھوکا رہنا بہشت کے دروازے پر دستک دینا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

گرسنگی سے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ"

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بھوک سے دل نرم ہو جاتا ہے اور ذکر و مناجات کی لذت اس کو حاصل ہوتی ہے، سیری سے قساوت اور سختی پیدا ہوتی ہے کہ جو ذکر کیا جائے وہ زبان ہی تک رہے ... مانند) حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رح فرماتے ہیں "اگر حبیب نے اپنے اور خدا کے درمیان کھانے کا طشت رکھا اور پھر چاہے کہ مناجات کی لذت حاصل کرے تو ہرگز یہ بات حاصل نہ ہو سکے گی"

تیسرا فائدہ : یہ ہے کہ غرور و غفلت دوزخ کا دروازہ ہے، عاجزی اور بیچارگی بہشت کی درگاہ ہے، سیری غفلت کو پیدا کرتی ہے اور گرسنگی عاجزی کو! جب تک انسان خود کو چشم حقارت و عجز سے نہیں دیکھے گا اور اس کو ایک لقمہ کھانے کو نہ ملے تو سارا جہان اس کو تاریک نظر آئے اس وقت تک اپنے پالنے والے کی عزت و قدرت اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی، اسی وجہ سے جب روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی گئیں تو آپ نے فرمایا" میں یہ نہیں چاہتا بلکہ میری خوشی یہ ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہوں ایک دن کھاؤں جب بھوکا رہوں تو صبر کروں اور جب سیر ہوں تو شکر کروں۔"

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اگر سیر رہے گا تو بھوکوں کو بھول جائے گا اور خداوند تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی نہیں کرے گا اور آخرت کے عذاب کو فراموش کر دے گا اور جب بھوکا رہے گا تو اہل دوزخ کی بھوک یاد کرے گا اور پیاسا رہے گا تو دوزخیوں کی پیاس یاد آئے گی۔ آخرت کا ڈر، خلقِ خدا پر شفقت اور مہربانی بہشت کا دروازہ ہے اسی لیے جب لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ روئے زمین کا خزانہ آپ کے پاس ہے پھر آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر سیر رہوں گا تو بھوکوں کو بھول جاؤں گا"

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسان کی بڑی سعادت یہ ہے کہ نفس سرکش کو اپنا مغلوب بنائے اور اس کی شقاوت یہ ہے کہ خود اس کا مغلوب ہو جائے جس طرح شریر اور سرکش گھوڑے کو سوائے بھوکا رکھنے کے رام نہیں کر سکتے ہیں پس انسان کے نفس کا بھی یہی حال ہے اس میں صرف یہی ایک فائدہ نہیں بلکہ وہ تمام فوائد کا خزانہ ہے اور ان کی کیمیا ہے کیونکہ سارے گناہ شہوت سے ہوتے ہیں اور شہوت کا موجب سیری ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جب بھی میں سیر ہو کر کھاتا معصیت کرتا یا اس کا ارادہ کرتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ" پہلی بدعت جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی وہ لوگوں کا پیٹ بھر کر

کھاناتھی۔"جب وہ لوگ سیر ہو کر کھانے لگے تو ان کے نفس سرکشی کرنے لگے۔"
گرسنگی کا اگر کچھ اور فائدہ نہیں تو یہ فائدہ تو یقینی ہے کہ خواہش جماع ضعیف ہو جائے گی اور گفتگو کرنے کی خواہش ہی کم ہو جائے گی کیونکہ انسان جس قدر سیر ہوتا ہے اتنا ہی فضول گوئی اور غیبت کی طرف مشغول ہوتا ہے اور خواہش جماع بھی غالب ہوتی ہے، اگر اس نے اپنی شرمگاہ کو بچایا بھی تو آنکھ کو کس طرح بچا سکتا ہے اگر آنکھ کو بھی بچا لیا تو دل کو کس طرح روک سکتا ہے اور گرسنگی میں ان تمام باتوں کا تدارک موجود ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ "گرسنگی حق تعالیٰ کے خزانے کا ایک گوہر ہے یہ ہر ایک کو نہیں ملتا ہے بلکہ یہ اسی کو دیا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔" کسی دانشور نے کہا ہے کہ جو شخص صرف روٹی ایک سال تک کھائے اور اپنی عادت کے برعکس آدھا پیٹ تو حق تعالیٰ اس کے دل سے عورتوں کا خیال دور کر دیتا ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ کم کھانے سے انسان کم سوتا ہے اور کم خوابی تمام عبادتوں اور ذکر و فکر کی اصل ہے خصوصاً شب میں اور جو شخص سیر ہو کر کھائے اس پر نیند کا غلبہ ہو تو ممکن ہے کہ اس غلبہ سے ایک مردے کی مانند گر پڑے اور اس کی تمام عمر ضائع ہو جائے، منقول ہے کہ ایک بزرگ دستر خوان پر بیٹھتے تو اپنے مریدوں سے کہتے کہ اے یارو! بہت نہ کھاؤ اگر بہت کھاؤ گے تو پانی زیادہ پیو گے اور اس صورت میں نیند بہت آئے گی جس کے باعث قیامت کے دن پشیمان ہو گے۔ ستر صدیقوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ پانی بہت پینے سے نیند بہت آتی ہے جبکہ انسان کا سرمایہ اس کی زندگی ہے اور اس کی ہر سانس ایک ایسا گوہر ہے جس سے آخرت کو سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور نیند عمر کو ضائع کرتی ہے تو نیند کو دفع کرنے والی چیز سے اور کون سی چیز بہتر ہو سکتی ہے۔ جو شخص پیٹ بھر کر تہجد کی نماز پڑھتا ہے، مناجات کا مزہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خواب کا اس پر غلبہ ہو گا اور ممکن ہے کہ ایسی نیند میں اس کو احتلام ہو جائے اور رات کو وہ غسل نہ کر سکے اور اس جنابت کے باعث وہ عبادت سے محروم رہے یا غسل کی مشقت اس کو برداشت کرنا پڑے، ممکن ہے کہ اس کے پاس پیسہ نہ ہو کہ وہ حمام جائے اور اگر وہاں گیا بھی تو ممکن ہے کہ گرمابہ میں اس کی نظر عورتوں پر پڑے جو اس کے لیے بہت سی آفتوں کا سبب بن جائے، شیخ سلیمان درانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احتلام ایک صعوبت ہے اور یہ سیری سے ہوا کرتا ہے۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ گرسنگی کے سبب علم و عمل کے لیے فراغت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب آدمی بہت زیادہ کھانے کا عادی ہو جاتا ہے کہ تو کھانے، سودا سلف خریدنے، کھانا پکانے اور تیار ہونے کے انتظار میں بہت سا وقت گزر جاتا ہے پھر بیت الخلاء جانا اور طہارت کرنا ضروری ہے اس میں بھی بہت سا وقت ہوتا ہے اور ہر ایک سانس ایک گوہر بیش قیمت ہے اور سرمایہ زندگانی ہے اس کو بغیر ضرورت ضائع کرنا حماقت ہے۔ شیخ سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ علی جرجانی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جو کے ستو پھانک لیتے تھے، میں نے دریافت کیا

کہ آپ روٹی کیوں نہیں کھاتے فرمایا کہ اس میں اور روٹی کھانے میں ستر تسبیح کا تفاوت ہے اس وجہ سے میں چالیس سال سے روٹی نہیں کھاتا ہوں (اور یہی ستو پھانک لیتا ہوں) میں مناسب نہیں سمجھتا کہ روٹی کھانے سے میرے فائدے میں خلل پڑے۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص بھوک کی عادت ڈال لے گا، روزہ رکھنا اس پہ آسان ہوگا وہ مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے اور ہمیشہ طہارت سے رہ سکتا ہے، جو آخرت کی تجارت کرتے ہیں ان کے لیے یہ فائدے کچھ کم نہیں ہیں۔ شیخ ابو سلیمان دارانیؒ نے کہا ہے کہ جو سیر ہو کر کھاتا ہے اس میں چھ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ عبادت کی حلاوت اس کو حاصل نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اس کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے تیسرے وہ لوگوں پر شفقت نہیں کر سکے گا وہ تو یہی سمجھے گا کہ دنیا کے تمام لوگ سیر ہیں چوتھے یہ کہ عبادت الٰہی اس پہ دشوار ہوگی، پانچویں یہ کہ اس کی شہوت بڑھ جائے گی، چھٹے یہ کہ جب دوسرے مسلمان مسجد کو جاتے ہوں گے اس کو پائخانے کی ضرورت ہوگی۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ کم خوار شخص تندرست رہتا ہے اور بیماری کی اذیت، دوا کا خرچ، طبیب کے ناز نخرے فصد و حجامت کی محنت اور کڑوی دوا کی صعوبت سے بچا کر رہتا ہے، حکماء اور اطباء نے کہا ہے کہ جو چیز سراپا منفعت اور کم ضرر ہے وہ کم خوری ہے ایک دانشمند کا قول ہے کہ انسان کے حق میں سب چیزوں سے بہتر اور نافع انار ہے اور بدترین چیز گوشت کا خشک کباب ہے اس لیے تھوڑا سا کباب کھانے سے بہت سا انار کھانا بہتر ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے "روزہ رکھا کرو تاکہ تندرستی حاصل ہو"۔

نواں فائدہ یہ ہے کہ جو شخص کم خوار ہوگا اس کا خرچ بھی تھوڑا ہوگا اور زیادہ مال کی اس کو حاجت نہیں ہوگی بہت سے مال کی ضرورت سے طرح طرح کی آفتوں اور گناہوں کے اشتغال پیدا ہوتے ہیں کیونکہ انسان جب چاہتا ہے کہ ہر روز اچھی اچھی نعمتیں کھائے تو تمام دن اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ کس طرح ان کو حاصل کرے ممکن ہے مالِ حرام کی حرص اس میں پیدا ہو جائے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ تمام حاجتوں کے ترک سے میری حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور یہ بات مجھ پہ بہت آسان ہے ؂

ترک مطلب ہی سے حاصل ہوگیا مطلب مرا

ایک اور دانشور کا قول ہے کہ جب مجھے کسی سے قرض لینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو میں اپنے پیٹ سے قرض لے لیتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ فلاں چیز مجھ سے مت مانگ۔ منقول ہے کہ شیخ ابراہیم ادھمؒ چیزوں کا نرخ پوچھا کرتے تو لوگ کہتے کہ گراں ہے آپ فرماتے۔ ترکوا ورخصوا (ان کو ترک کر کے سستا کر دو)

دسواں فائدہ یہ ہے کہ انسان خود کو جب کسی چیز سے روکنے پہ قادر ہو جاتا ہے تو صدقہ دینا اور کرم کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جو چیز پیٹ میں جاتی ہے اس کی جگہ پائخانہ ہے اور جو چیز خیرات میں صرف ہوتی ہے اس کی جگہ خداوند تعالیٰ

کا بہت کرم ہوگا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک فربہ شکم شخص کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ غذا جو تو نے اس میں ڈالی ہے اس کو اگر دوسری جگہ یعنی صدقہ و خیرات میں خرچ کرتا تو اچھی بات ہوتی"

مرید میں کم خوری کے آداب پیدا کرنا

معلوم ہونا چاہیئے کہ مرید کے کھانا کھانے کے بھی آداب ہیں جبکہ وہ وجہ حلال سے ہو، مرید کو چاہیئے کہ ان آداب کو ملحوظ رکھے: احتیاط اوّل یہ کہ یکبارگی زیادہ کھانے سے کم کھانے کی طرف نہیں آنا چاہیے کہ مرید میں اس کی طاقتِ برداشت نہیں ہوگی مثلاً اپنی غذا سے اگر اس کو ایک روٹی کم کرنا ہے تو چاہیئے کہ روزانہ ایک ایک لقمہ کم کرے پہلے دن ایک اور دوسرے دن دو اور تیسرے دن تین تاکہ ایک مہینے میں ایک روٹی کم کر دے، اس طرح کم کرنا مرید کے لیے آسان ہوگا اور اس سے اس کو کچھ نقصان بھی نہیں پہنچے گا اور طبیعت اس کمی کی عادی ہو جائے گی، اس کے بعد وہ مقدار جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے اس کے چار مراتب ہیں۔

روش اوّل

یہ عظیم ترین ہے جو صدیقین کا درجہ ہے وہ ضروری مقدار پر قناعت کرتے ہیں، شیخ سہل تستریؒ نے اس کو اختیار کیا ہے، ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی بندگی، حیات، عقل اور قوت سے ہوتی ہے، جب تک تم کو قوت کے نقصان کا ڈر نہ ہو اس وقت تک نہ کھاؤ، بھوک کے ضعف سے بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز اس پیٹ بھرے کی نماز سے افضل ہے جو کھڑے ہو کر پڑھی جائے، اگر مرید سمجھتا ہے کہ بھوک سے زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے تو اس وقت کھانا چاہیئے کہ بغیر عقل کے عبادت اور بندگی نہیں ہو سکتی اور جان لو کہ تمام باتوں کی اصل یہی ہے۔

حضرت سہل تستریؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس طرح اور کس قدر کھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرے تمام سال کا خرچ تین درم ہے، ایک درم کا چاول کا آٹا، ایک درم کا شہد اور ایک درم کا روغن، اس سامان کے میں تین سو ساٹھ حصے کر لیتا تھا اور ہر ایک حصے سے روزانہ روزہ کھولتا ہوں، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کا اب کیا عمل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر روز ایک درم وزن سے زیادہ غذا نہیں کھاتا۔ یہ حضرات بتدریج اس منزل تک پہنچے ہیں۔

دوسری روش

دوسری روش یہ ہے کہ ایک مُد پر کفایت کرے ایک مُد آٹے کی سوا روٹی ہوتی ہے یہ وہ روٹی ہے جس کو چار منی کہا جاتا ہے اس کے ۱/۳ (ایک ثلث) ہی سے پیٹ بھر سکتا ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے پیٹ کا ۱/۳ حصہ غذا کے لیے ہے اور ۱/۳ پانی کے لیے اور ... ۱/۳ حصہ ذکر الٰہی کے لیے ہے۔ ایک روایت میں ایک ثلث یعنی ۱/۳ (سانس لینے کے لیے) آیا ہے

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "چند لقمے بس ہیں" یہ چند لقمے دس نوالوں سے کم ہوتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سات یا نو لقموں سے زیادہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔

تیسری روش

تیسری روش یہ ہے کہ ایک مُد پہ کفایت کرے اور یہ تین گردہ نان کے برابر ہوگا، یہ ضرور ہے کہ اتنی مقدار بعض لوگوں کے معدے کے تیسرے حصے سے زیادہ ہوگی اور اس سے آدھا پیٹ بھر جائے گا۔

چوتھی روش

چوتھی روش یہ ہے کہ ایک مَن پہ کفایت کرے (یہ مَن ایرانی ہے) اور ممکن ہے کہ جو غذا ایک مُد سے بڑھ جائے وہ اسراف کے درجہ تک پہنچ جائے اور اس ارشاد ربانی کا مصداق بن جائے إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝
(اور فضول خرچی نہ کرو، اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے) یہ بات وقت اور کام کرنے کے اعتبار سے مختلف ہوگی، حاصل یہ ہے کہ بھوک باقی رکھتے ہوئے کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیئے، بعض لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں، لیکن انہوں نے اتنا کیا ہے کہ جب تک بھوک نہیں لگتی اور کچھ بھوک باقی ہوتی ہے کہ وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ بھوک کی علامت یہ ہے کہ انسان بغیر سالن کے روٹی کھا لے، خواہ باجرے کی روٹی ذوق وشوق سے کھائے اور جب اس کو سالن کی حاجت ہو تو سمجھ لے کہ اشتہاء صادق نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کرامؓ نے نصف سے زیادہ اپنی غذا کو نہیں بڑھایا، ان میں سے بعض حضرات ایسے تھے کہ ایک ہفتہ میں ان کی غذا ایک صاع ہوتی تھی، ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے جب یہ حضرات خرما کھاتے تو ۱½ صاع تناول کرتے کیونکہ کھجور یا خرما میں گٹھلی بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک میری غذا، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف ایک صاع جَو ہوتے تھے۔ خدا کی قسم! جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا میں نے اس سے تجاوز نہیں کیا یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک میرا یہ طریقہ رہا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بعض لوگوں پر طعنہ زنی فرمایا کرتے اور کہتے کہ تم نے اس قاعدے کو ترک کر دیا ہے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا بڑا دوست اور مقرب وہ ہے کہ آج کے دن اس کا جو معمول ہے اسی پر موت واقع ہو (اپنے معمول کو ترک نہ کرے) اور تم لوگ اس بات سے پھر گئے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی، تم لوگ جَو کا آٹا چھان کر پتلی پتلی روٹی پکاتے ہو اور ایسے سالن سے کھاتے ہو اور رات کے لباس کو دن کے لباس سے الگ رکھا ہے (رات کا لباس اور، دن کا اور) حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی۔ حضرات اہل صفہ کی غذا ایک مُد کھجور کا تھا وہ بھی دو حضرات میں جبکہ اس کی گٹھلیاں نکال کر پھینک دیتے تھے۔

شیخ سہل تستریؒ نے فرمایا ہے کہ اگر سارا عالم خون ہی خون ہو جائے جب بھی میں قوت حلال ہی کھاؤں گا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ نہ کھائے! اباحیتوں کی طرح نہیں کہ جب حرام روزی اس کو ملتی ہے تو وہ اس کو حلال سمجھتا ہے جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں صدقہ کا ایک خرما بھی پہنچتا تو وہ حلال نہیں سمجھا جاتا تھا:

احتیاطِ دوم

کھانے کے اوقات میں

اس احتیاط کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ بھوکا نہ رہے اگرچہ بعض حضرات نے ایک ہفتہ بلکہ دس بارہ دن تک کچھ نہیں کھایا ہے، تابعین حضراتؓ میں بعض اصحاب ایسے تھے کہ چالیس دن تک نہیں کھاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر چھ دن تک بے کھائے رہا کرتے تھے، شیخ ابراہیم ادھم اور سفیان ثوری (رحمہما اللہ) ہر تیسرے روز کھایا کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ جو کوئی چالیس دن تک بغیر کھائے رہتا ہے تو بہت سے عجائب اس پر آشکار ہو جاتے ہیں، ایک صحابیؓ ایک راہب سے مناظرے میں مشغول تھے انھوں نے راہب سے کہا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیوں نہیں لاتے، اس نے جواب دیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور یہ کام سوائے نبی صادقین کے اور کسی سے نہیں ہو سکتا اور تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا نہیں کرتے، انھوں نے جواب دیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا میں ایک ادنیٰ اُمتی ہوں اگر میں چالیس دن تک کچھ نہ کھاؤں تو تم ایمان لے آؤ گے اس نے کہا ہاں! چنانچہ وہ چالیس دن تک بھوکے رہے اور کہا کہ اگر کہو تو کچھ دن اور بڑھا دوں چنانچہ وہ ساٹھ دن تک بھوکے رہے اور وہ راہب مسلمان ہو گیا۔

یہ ایک بہت بڑا درجہ ہے کوئی شخص محض تکلف سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا صرف وہی شخص اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جو صاحب کرامت ہو اور اس کی قوت محفوظ رہتی ہے اور اس کو بھوک نہیں لگتی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو دن یا تین دن تک کچھ نہ کھائے، ممکن ہے کہ بہت سے لوگ ایسا کر سکیں، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہر روز ایک مرتبہ کھائے یہ سب سے کم درجہ ہے اگر دو بار کھائے تو پھر یہ اسراف ہے (کبھی وقت بھی بھوکا نہ رہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر صبح کو تناول فرمالیتے تو رات کو کچھ تناول نہیں فرماتے تھے اور اگر آپ رات کو کھانا تناول فرماتے تو صبح کو کچھ نہ کھاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ارشاد فرماتے کہ خبردار! کھانے میں اسراف نہ کرنا! ایک دن میں دو بار کھانا اسراف ہے، اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کھائے تو اولیٰ یہ ہے کہ سحر کے وقت کھائے تاکہ رات کی نماز میں ٹھیک سے اور اس کا دل

صاف رہے اور اگر رات کو کھانے کی رغبت ہو تو پھر ایک روٹی افطار کے وقت کھائے اور ایک روٹی سحر کو!

تیسری احتیاط

تیسری احتیاط جنسِ طعام کے سلسلہ میں ہے! معلوم ہونا چاہیے کہ گیہوں کا چھنا ہوا آٹا اعلیٰ درجہ ہے اور بغیر چھنا اس کا ادنیٰ درجہ ہے اور جَو کا آٹا چھنا ہوا درمیانی درجہ ہے۔ بہتر سالن گوشت کا شوربا اور شیرینی ہے اور ادنیٰ درجہ سالن کا سرکہ اور نمک ہے اور درمیانی درجہ روغنی روٹی کلہے۔

سالکانِ طریقت نے سالن سے پرہیز کیا ہے وہ اپنے دل میں جس چیز سے رغبت پاتے اس سے خود کو روکتے تھے ان کا کہنا ہے کہ جب نفس کو اس کی مراد حاصل ہوتی ہے تو غرور، غفلت اور ظلمت اس میں پیدا ہوتی ہے پھر وہ دنیا کی زندگی کو درست رکھنے لگتا ہے اور موت کو ناپسند کرنے لگتا ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ دنیا کو اپنے اوپر اتنا تنگ کردے کہ وہ اس کے حق میں زنداں بن جائے اور موت اس کو اس (زنداں) سے نکالے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اَشْرَارُ اُمَّتِي الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ مُخَّ الْحِنْطَةِ (میری امت کے بڑے لوگ وہ ہیں جو میدہ استعمال کرتے ہیں) البتہ کبھی کبھار اس کا استعمال بُرا نہیں ہے (حرام نہیں ہے) بلکہ درست ہے کیونکہ اگر اس کو ہمیشہ استعمال کریں گے تو طبیعت ناز پرور وہ بن جائے گی پھر اس بات کا بھی ڈر ہے کہ غفلت پیدا ہو جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت کے بُرے لوگ وہ ہیں جن کا بدن ناز پرورده ہو اور ان کی تمام تر ہمت گوناگوں نعمتوں کی خواہش اور پوشاک میں مصروف ہو تب وہ خود نمائی کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ تمہارا ٹھکانا قبر ہے پس چاہیے کہ جسم کو خواہش پرستی سے دور رکھو اور جس کو اچھی نعمتیں ملیں اور دل کی آرزو بر آئے وہ نیک لوگوں میں شمار نہیں ہوگا، حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فلکِ چہارم پر دو فرشتے آپس میں ملے ایک نے کہا کہ میں دنیا میں اس لیے جا رہا ہوں کہ فلاں ماہی کو شکاری کے جال میں پھنسا دوں کیونکہ فلاں یہودی اس کا خواستگار ہے، دوسرے فرشتے نے کہا کہ میں زمین پر اس لیے جا رہا ہوں کہ فلاں عابد کے پاس لوگ روغن کا پیالہ لائے ہیں میں اس کو گرا دوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آبِ سرد کا ایک پیالہ جس میں شہد پڑا ہوا تھا پیش کیا گیا آپ نے وہ آبِ سرد نہیں پیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے اس کے مواخذے میں مت ڈالو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار تھے ان کا دل چاہا کہ بھنی ہوئی مچھلی کھائیں، حضرت نافع رضی کہتے ہیں کہ مدینہ میں بڑی جستجو کے بعد ۱½ درہم میں وہ مچھلی میں نے خریدی میں اس کو تل کر آپ کے پاس لے گیا، اتنے میں ایک سائل آگیا آپ نے فرمایا اے نافع! یہ مچھلی سائل کو دے دو! میں نے کہا کہ یہ تو آپ کی فرمائش تھی اور میں نے بڑی کوشش کے بعد یہ مچھلی فراہم کی ہے آپ یہ رہنے دیں میں اس کی قیمت اس سائل کو دے دوں گا آپ نے فرمایا نہیں تم یہ مچھلی

ہی اس کو دے دو چنانچہ میں نے وہ مچھلی اس سائل کو دے دی اور پھر اس کے پیچھے جاکر اس سے مچھلی خرید لی اور پھر آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے فرمایا یہ اسی سائل کو دے دو اور جو قیمت اس کی سائل کو دی ہے وہ بھی واپس مت لو کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی کو ایک چیز کھانے کی خواہش ہو اور وہ اس کو خدا کے واسطے نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔

عتبہ الغلام گندھا ہوا آٹا دھوپ میں سکھا کے بغیر پکائے کھا لیتے تھے تاکہ اس میں مزہ نہ آئے۔ اسی طرح دھوپ میں گرم کیا ہوا پانی پیتے تھے، حضرت مالک دینارؒ کا دل دودھ پینے کو چاہتا تھا آپ نے چالیس سال تک نہیں پیا، کوئی شخص آپ کے پاس لے کر آیا آپ دیر تک اس کو ہاتھ میں لیے رہے پھر آپ نے لانے والے شخص کو واپس دے کر کہا کہ تم کھالو! میں نے چالیس برس سے خرما نہیں کھایا ہے۔

شیخ احمد الوالحواریؒ، شیخ ابوسلیمان دارانیؒ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ میرے پیر نے ایک روز گرم روٹی کی خواہش کی تاکہ اس کو نمک سے کھائیں، میں نے گرم روٹی لاکر پیش کی آپ نے اس کا ایک ٹکڑا توڑا اور پھر رکھ دیا اور رو کر کہنے لگے، بارالہا! تو نے میری خواہش کی چیز مجھے عطا فرمادی، شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے، میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں تو میری تقصیر معاف فرمادے۔ مالک ابن ضیغمؒ فرماتے ہیں کہ پچاس برس ہوچکے ہیں کہ میں دنیا کو طلاق دے چکا ہوں، میرا دل دودھ کا خواہاں ہے لیکن میں جب تک خداوند تعالیٰ کے حضور میں جاؤں نہیں پیوں گا۔ شیخ حماد ابی حنیفہ رحمہا اللہ کہتے ہیں کہ شیخ داؤد طائی کے دروازے پہ ایک روز جب میں پہنچا تو میرے کان میں آواز آئی کہ ایک بار تو نے گاجر مانگی وہ میں نے تجھ کو دے دی، اب تو خرما مانگ رہا ہے وہ میں تجھے ہرگز نہیں دوں گا، جب میں اندر مکان میں پہنچا تو وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا، یہ بات وہ خود اپنے نفس سے کہہ رہے تھے، عتبہ الغلامؒ نے شیخ عبدالواحد بن زید سے کہا کہ فلاں شخص اپنے دل کی ایک ایسی حالت بیان کرتا ہے مجھے وہ حال حاصل نہیں ہے انھوں نے جواب دیا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ روکھی روٹی کھاتا ہے اور تم خرمے کے ساتھ روٹی کھاتے ہو، عتبہ الغلام نے کہا کہ اگر میں خرمے کے ساتھ کھانا ترک کردوں تو کیا وہ حال حاصل ہو جائے گا انھوں نے کہا یقیناً چنانچہ انھوں نے یہ عادت ترک کردی لیکن رونے لگے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اس خرمے کے لیے رو رہے ہو۔ شیخ عبدالواحدؒ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا نفس خرما طلب کر رہا ہے اور ان کے صدق عزم سے واقف ہے جانتا ہے کہ اب کبھی اس کو خرما نہیں ملے گا، اس واسطے ان کا نفس رو رہا ہے۔

شیخ ابوبکرؒ، جلاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے نفس کو ایک چیز کی خواہش تھی، کہتا ہے کہ یہ مجھ سے فلاں چیز کھلانے کا اگر وعدہ کریں تو میں دس دن تک کچھ نہیں کھاؤں گا، انھوں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ

تو دس دن تک نہ کھائے تو اس آرزو سے باز آجا۔

بزرگان طریقت اور سالکانِ معرفت کا یہی طریقہ ہے اگر کوئی شخص اس درجہ تک نہ پہنچ سکے تو اتنا تو کرے کہ بعض خواہشوں سے دستبردار ہو جائے اور اپنا حصّہ دوسروں کو دے دے اور گوشت کھانے پر مداومت نہ کرے، جو شخص چالیس دن تک گوشت کھائے گا اس کا دل سخت ہو جائے گا اور جو شخص چالیس دن تک مطلق کچھ نہ کھائے گا وہ بدخو ہو جائے گا۔

(ہر کہ چہل روز مطلق نخورد بدخو شود" کیمیائے سعادت باب نہران صہ ۳۶۳)۔

اس راہ میں درجۂ اعتدال وہ ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرزند سے فرمایا کہ" کبھی کبھار گوشت کھالیا کرو ایک بار روغن استعمال کرو، ایک بار دودھ، ایک بار سرکہ ایک بار بغیر سالن کے روٹی کھاؤ (اس کو اپنا معمول بنالو)

مستحب یہ ہے کہ آدمی پیٹ بھر کر نہ سوئے کہ اس سے دو غفلتیں پیدا ہوتی ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ" کھانے کے بعد نماز اور ذکر سے تحلیل کرو، سیر ہو کر مت سو جاؤ کہ دل سیاہ ہو جائے گا"، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" کھانے کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اور تسبیح پڑھے یا قرآن کی تلاوت کرے"، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب سیر ہو کر کھاتے تو تمام رات بیدار رہتے اور فرماتے کہ جب جانور کو دانہ اور چارہ دو تو اس سے محنت بھی لو" ایک بزرگ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ بھوک کے وقت مت کھاؤ اور جب کھاؤ تو غذا کو تلاش مت کرو اور اگر تلاش کرو تو اس کو دوست مت رکھو۔

ریاضتِ گرسنگی کا راز

پیر و مرید کا حال اس باب میں مختلف ہوتا ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ گرسنگی سے غرض یہ ہے کہ نفس شکستہ ہو، عاجز ہو اور آداب سیکھے، جب بھوکا رہ کر نفس سدھر جائے تو پھر ان پابندیوں کی ضرورت نہیں ہے، اسی وجہ سے شیخ اپنے تمام مریدوں کو ان تمام ریاضتوں کا حکم دیتا ہے اور خود آپ نہیں کرتا کہ اس سے مقصود گرسنگی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنا کھانا کھایا جائے کہ معدہ بھاری نہ ہو اور بھوک بھی نہ لگے کہ دونوں باتیں تشویش خاطر کا باعث ہیں اور عبادت سے باز رکھتی ہیں۔

کمالِ انسانیت

آدمی کا کمال یہ ہے کہ فرشتوں کی صفت حاصل کرے اور فرشتوں کو نہ بھوک کی اذیت ہوتی ہے نہ طعام کی گرانی،

پس جب تک ابتدائے کار میں نفس پر توجہ نہ دیں گے، اعتدال پیدا نہیں ہوگا چنانچہ اکثر بزرگان دین، اپنے نفس سے بدگمان رہ کر احتیاط کرتے تھے اور وہ جو کامل ہے اور درجۂ کمال پہ پہنچ جاتا ہے وہ اس اعتدال پر مقیم رہتا ہے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اس طرح روزے رکھتے تھے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ آپ کبھی افطار نہیں کریں گے (بغیر صوم کے نہیں رہیں گے) اور کبھی اس طرح بغیر روزے کے رہتے کہ گمان ہوتا تھا کہ آپ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں سے کھانا طلب فرماتے اگر کچھ موجود ہوتا تو تناول فرماتے ورنہ فرما دیتے کہ آج میرا روزہ ہے، شہد اور گوشت غذا میں آپ کو بہت مرغوب تھا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لوگ لذیذ کھانے لے جاتے تو آپ کھا لیتے لیکن حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نہیں کھاتے تھے اور ایسے کھانے واپس کر دیتے تھے حضرت معروف کرخیؒ سے لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میرے بھائی بشر حافیؒ پر زہد غالب ہے اور مجھ پر معرفت کی راہ کشادہ کر دی گئی ہے۔ میں اپنے مولا کے گھر کا مہمان ہوں جب وہ دیتا ہے تو کھاتا ہوں اور جب نہیں دیتا تو صبر کرتا ہوں اس معاملہ میں میرا کچھ اختیار نہیں ہے، اس مقام پر نادان لوگ دھوکے میں آجاتے ہیں کہ وہ شخص جو نفس کو شکستہ نہیں کر سکا ہے وہ بھی یہی کہے گا کہ میں معرفت کرخیؒ کی طرح عارف ہوں پس مجاہدے اور ریاضت سے دو شخص باز رہتے ہیں ایک وہ صدیق جس نے اپنے کام کو سدھار لیا ہے (نفس کو شکستہ کر لیا ہے) دوسرا وہ احمق اور نادان جو یہ گمان کرتا ہے کہ میں اپنے کام کو سدھار لیا ہے (نفس کو شکستہ کر لیا) حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت معروف کرخیؒ اپنی خودی اور انانیت کی قید سے نکل آئے تھے اگر کوئی ان کو مارتا یا گالی دیتا تو وہ ناراض نہیں ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ ان ہی حضرات کے بس کی بات تھی وہ اس سے اور بلند درجے پہ پہنچے پس جب بشر حافیؒ، سری سقطیؒ اور مالک دینارؒ باوجود اس جلالت و قدر و منزلت و مرتبت کے اپنے نفس سے بے فکر اور غافل نہ رہے اور مجاہدوں سے دستبردار نہیں ہوئے تو دوسرے لوگ کس حساب اور شمار میں ہیں۔

خواہشات سے دستبرداری کی آفتیں

ترک خواہشات سے دو آفتیں پیدا ہوتی ہیں ایک یہ کہ آدمی بعض خواہشات کو ترک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہیں چاہتا کہ لوگوں پر اس کی یہ کمزوری ظاہر ہو پس وہ خلوت میں تو کھاتا پیتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے سامنے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے ایسا کرنا عین نفاق ہے اور ممکن ہے کہ شیطان نے اس کو ورغلایا ہو کہ مسلمانوں کا اس میں فائدہ ہے کہ وہ تیرے اس فعل کی پیروی کریں یہ محض ایک کھلا فریب ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزیں لوگوں کے سامنے خرید کرے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو لیکن بعد میں پوشیدہ طور پہ وہ چیزیں دوسروں کو دے دیتے ہیں یہ کمال ایثار ہے اور یہ کام صدیقین کا ہے یہ کام نفس پر بہت ہی دشوار ہے اور خلوص کی شرط یہ ہے کہ نفس پر یہ کام آسان

ہو کیونکہ اگر دشوار ہوگا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس میں ابھی "ریائے خفی" باقی ہے اور وہ ریا کی طاعت و بندگی کر رہا ہے حق کی نہیں! جو کوئی خواہشِ طعام سے گریز کر کے ریائی خواہش میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے بیٹھ جائے جب نفس میں ایسی خواہش پیدا ہو تو چاہیئے کہ لوگوں کے سامنے کھائے پیئے لیکن بہت نہ کھائے تا کہ ریا کا خطرہ بھی ہٹ جائے اور بھوک بھی نہ رہے:

حرصِ جماع کی آفت

معلوم ہونا چاہیئے کہ جماع کے شوق کو انسان پر مسلط کر دیا گیا ہے تا کہ نسل باقی رکھنے کے لیے وہ تخم ریزی کرے علاوہ ازیں اس میں بہشت کی لذت کا نمونہ ہے لیکن اس شہوت کی آفت بہت عظیم ہے! ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرنا کہ اس صورت میں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں تا کہ اس کو بلا میں ڈالوں حضرت سعد بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ جس کسی پیغمبر (علیہ السلام) کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ابلیس ان کو عورتوں کے فریب میں نہ ڈال سکا لیکن مجھے اس آفت کا بہت ڈر ہے؛ اسی وجہ سے وہ اپنے اور اپنی بیٹی کے گھر کے سوا اور کہیں نہیں جاتے تھے

اس خواہش (جماع) میں بھی افراط و تفریط اور اعتدال کے درجات ہیں، افراط یہ ہے انسان فسق و فجور سے نہ گھبرائے اور سراپا اس میں غرق ہو جائے، ایسی شہوت کو روزے سے توڑنا ضروری ہے اگر روزے سے بھی نہ ٹوٹے تو نکاح کرے تفریط یہ ہے کہ مطلقاً شہوت باقی نہ رہے یہ بھی نقصان کی صورت ہے۔ اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ شہوت مغلوب رہے بعض لوگ میٹھی چیزیں اور کھاتے ہیں تا کہ ان کی شہوت میں اضافہ ہو یہ محض حماقت ہے، ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو بھڑوں کے چھتے کو چھیڑتا ہے پھر وہ اس پر گرتی ہیں (اس کو کاٹتی ہیں) جو شخص متعدد نکاح کرنے کا خواہش مند ہے اور سب بیویوں کا حق ادا کرنا چاہتا ہے تب مضائقہ نہیں کیونکہ مرد، عورتوں کے حصار ہیں۔

ایک حدیث (غریب) میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے اندر باہ کی کمزوری پائی تو جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ ہریسہ کھائیے، اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو (۹) تھیں اور کسی اور شخص کو ان سے نکاح کرنا حرام تھا اور ان کو کسی سے امید نکاح نہ تھی (متن کیمیائے سعادت کے الفاظ یہ ہیں ؎

واندر غرائب اخبار است کہ گفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اندر خود ضعف شہوت دیدم جبرائیل علیہ السلام مرا ہریسہ فرمود، سبب آں بود کہ وے نہ زناں داشتند ایشاں بر ہمہ عالم حرام شدہ بودند وامید ایشاں از ہمہ گسستہ بود۔ کیمیائے سعادت ص ۲۶۵ چاپ تہران۔)

شہوت فرج کی آفتوں میں سے ایک آفت عشق ہے۔ جس کے باعث بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں، آدمی اگر ابتدا میں احتیاط نہ کرے تو سمجھ لو کہ ہاتھ سے گیا، اس کی تدبیر یہ ہے کہ آنکھ کو بچائے اگر اتفاقاً کسی پر پڑ جائے تو دوسری مرتبہ اس کو بچا سکتا ہے لیکن اگر آنکھ کو آزاد چھوڑ دے گا تو پھر روکنا دشوار ہوگا، اس معاملہ میں نفس کی مثال اس گھوڑے کی ہے کہ اولاً اگر کسی غلط راہ کا قصد کرے تو اس کی باگ موڑنا آسان ہے اور جب وہ لگام سے آزاد ہوگیا تو پھر اس کی دم پکڑ کر اس کو روکنا دشوار ہوگا، پس آنکھ کو قابو میں کرنا چاہیئے یہی اصل کام ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام آنکھ ہی کے باعث مبتلا ہوئے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا آنکھ سے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس کو زہر کے پانی سے بجھایا گیا ہے۔ پس جو کوئی خداوند کریم کے ڈر سے اپنی نگاہ کو بچائے گا اس کو ایسا ایمان نصیب ہو جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا، حضور علیہ التحیۃ والثنا نے یہ بھی فرمایا کہ "میرے بعد امت کے معاملہ میں عورتیں بڑے فتنے کا موجب ہوں گی"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ آنکھ بھی شرمگاہ کی طرح زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زنا نظر ہے، وہ شخص جو نظر بچانے کی قدرت نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ شہوت کی ریاضت سے ختم کرے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ روزے رکھے ورنہ نکاح کرے، اگر نظر کو امردوں سے نہ بچا سکے تو یہ بڑی آفت ہے اس کو جائز نہیں کہا جا سکتا، جس شخص کے دل میں امرد کے دیکھنے سے شہوت پیدا ہوتی ہو اور وہ اس سے لطف اندوز ہو تو ایسی دید حرام ہے ہاں اگر ایسی لذت اور راحت حاصل ہو جیسے سبزے، پھول اور اچھے نقش و نگار کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے (شہوت پیدا نہیں ہوتی) تو پھر اس میں کچھ قباحت نہیں ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ امرد کے دیکھنے پر اس کی قربت کا خیال پیدا نہ ہو کہ غنچے اور پھول اچھے لگتے ہی ہیں لیکن ان کو چھونے اور چومنے کی آرزو پیدا نہیں ہوتی اگر اس طرح کی خواہش دل میں پیدا ہو تو یہ علامت شہوت کی ہے اور لواطت کی طرف پہلا قدم ہے۔

ایک شیخ کا ارشاد

ایک شیخ کا ارشاد ہے کہ مرید کے معاملہ میں مجھے کسی شیر سے اتنا خوف نہیں آتا جو امرد سے پیدا ہوتا ہے، ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک بار شہوت کے غلبہ سے میں بے تاب ہوا، بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی، ایک رات میں نے ایک شخص کو میں نے خواب میں دیکھا، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تجھے کیا ہوا ہے میں نے اپنا حال بیان کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا، جب میں بیدار ہوا تو میری طبیعت میں سکون تھا اس طرح ایک سال گزر گیا، اس کے بعد پھر شہوت کا زور ہوا پھر میں نے اسی طرح آہ وزاری کی وہی صاحب پھر خواب میں نظر آئے اور مجھ سے فرمایا کیا تو اس شہوت کا دفع چاہتا ہے میں نے کہا ہاں، انہوں نے فرمایا گردن جھکا، میں نے

گردن جھکا دی! انہوں نے تلوار سے میری گردن اڑا دی! جب میں بیدار ہوا تو مجھے سکون تھا اس طرح ایک سال اور گزر گیا، سال کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی میں رونے لگا میں نے خواب میں پھر انہی صاحب کو دیکھا، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تو خود سے ایسی چیز کو رفع کرنا چاہتا ہے جو خدا کی مرضی نہیں ہے جب میں بیدار ہوا تو (متنبہ ہو کر) میں نے نکاح کر لیا اور اس غلبۂ شہوت سے نجات حاصل کی:

شہوت کو روکنے والے شخص کا اجر

معلوم ہونا چاہیئے کہ جس قدر شہوت غالب ہوگی، اس کے روکنے سے اسی قدر زیادہ ثواب حاصل ہوگا انسان پر اس شہوت کا غلبہ بہت زبردست ہوتا ہے لیکن اس شہوت کا جو مطلب ہے وہ عظیم گناہ ہے بس وہ لوگ جو شہوت رانی سے الگ تھلگ رہتے ہیں اس کا سبب اگر ان کا عجز یا خوف یا شرم یا بدنامی کا ڈر ہے تو پھر یہ بچاؤ ثواب کا موجب نہیں ہے کیونکہ یہ گریز اور بچاؤ تو دنیاوی غرض کی بنا پر ہوا شرع کی اطاعت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اسباب معصیت سے انسان کا عاجز ہونا اس کی سعادت ہے کیونکہ وہ اپنے اس عجز کے باعث گناہ اور عذاب سے تو بچ گیا اور اگر کوئی شخص اس شہوت پر قادر ہے اور بغیر کسی مانع کے محض حق تعالیٰ کے خوف سے ترک کر دے گا تو اس کا اجر عظیم حاصل ہوگا اور وہ ان سات آدمیوں (سات طبقات) میں شامل ہوگا جو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رہیں گے اور اس کا درجہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مانند ہوگا، اس معاملہ میں خواہ وہ حاکم ہو یا رعیت جب اس کو ترک کر دے گا وہ یوسف علیہ السلام کے مثل ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان بن یسار بہت صاحب جمال تھے، ایک عورت ان کے پاس آئی تو یہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں انہوں نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں "میں اس عورت کا قصد کرتا اگر اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتا اور تو سلیمان ہے کہ تو نے اس عورت کا قصد نہیں کیا، یہ اشارہ اس آیت کی طرف ہے:۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا الآیۃ (بے شک عورت نے یوسفؑ کا قصد کیا اور یوسف (علیہ السلام) بھی اس عورت کا قصد کرتے) یہ ہی سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حج کو جا رہا تھا جب مدینہ سے نکل کر ابوا میں پڑاؤ کیا تو میرا ساتھی اناج لادنے کے لئے چلا گیا، اتنے میں ایک عورت آئی جو حسن میں عرب کی ماہ جبین تھی، اس نے مجھ سے کہا اٹھو! میں سمجھا کہ مجھ سے کھانا مانگ رہی ہے دسترخوان لانے لگا تو اس نے کہا یہ نہیں چاہیئے میں تو وہ چاہتی ہوں جو عورتیں مردوں سے چاہتی ہیں، میں سر جھکا کر رونے لگا اور اس قدر رویا کہ وہ عورت مایوس ہو کر چلی گئی، جب میرا رفیق واپس آیا اور میرے چہرے پر رونے کا اثر دیکھا تو مجھ سے دریافت کیا کہ یہ رونا کیسا! میں نے جواب دیا کہ بچے یاد آگئے تھے ان کی یاد میں رو دیا تھا، میرے ساتھی نے کہا یہ بات نہیں ہے! تم پر جو افتاد گزری ہے وہ مجھے سناؤ! جب اس نے بہت

ضد کی تو میں نے جو کچھ واقعہ گزرا تھا اس کو سنایا، یہ قصہ سن کر وہ بھی رونے لگا میں نے کہا کہ تم کیوں رو رہے ہو! اس نے کہا کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو مجھ سے انکار نہیں ہو سکتا تھا، پھر جب ہم مکہ معظمہ پہنچے تو طواف وسعی سے فراغت کے بعد ایک حجرے میں جا کر سو گیا، خواب میں ایک بہت ہی حسین وجمیل شخص کو میں نے دیکھا میں۔ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں یوسف (علیہ السلام) ہوں! میں نے کہا اچھا آپ ہی یوسف صدیق ہیں! فرمایا ہاں! میں نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ عجیب وغریب ہے! آپ نے فرمایا اعرابی عورت کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بھی زیادہ ہے!!

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں تین شخص سفر پہ گئے جب رات ہوئی تو ایک غار میں (سونے کے لیے) چلے گئے تاکہ بے فکری سے رات گزاریں رات میں ایک بڑا پتھر (چٹان) پہاڑ سے گرا اور اس سے اس غار کا دروازہ ایسا بند ہو گیا کہ راستہ باہر نکلنے کا نہ رہا اس پتھر کا ہلانا بھی ممکن نہ تھا اب ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر کے ہٹانے کی بس یہی تدبیر ہے کہ ہم بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں اور ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی اپنی نیکی کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرے ممکن ہے کہ اس نیکی کے وسیلے سے خداوند ذوالجلال ہماری مشکل کو آسان کر دے چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا، بارالٰہا! تجھ پر روشن ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو کھانا نہیں دیتا تھا جب میرے ماں باپ کھانا کھا لیتے تھے تب میرے زن وفرزند کھاتے تھے) ایک روز میں کسی کام سے گیا تھا بہت رات گئے واپس آیا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے میں ان کے لیے ایک پیالہ دودھ کا لایا تھا میں ان کے جاگنے کے انتظار میں رہا اور دودھ کا وہ پیالہ اسی طرح میرے ہاتھ میں تھا، میرے بچے بھوک سے رو رہے تھے لیکن میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب تک میرے ماں باپ دودھ نہیں پی لیں گے میں تم کو کھانا نہیں دوں گا اور میرے ماں باپ صبح تک بیدار نہیں ہوئے اور میں دودھ کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لیے اسی طرح کھڑا رہا حالانکہ میں اور میرے بچے بھوکے تھے، الٰہی! اگر میرے اس عمل میں خلوص تھا تو ہماری اس مشکل کو آسان فرما دے، اس دعا سے پتھر اپنی جگہ سے ہلا اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا لیکن ہم لوگ اس سوراخ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

دوسرے ساتھی نے اس طرح دعا کی کہ خدایا! تجھ پر روشن ہے کہ میری ایک عم زاد بہن تھی جس پر میں فریفتہ تھا لیکن وہ مجھ سے کسی طرح راغب نہیں ہوتی تھی اور میرے کہنے پر عمل نہیں کرتی تھی ایک سال سخت قحط پڑا وہ قحط سے عاجز ہو گئی اور میرے پاس آئی، میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پہ دیئے کہ وہ میرا کہنا مان لے، جب میں اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے جو تم میری بکارت اس کے حکم کے بغیر زائل کرنا چاہتے ہو، میں نے خدا کے خوف سے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اس کا قصد نہیں کیا حالانکہ دنیا میں اس سے

زیادہ مجھے اور کوئی چیز عزیز نہیں تھی، بارالہا! اگر میرا یہ فعل تیری رضا کی خاطر تھا تو اس مشکل کو حل فرمادے۔ اس دعا سے اس پتھر نے پھر حرکت کی اور راستہ کچھ اور کشادہ ہوگیا لیکن اب بھی اس سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔

جب تیسرے ساتھی کی باری آئی تو وہ کہنے لگا کہ "ایک بار میرے پاس کچھ مزدور کام کر رہے تھے۔ سب نے اپنی اپنی اجرت مجھ سے لے لی سوائے ایک شخص کے وہ کہیں چلا گیا، میں نے اس کی اجرت کی رقم سے بکریاں خریدلیں اور ان بکریوں کی میں نے تجارت شروع کر دی، مال بڑھتا گیا، ایک عرصہ دراز کے بعد وہ شخص اپنی مزدوری لینے کے لیے میرے پاس آیا، اس وقت اس کے مال میں بہت سے اونٹ، خچر، بکریاں اور چند غلام تھے، میں نے اس سے کہا کہ یہ سب مال تمہارا ہے، اس کو لے لو، اس نے کہا کہ اب مجھ سے کیوں مذاق کر رہے ہیں، میں نے کہا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں یہ تمام مال تمہاری اس رقم سے بڑھا ہے، الغرض وہ تمام مال میں نے اس کے حوالے کر دیا اور اپنے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں رکھا، الٰہی! اگر میرا یہ عمل خاص تیرے لیے تھا تو ہماری مشکل آسان فرما دے اس دعا پر وہ پتھر وہاں سے کھسک گیا اور راستہ کشادہ ہوگیا اور وہ تینوں ساتھی غار سے باہر نکل آئے"۔

شیخ ابوبکر بن عبداللہ حزنیؒ کہتے ہیں کہ ایک قصاب اپنے پڑوسی کی لونڈی پر عاشق تھا، ایک روز وہ کنیز کسی دوسرے گاؤں کو جارہی تھی قصاب اس کے پیچھے لگ گیا اور کچھ دور جاکر اس کو پکڑ لیا تب کنیز نے کہا کہ اے جوان! میرا دل بھی تجھ پر فریفتہ ہے لیکن میں خداوند کریم سے ڈرتی ہوں یہ سن کر اس قصاب نے کہا کہ جب تو اللہ سے ڈرتی ہے تو کیا میں اس سے نہ ڈروں یہ کہہ کر وہ توبہ کر کے وہاں سے پلٹ پڑا لیکن راستے میں پیاس کے مارے دم لبوں پر آگیا، اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ شخص کسی پیغمبر کا قاصد تھا اس مرد قاصد نے پوچھا اے جوان کیا حال ہے قصاب نے جواب دیا کہ پیاس سے بدحال ہوں اس شخص نے کہا کہ آؤ ہم دونوں مل کر خدا سے دعا کریں تاکہ خدا تعالیٰ ابر کے فرشتے کو بھیج دے اور وہ شہر پہنچنے تک اپنا سایہ ہم پر کئے رہے اس جوان نے کہا کہ میں نے تو خدا کی عبادت بھی نہیں کی ہے میں کس طرح دعا کروں، تم دعا کرو میں آمین کہوں گا اس شخص نے دعا مانگی، ابر کا ایک ٹکڑا ان کے سروں پر سایہ فگن ہوگیا یہ دونوں راستہ طے کرتے ہوئے جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ابر کا ٹکڑا قصاب کے سر پہ سایہ افگن رہا اور وہ قاصد دھوپ میں ہوگیا تب اس نے کہا کہ اے جوان تو نے کہا تھا کہ میں نے بندگی نہیں کی ہے لیکن ابر کا ٹکڑا تیرے سر پہ سایہ افگن ہے تو مجھے اپنا حال سنا اس نے کہا کہ اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں لیکن ایک کنیز سے خوف خدا کی بات سن کر میں نے برے کام سے توبہ ضرور کی تھی، قاصد نے کہا سچ ہے خداوند تعالیٰ کے حضور میں جو مرتبہ اور درجہ تائب کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

٭ ٭ ٭

نظر حرام اور عورتوں کے دیکھنے کی آفت

اے عزیز! شاید ہی کوئی ایسا ہو جو نظرِ حرام سے اپنے آپ کو بچا سکے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے علاوہ) اسی واسطے اولیٰ یہ ہے کہ پہلے ہی سے اس کا بندوبست کر لیا جائے اور وہ آنکھ سے غیر عورت کا دیکھنا ہے، شیخ علاء بن زیاد نے کہا ہے کہ کسی عورت کی چادر پر بھی نظر نہ ڈالو کہ اس سے دل میں ایک آرزو پیدا ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کا لباس دیکھنے، ان کی خوشبو سونگھنے، آواز سننے اور سلام و پیام بھیجنے سے حذر کرنا واجب ہے ایسی جگہ جانا ہی مناسب نہیں جہاں اگر تم عورت کو نہ دیکھ سکو لیکن عورت تم کو دیکھ سکے اس لیے کہ جہاں حسن و جمال ہوگا وہاں شوقِ وصال شہوت کا بیج دل میں بو دے گا پس عورت کو چاہیئے کہ خوبصورت مردوں سے حذر کرے۔ جو نظر قصداً اور ارادے سے عورت پر ڈالی جائے گی وہ حرام ہے البتہ اگر بے اختیار کسی پر نظر پڑ جائے تو اس میں گناہ نہیں لیکن دوسری نظر ڈالنا حرام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ پہلی نظر تیرے لیے نفع ہے اور دوسری نظر سے نقصان ہے، حضور علیہ التحیۃ والثنا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کا عاشق ہو اور اس نے خود کو اس سے بچایا اور اسی غم میں مر گیا تو شہید ہے، خود کو بچانے سے مراد یہ ہے کہ پہلی نظر اتفاقاً پڑ جائے تو دوسری نظر کو روکے اور دیکھنے کی آرزو نہ کرے بلکہ اس طلب اور آرزو کو دل میں چھپائے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مردوں اور عورتوں کی مصاحبت اور ہم نشینی اور نظربازی ایسا فساد کا بیج ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی تخم فساد نہیں ہے جبکہ درمیان میں پردہ حائل نہ ہو، عورتیں جو چادر اوڑھتی ہیں اور نقاب ڈالتی ہیں یہ کافی نہیں ہے بلکہ جب وہ سفید چادر اوڑھتی ہیں یا خوبصورت نقاب ڈالتی ہیں تو شہوت کو اس سے زیادہ تحریک ہوتی ہے کہ شاید منہ کھولتے پردہ اور زیادہ حسین نظر آئیں پس سفید چادر اور . . . خوبصورت نقاب و برقع پہنے ہوئے باہر جانا عورتوں کے حق میں حرام ہے جو عورت ایسا کرے گی گنہگار ہوگی، اگر باپ بھائی یا شوہر اس کو اس بات کی اجازت دینگے تو وہ بھی اس کی معصیت میں شریک ہوں گے۔ کسی مرد کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ عورت کا لباس پہنے، شہوت کے ارادے سے یا اس کی خوشبو سے خط اٹھانے کے لیے اس کے کپڑوں کو ہاتھوں میں لے یا کسی عورت کو پھول دے یا اس سے خود قبول کرے یا لطف و مدارا کے ساتھ اس سے بات کرے اسی طرح عورت کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ اجنبی مرد سے بات کرے اور ضروری ہو تو سخت اور تند لہجہ میں بات کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ	اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے! ہاں اچھی

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ ج
بات کہو: (احزاب)

یعنی اللہ تعالےٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے فرماتا ہے، نرم اور خوش آواز کے ساتھ مردوں سے بات نہ کرو ورنہ وہ شخص طمع کرے گا جس کے دل میں آزار ہے اور ان سے قولِ معروف کہو؛

جس کوزے سے کسی عورت نے پانی پیا ہے تو قصداً اس جگہ منہ لگا کر پانی پینا جہاں اس عورت نے منہ لگایا تھا پینا درست نہیں ہے، اسی طرح کسی پھل پر جہاں عورت کا دانت لگا ہو اس کا بھی کھانا روا نہیں ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی اور آپ کے بچے اس پیالے کو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک دہن اور پاک انگلیاں لگی تھیں تبرک کے طور پر اپنی انگلیوں سے مَس کرتے تھے تاکہ ثواب حاصل ہو۔

اگر کوئی حصولِ لذت کے مقصود سے ایسے برتن کو چھوئے (جو کسی عورت کے دہن سے لگا ہو) تو وہاں گناہ ہے پس عورت سے تعلق رکھنے والی اس قسم کی چیز سے حذر کرنا ضروری ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب کوئی عورت یا مرد کسی کے سامنے آتا ہے تو شیطان وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اس کو دیکھنا چاہیے اس وقت تم کو کہنا چاہیئے کہ میں اس کو کیا دیکھوں اگر وہ بدصورت ہے تو مجھے دُکھ بھی ہوگا اور گنہگار بھی بنوں گا کیونکہ میں تو اس خیال میں اس کو دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ حسین وجمیل ہے اور اگر وہ خوبصورت ہے اس کا دیکھنا جائز نہیں گناہ کا موجب ہے اور حسرت دل میں رہے گی اور اگر اس کا تعاقب کروں تو دین اور عمر دونوں برباد ہوتے ہیں اور پھر بھی یقین نہیں کہ مقصد حاصل ہو۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اچانک ایک حسین عورت پر پڑ گئی آپ اسی وقت اس جگہ سے گھر واپس تشریف لائے اور حرم محترم سے قربت کی پھر غسل فرمایا اور باہر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو تعلیم کے لیے فرمایا کہ جس کے سامنے کوئی عورت آئے اور شیطان اس کی شہوت کو حرکت میں لائے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر جاکر اپنی بیوی سے قربت کرے کہ جو چیز تمہاری بیوی کے پاس ہے وہی اس عورت کے پاس ہے۔

اصل سوم

حرص گفتگو کا علاج اور زبان کی آفتیں

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ زبان عجائبات صفت الٰہی سے ہے اگرچہ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن حقیقت میں جو کچھ موجود ہے وہ سب کچھ اس کے تصرف میں ہے وہ بھی! کیونکہ وہ موجود و معدوم دونوں کا بیان کرتی ہے، زبان عقل کی نائب ہے اور عقل کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور جو کچھ عقل و وہم اور خیال میں آتا ہے زبان اس کی تعبیر کرتی ہے (اس کو بیان کرتی ہے) انسان کے کسی دوسرے عضو میں یہ صفت نہیں ہے آنکھ کی حکومت میں فقط انواع و اشکال ہیں اور کان کی حکومت فقط آواز پر ہے دوسرے عضا کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے ہر عضو کی حکومت مملکت وجود کے ایک خطّے پر ہو گی لیکن زبان کی حکومت ساری مملکت وجود میں جاری و ساری ہے، بالکل دل کی حکومت کی طرح، جس طرح زبان دل سے صورتیں لے کر بیان کرتی ہے اسی طرح دوسری صورتیں دل کو پہنچاتی ہے اور جو بات وہ کہتی ہے دل میں اس سے ایک صفت پیدا ہوتی ہے مثلاً جب انسان گریہ وزاری کرتا ہے اور زبان سے الفاظ نوحہ گری کے نکالتا ہے تو دل اس سے رقّت اور سوز کی صفت لیتا ہے اور دل کی تپش کی حرارت دماغ کو پہنچتی ہے اور وہ بخار (آنسو بن کر) آنکھوں سے نکلتا ہے اور جب خوشی کی باتیں، معشوق کی صفت بیان کرتی ہے تو دل میں سرور و نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور شہوت متحرک ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک کلمہ جو اس سے ادا ہوتا ہے اس سے ایک صفت اس کلمہ کے مطابق دل میں رونما ہوتی ہے اور یہی زبان جب بُری باتیں کہتی ہے تو دل تاریک ہو جاتا ہے اور جب اس سے حق بات نکلتی ہے تو دل روشن ہوتا ہے جب یہ جھوٹ باتیں کرتی ہے تو دل اندھا ہو کر چیزوں کو ٹھیک نہیں دیکھتا اور اس آئینے کے مانند ہو جاتا ہے جو بے نور ہو گیا ہے اسی وجہ سے شاعر اور دروغ گو کا خواب اکثر و بیشتر سچ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا باطن دروغ گوئی سے اندھا ہو گیا ہے اور اس کے برعکس جو شخص سچ بولنے کا خوگر ہے اس کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ جس طرح دروغ گو سچا خواب نہیں دیکھتا تو جب وہ اس جہان سے رخصت ہوتا ہے تو بارگاہِ خدا بھی جس کے دیدار میں بڑی لذت ہے، اس کے دل میں بے نور نظر آتی ہے، اور لذت سعادت سے محروم

رہتا ہے، جس طرح بے نور آئینے میں اچھی صورت بری نظر آتی ہے یا جس طرح تلوار کے طول وعرض میں چہرے کی خوبصورتی بگڑ جاتی ہے تو اس دل کے کام اور خداوند تعالیٰ کے کاموں کی حقیقت بھی اس کے دل میں اسی طرح پھر دبگڑی ہوئی صورتوں میں، نظر آئے گی، پس دل کی راستی وکجی، زبان کی راستی اور کجی کے تابع ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک دل راست نہ ہوگا۔ پس زبان کی آفت اور خرابی، فحش گوئی، دشنام طرازی اور زبان درازی کی لعنت، مسخرہ پن اور یاوہ گوئی کی آفت، دروغ گوئی غمازی اور نفاق کی آفت ہے، ہم، ہجو ومدح وغیرہا کی آفت بیان کر کے انشاء اللہ اس کا علاج بتائیں گے۔

خاموشی کا ثواب

کوئی تدبیر خاموشی سے بہتر نہیں ہے

اے عزیز! جب یہ معلوم ہو گیا کہ زبان کی آفتیں بے شمار ہیں تو پھر کوئی تدبیر خاموشی سے بہتر نہیں ہے پس حتی الامکان انسان کو چاہیئے کہ زیادہ بات نہ کرے، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ابدال وہ لوگ ہیں جن کا بات کرنا، کھانا پینا اور سونا صرف بقدر ضرورت ہوتا ہے، اور حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ط	ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات کا یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔ (انبیار)

یعنی پوشیدہ باتیں خوب نہیں ہیں مگر خیرات کا حکم اور امر معروف اور لوگوں میں صلح صفائی کرا دینا۔ حدیث شریف میں آیا ہے، من سکت نجیٰ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی"، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کو شکم، فرج اور زبان کے شر سے محفوظ رکھا گیا وہ سب چیزوں سے مامون رہا" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ نے دہن اطہر سے پاک زبان باہر نکال کر اس پر انگلی رکھی یعنی خاموشی"، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنی زبان کو انگلیوں سے پکڑ کھینچ رہے تھے اور اس کو ملتے تھے، میں نے کہا یا خلیفۃ الرسول اللہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، اس نے مجھ کو بہت سے معاملات میں مبتلا کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ بنی آدم کی اکثر تقصیریں اس کی زبان میں ہیں! آپ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے، کیا میں تم کو ایک بہت ہی آسان عبادت کی خبر دوں، وہ زبان کو خاموشی اور نیک عادت ہے"، آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو کوئی خداوند تعالےٰ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اس سے کہدو کہ آدمی اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے"۔ حضرت

عیسٰے علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم کو کچھ سکھلائیے تاکہ بہشت میں ہم کو جگہ ملے، آپ نے فرمایا کہ ہرگز بات نہ کرو، لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا! تو آپ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو سوائے نیک بات کے زبان سے کچھ اور نہ نکالو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جب تم کسی مومن کو خاموش اور سنجیدہ پاؤ تو اس سے تقرب حاصل کرو وہ بغیر حکمت کے نہ ہوگا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو لبیا، گو ہوگا وہ بہت بے ہودہ ہوگا اور وہ بڑا گنہگار ہوگا اور دوزخ میں جائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں کنکریاں رکھ لیتے تھے تاکہ بات نہ کرسکیں، حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عبادتیں دس ہیں ان میں سے ۹ تو خاموشی میں ہیں اور دسویں لوگوں سے بچنا اور گریز کرنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ زبان سے زیادہ اور کوئی چیز قید کرنے کے لائق نہیں ہے۔ جناب یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی زبان کو روکا ہے اس کے سب اعمال میں مَیں نے خوبی کا مشاہدہ کیا ہے۔" منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے لوگ گفتگو کر رہے تھے مگر احنف" خاموش تھے حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا کہ تم بات کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں جھوٹ بات کرتا ہوں تو خداوند کریم سے ڈرتا ہوں اور اگر سچ کہتا ہوں تو مجھے آپ کا خوف ہے۔" شیخ ربیع بن خثیمؒ نے بیس سال تک دنیا کی کوئی بات نہیں کی وہ صبح کو اٹھتے تو قلم اور کاغذ لے کر جو بات کہنا ہوتی اس کو لکھ لیتے اور اس کا حساب دل میں کرتے۔"

خاموشی کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ خاموشی کی بہت فضیلت ہے اور یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ زبان کی آفتیں بہت ہیں اور زبان سے ہمیشہ بے ہودہ بات نکلتی ہے کہنا تو بہت آسان ہے لیکن بُرے بھلے میں تمیز کرنا دشوار ہے پس خاموشی سے انسان اس کے وبال سے محفوظ رہتا ہے خاطر جمعی کے ساتھ ذکر فکر کرسکتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ گفتگو چار طرح پر ہے (چار قسمیں ہیں) ایک یہ کہ تمام مستحق حضرت ہی حضرت ہو اور دوسری یہ کہ اس میں حضرت بھی ہو اور منفعت بھی! تیسری یہ کہ نہ ضرر ہو نہ منفعت! چوتھی قسم یہ ہے کہ صرف منفعت ہو! بس مذکورہ تین قسمیں تو اجتناب کے لائق ہیں صرف ایک قسم کے لائق ہے اور یہ وہی قسم ہے جس کے بارے میں حق تعالٰے نے ارشاد فرمایا! اس کی منفعت اس

حدیث شریف میں جو وارد ہے

وقت معلوم ہوگی جب زبان کی آفتوں سے آگاہی ہو پس ہم ان آفتوں کو سلسلہ وار تفصیل سے ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

پہلی آفت

پہلی آفت یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس کے کہنے کی ضرورت نہ ہو۔ اور اس کے نہ کہنے سے کسی قسم کا نقصان یا مضرت دینی یا دنیوی نہ ہو پس اگر تم نے ایسی بیکار اور بے ضرورت بات کہی تو تم حسن اسلام سے نکل جاؤ گے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ

آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے معنی بات ترک کر دے

لایعنی کلام کی مثال یہ ہے کہ تم دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سفر کا احوال، باغ، بوستاں کی کیفیت اور جو کچھ روئیداد ہو اس کو بے کم و کالت بیان کر دو یہ سب یاوہ گوئی اور زیادہ گوئی ہے اس کی حاجت نہیں تھی اور اس کے نہ کہنے سے ضرر کا کچھ اندیشہ نہیں تھا اسی طرح اگر کسی سے ملاقات ہو اور اس سے ایسی بات پوچھو جس کی تم کو حاجت نہیں ہے اور تمہارے دریافت کرنے میں کوئی آفت اور ضرر کا اندیشہ نہیں مثلاً تم کسی سے پوچھو کیا تم نے روزہ رکھا ہے اب اگر وہ جواب میں وہ سچ کہتا ہے تو اس سے عبادت کا اظہار ہوتا ہے اور اگر جھوٹ کہتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے اور اس کے جھوٹ بولنے کا موجب تم ہو گے اور یہ بالکل بیجا ہے اسی طرح اگر تم کسی شخص سے پوچھتے ہو کہ کہاں سے آرہے ہو یا کیا کر رہے ہو تو ممکن ہے کہ وہ اس بات کو چھپانا چاہتا ہو اور وہ جھوٹ بات کہہ دے یہ سب کلام بے جا اور یاوہ گوئی ہے اور معقول بات وہ ہے جس میں باطل کا دخل نہ ہو، منقول ہے کہ جناب لقمان ایک سال تک حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں آتے جاتے رہے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے رہتے تھے جناب لقمان معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ زرہ کیوں بناتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے نہیں پوچھا جب زرہ بن کر تیار ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو پہنا اور خود ہی فرمایا "جنگ کے لیے یہ اچھی پوشاک ہے" تب جناب لقمان سمجھ گئے کہ خاموشی حکمت ہے لیکن اب لوگوں کو اس کا خیال نہیں ہے۔

لوگ عام طور پر اس قسم کا سوال کرتے ہیں اس کا موجب یہ ہے کہ چاہتے ہیں کہ کسی کا حال معلوم کریں، بات چیت کریں اور اپنی دوستی کا اس طرح اظہار کریں، اس کا علاج یہ ہے کہ قائل یا سائل یہ سمجھے کہ موت درپیش ہے اور بہت قریب ہے پس تسبیح اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے کہ وہ ذخیرۂ آخرت ہو گا اور سمجھے کہ اگر اس کو ضائع کر دوں گا تو خود اپنا نقصان ہے یہ تو علمی علاج تھا، عملی علاج یہ ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرے یا خاموشی کے لیے منہ میں کنکریاں رکھ لے!!

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنگ احد کے روز ایک جوان شہید ہوا جب اس کو دیکھا تو اس کے پیٹ پر بھوک کے باعث پتھر بندھے ہوئے تھے اس کی ماں اس کے چہرے سے غبار صاف کرتی جاتی تھی اور کہتی تھی ھَنِیْئًا لَکَ الْجَنَّۃُ (تجھے بہشت مبارک ہو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ

تجھے کیا معلوم شاید یہ اپنے بخل کے باعث بھوکا رہا ہو اور اب وہ مال اس کے کام نہ آئے گا! یا انسان اپنے بارے میں بات کرے جس کی اس کو ضرورت ہو، مطلب یہ ہے کہ اس کا حساب اس سے پوچھا جائے گا پس خوش اور مبارک وہ کام ہے جس میں کچھ رنج اور حساب کا معاملہ نہ ہو!!

منقول ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا پس حضرت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دروازے سے داخل ہوئے لوگوں نے یہ خوشخبری ان کو سنادی اور دریافت کیا کہ کون سا عمل وہ ہے جس کے باعث آپ کو یہ بشارت دی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا عمل تو بہت تھوڑا ہے لیکن میں نے کبھی بھی جس کام سے میرا تعلق نہ ہوتا اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت نہیں کیا اور نہ میں نے لوگوں کی بدخواہی کی۔

معلوم ہونا چاہیئے جو بات ایک لفظ میں ادا ہو سکتی ہو اگر اس کو دو لفظوں میں ادا کیا جائے تو یہ دوسرا لفظ فضول اور زیادہ ہے اور اس کا وبال تمھاری گردن پر ہوگا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے بات کرے اور اس کا جواب اس آب سرد کی طرح جو پیاسا چاہتا ہے میرے پاس موجود ہو تب بھی میں اس کا جواب نہیں دوں گا کہ مبادا وہ جواب بیہودہ ہو۔ جناب مطرف ؒ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے جلال کی تکریم اس طرح کرو کہ ہر بات پر اس کا نام زبان پر نہ آئے مثلاً جانور اور بلی تک کو کہہ دیتے ہیں کہ "خدا تیرا ناس کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیک بخت وہ شخص ہے جس نے بیادہ گوئی سے خود کو روکا اور (راہ خدا میں) زیادہ مال صرف کیا لیکن لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں کہ مال کو فضول اور بیکار دبا کر رکھتے ہیں اور کلام فضول صرف کرتے ہیں، حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آدمی کو زبان درازی سے بدتر کوئی چیز نہیں دی گئی، تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کچھ تو کہے گا اس کو تیرے حساب میں لکھا جائے گا،" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝

یعنی کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

اگر ایسا ہوتا کہ فرشتے رائیگاں باتوں کو نہ لکھتے اور باتوں کو تحریر میں لانے کی اُجرت طلب کرتے (نہ وہ دس باتوں کے بجائے ایک بات لکھتے! ایسا نہیں ہے) بس سمجھ لینا چاہیئے کہ بسیار گوئی میں وقت ضائع کرنا گویا وہ اجرت ہے جو تجھ سے طلب کی جا سکتی تھی۔

دوسری آفت

دوسری آفت وہ سخن ہے جو محض باطل اور معصیت میں کیا جائے، باطل یہ ہے کہ بدعات میں کلام کیا جائے اور معصیت یہ ہے کہ اپنے اور دوسروں کے گناہ فسق و فجور کی باتیں، شراب نوشی کی مجلسوں اور فسق و فجور کی حکایات زبان پر لائی جائیں! دو شخصوں کے مناظرے (جھگڑے اور جدل) کی باتیں بیان کی جائیں، ایک دوسرے سے فحش باتیں کریں یا اس طرح مخش باتیں بنائیں جن کو سن کر دوسروں کو ہنسی آئے، یہ تمام باتیں معصیت میں داخل ہیں اور یہ آفت

آفت کی طرح نہیں ہے کہ اس میں تو صرف مرتبہ اور درجہ کا نقصان تھا اور اس میں تو معصیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی ایسا ہوگا کہ ایک بات ایسی کہے جس کا اس کو خوف نہ ہو اور اس کو حقیر نہ جانے آخر کار یہی بات اس کو قعرِ جہنم تک پہنچائے گی اور کوئی ایسا ہوگا کہ بے تکلف ایک بات کہے اور وہ بات اس کو بہشت میں لے جائے۔

تیسری آفت

بحث کرنا اور جھگڑنا تیسری آفت ہے، کسی شخص سے ایک بات کہی اور اس کو فوراً رد کر دیا خود ہی اس کی تردید کر دی) اور کہے کہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنا حماقت ہے وہ نادانی اور دروغ بافی کا دعویٰ کرتا ہے اور خود کو زیرک عاقل اور راست گو ثابت کرنا چاہتا ہے اس طرح ایک ہی بات سے وہ دو بڑی صفتوں کو تقویت پہنچاتا ہے ایک صفت تکبر اور ایک صفت درندگی! اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، جو کوئی بات چیت میں مخالفت اور جھگڑنے سے باز رہے گا اور بیجا نہ کہے گا اس کے واسطے بہشت میں ایک گھر بناتے ہیں اور اگر جو کچھ حق ہے اس کو صاف صاف کہدے اس کے لیے بہشت میں ایک اعلیٰ درجہ کا گھر بنایا گیا ہے اور یہ ثواب اس زیادتی کا اجر ہے کہ محال اور جھوٹی بات سن کر صبر کرنا دشوار ہوتا ہے۔ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب تک آدمی مخالفت سے دستبردار نہیں ہوگا اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا اگرچہ وہ حق پر ہو۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خلاف صرف مذہب ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ انار میٹھا ہے اور تم کہو کہ نہیں ترش ہے یا کوئی کہے کہ یہاں سے فلاں جگہ کا فاصلہ ایک کوس ہے اور تم کہو کہ ایسا نہیں ہے تو یہ انکار بھی نازیبا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ہر ایک جھگڑے کا جو تم کسی کے ساتھ کرو گے کفارہ یعنی دو رکعت نماز ہے"، انہی امور میں سے یہ ہے کہ کسی کے کلام پر حرف گیری نہ کی جائے یا کسی کے کلام کا نقص ظاہر کیا جائے یہ فعل حرام ہے کیونکہ اس بات سے دوسرے شخص کو رنج پہنچتا ہے اور کسی مسلمان کو بغیر ضرورت رنج دینا مناسب نہیں ہے اور لوگوں کے کلام کی خطا اور غلطی ظاہر کرنا فرض نہیں ہے بلکہ خاموش رہنا تمہارے ایمان کی دلیل ہے، مذہب کے بارے میں جھگڑنا "جدل" کہلاتا ہے یہ بھی مناسب نہیں ہے (اما آنچہ در مذہب بود آنرا جدل گویند وایں نیز مذموم کیمیائے سعادت صفحہ ۴۸۷ باب تہران)

البتہ بطور نصیحت خلوت میں حق بات کو ظاہر کر دو بشرطیکہ قبولیت کی امید ہو اگر نہ ہو تو خاموش رہنا مناسب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قوم گمراہ نہ ہوئی جس پر جدل غالب نہیں ہوا"، جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ علما سے بحث نہ کرنا تا کہ وہ تجھ سے دشمنی نہ کریں۔"

معلوم ہونا چاہیئے کہ محال اور باطل پہ خاموش رہنا پڑے تو صبر اور تحمل کی بات ہے اور یہ مجاہدوں کے فضائل

ہیں سے ہے۔ شیخ داؤد طائیؒ نے عزلت نشینی اختیار کر لی تھی، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم باہر کیوں نہیں نکلتے انہوں نے کہا کہ میں مجاہدے میں رہ کر خود کو جدل سے باز رکھتا ہوں۔ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ تم مجلس میں آؤ مباحثے اور مناظرے سنو! لیکن جواب مت دو، انہوں نے کہا کہ میں نے ایسا کیا لیکن اس سے دشوار تر اور کوئی مجاہدہ میں نے نہیں پایا۔

اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت نہیں ہے کہ جس شہر میں مذہبی تعصب موجود ہو اور جو لوگ طالب جاہ ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ جدل دین میں داخل ہے۔ درندگی اور تکبر کی طبیعت تو خود اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ جدل، مناظرہ کیا جائے پس جب وہ جان لیں گے کہ جدل تقاضائے دین ہے تب یہ حرص اس قدر غالب ہو جائے گی کہ پھر اس سے رکنا اور اس پر صبر کرنا دشوار ہو جائے گا کہ نفس کے لیے تو اس میں کئی طرح کی لذتیں موجود ہیں۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جدل دین میں داخل نہیں ہے، تمام بزرگان سلف نے اس سے منع کیا ہے البتہ اگر کسی مبتدع (بدعتی و منکر قرآن) سے معاملہ آ پڑے تو بغیر جھگڑے اور طول کلام کے انہوں نے اس معاملہ پر بات کی ہے لیکن جب اس کو فائدہ بخش نہیں پایا تو اس سے اعراض کیا ہے۔

چوتھی آفت

چوتھی آفت مال کے سلسلہ میں جھگڑا کرنا ہے، مالی خصومت کے معاملہ کو قاضی یا اور کسی حاکم کے سامنے پیش کیا جائے یہ بھی ایک عظیم آفت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو کوئی بغیر علم کے کسی سے جھگڑے، خداوند تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا جب تک وہ خاموش نہ رہے، بزرگانِ دین نے فرمایا ہے، مال کے سوا کوئی اور ایسی چیز نہیں ہے جو دل کو پریشان کرے اور عیش کو تلخ کرے اور مروت اور بھائی چارے میں خلل انداز ہو" بزرگوں نے بھی یہ فرمایا ہے کہ کوئی نادار مال کے سلسلہ میں خصومت نہیں کرے گا کیونکہ بغیر یاوہ گوئی کے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا اور جو زاہد ہے وہ یاوہ گوئی نہیں کرے گا۔

اگر باہم جھگڑا نہ بھی ہو تب بھی دشمن کے ساتھ اچھی بات نہیں کی جاتی جبکہ اچھی بات کہنے کی بڑی فضیلت ہے پس جس کسی کو خصومت ہے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو ترک کر دے اور اگر ترک نہیں کر سکتا تو سوائے سچ بات کے اور کچھ نہ کہے اور دشمن کو رنج پہنچانے کا قصد کرے اور نہ سخت گفتگو کرے کیونکہ اس میں دین کی تباہی ہے۔

پانچویں آفت

پانچویں آفت، فحش گوئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسے شخص پر بہشت حرام ہوگی جو فحش گوئی کرے گا، حضور علیہ التحیۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے" دوزخ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے منہ سے نجاست نکلے گی اور اس کی بدبو سے تمام دوزخی فریاد کریں گے اور دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں، ان کو

بت ایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فحش گفتاری کو پسند کرتے تھے اور فحش بکتے تھے" شیخ ابراہیم بن میسرہؒ نے کہا ہے کہ جو کوئی فحش بات کہے گا قیامت میں اس کا منہ کتے کا ہوگا"

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بھی فحش میں شمار ہوتا ہے کہ جماع کی تعبیر بُرے الفاظ سے کریں جیسے پاپی لوگوں کا شیوہ ہے اور کسی کو اس سے نسبت کرنا بھی دشنام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دے اس پر خدا کی لعنت ہو، لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور! ایسا کام کون کرے گا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو اس کے جواب میں اس گالی دینے والے کے ماں باپ کو گالی دی جاتی ہے تو یہ گالی اسی کی طرف سے ہوئی! جماع کی بات کنایۃً کہنا چاہیئے تاکہ فحش میں شمار نہ ہو، جو کچھ ہوا ہو اس کو اشاروں سے ظاہر کرے صراحۃً نہ کہے، عورتوں کے نام ظاہر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مستورات کہنا چاہیئے۔ جب کوئی مرض میں مبتلا ہو جیسے اختناق الرحم، جذام وغیرہ۔ تو اس کو صرف بیماری کہے ایسے الفاظ میں بھی ادب ملحوظ رکھے! اگر بُرے الفاظ استعمال کرے گا تو یہ بھی ایک قسم کی فحش کلامی ہوگی

چھٹی آفت

چھٹی آفت، لعنت کرنا ہے، معلوم ہونا چاہیئے کہ جانوروں کیڑے مکوڑوں اور لوگوں کو لعنت کرنا بھی بُرا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن لعنت نہیں کرتا ہے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ایک عورت شامل تھی اس نے ایک اونٹ پر لعنت کی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ سے کجاوہ اتار کر اس کو قافلے سے باہر نکال دو کہ یہ ملعون ہے کئی روز تک وہ اونٹ ادھر اُدھر پھرتا رہا اور کوئی اس کے پاس نہیں جاتا تھا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی زمین یا اور کسی چیز پہ لعنت کرتا ہے تو وہ چیز کہتی ہے کہ اس پر لعنت ہو جو ہماری بہ نسبت زیادہ گنہگار ہے، ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی چیز پر لعنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لعنت سن کر فرمایا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو لعنت کرنا درست نہیں! رب کعبہ کی قسم آپ نے ان الفاظ کی تین بار تکرار فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس فعل سے توبہ کی اور اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ لوگوں پر لعنت کرنا درست نہیں ہے لعنت صرف ایسے لوگوں پر کی جاسکتی ہے جو بدیوں جیسے کہ ظالموں پر لعنت ہے، کافروں، فاسقوں اور بد مذہبوں پر لعنت ہے لیکن معتزلہ اور کرامیہ پر لعنت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں قباحت موجود ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے ہاں شرع میں جن پر لعنت موجود ہے ان پر لعنت کی جاسکتی ہے کیونکہ کسی کو کہنا کہ "تجھ پر لعنت ہو"، یا فلاں پر لعنت ہو۔ اسی وقت روا ہوگا کہ شریعت کی رو سے ان پر لعنت کرنا ظاہر ہو کہ وہ کفر پر رہیں جیسے فرعون اور ابوجہل پر لعنت کرنا۔ منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے چندہی کافروں پران کا نام لے کر، لعنت کی ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے لیکن کسی یہودی
[illegible] کر کے اس پر لعنت کرنا درست نہیں ہے شاید کہ موت سے قبل اس کو اسلام کی توفیق میسّر ہو اور وہ اہل بہشت
سے ہو جائے ممکن ہے کہ اس پر لعنت کرنے والے سے وہ بہتر ہو جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان کو تو کہتے ہیں کہ
تجھ پر خدا کی رحمت ہو" حالانکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرتد ہو کر مرے پس ہم حال ظاہر کو دیکھتے ہیں پس ہم حال ظاہر دیکھ کر کافر پر
لعنت کریں گے کیونکہ وہ حال ظاہر میں کافر ہے! یہ غلطی ہے اور ایسا خیال کرنا خطا ہے کیونکہ "رحمت" کے معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ
اس کو اسلام پر قائم رکھے جو رحمت کا سبب ہے ہاں یوں کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو حالتِ کفر میں رکھے ا کافر کے
حق میں کہنا درست نہیں ہے اگر کوئی شخص سوال کرے کہ یزید پر لعنت کرنا درست ہے یا نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ بس اتنا کہنا
درست ہے، کہ قاتل حسین رضؓ پر لعنت ہو" اگر وہ قبل از توبہ مرگیا ہے کہ امام حسین رضؓ کو قتل کرنا کفر سے زیادہ نہیں ہے اور جب
اس نے توبہ کرلی ہو تو لعنت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرتے کے کچھ عرصہ بعد
مسلمان ہو گیا تھا اور لعنت اس سے ساقط ہو گئی تھی اور یزید کا حال معلوم نہیں کہ وہ قاتل ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس نے
قتل کا حکم نہیں دیا تھا البتہ وہ قتلِ امام پر راضی تھا پس کسی کو محض تہمت کی بنا پر معصیت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں
ہے بلکہ یہ ایک تقصیر ہے، اُس زمانے میں بہت سے بزرگانِ دین ملت قتل کیے گئے اور معلوم نہ ہوا کہ کس نے قتل کا حکم دیا
تھا تو اب چار سو برس کے بعد کیونکہ اس کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس زیادتی اور خطرے
سے بے نیاز کیا ہے کیونکہ اگر کوئی تمام عمر میں ابلیس پر ایک بار ہی لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت میں یہ پرسش
نہیں ہوگی کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی، لیکن جب کسی شخص پر لعنت کریں گے تو آخرت کی بازپرس کا اندیشہ
ہے کہ تو نے لعنت کیوں کی!!

کسی بزرگ کا قول ہے کہ میرے نامۂ اعمال سے قیامت کے دن کلمہ لا الٰہ الا اللہ" نکلے یا کسی پر لعنت نکلے تو مجھے
یہ پسند ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ" نامۂ اعمال میں نکلے۔ کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے
تو آپ نے ارشاد فرمایا" لعنت مت کر ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان پر لعنت کرنا اور اسے قتل کرنا دونوں یکساں ہیں۔
بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تیرے دل کا تسبیح میں مشغول رہنا، ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر
ہے۔ پھر مسلمان پر لعنت کرنا کس طرح درست ہوگا اور جو شخص کسی پر لعنت کرے اور اپنے دل میں سمجھے کہ اس میں دین
کی حمایت ہے تو یہ شیطان کا ایک فریب ہے، ایسا کام اکثر تعصب اور نفسانیت کی بنا پر ہوتا ہے۔

ساتویں آفت

ساتویں آفت شعر گوئی ہے یہ علی الاطلاق تو حرام نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار
پڑھے گئے ہیں اور آپ نے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو جواب دیں اور ان کی

ہجو کریں لیکن وہ شعر جس میں جھوٹ کو دخل ہو یا وہ کسی کی ہجو ہو یا جھوٹی تعریف ہو تو یہ درست نہیں ہے لیکن وہ جو تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے وہ درست ہے کہ تشبیہ شعر کی صفت ہے اگرچہ بظاہر دروغ ہو ایسا شعر حرام نہیں ہوگا کیونکہ مقصود اس سے یہ نہیں ہے کہ اس کی بات کا اعتقاد کر لیا جائے ایسے اشعار (عربی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھے گئے ہیں۔

آٹھویں آفت

آٹھویں آفت مذاق اور بذلہ سنجی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے ہاں تھوڑی سی ظرافت کبھی کبھی مُباح ہے اور حسن اخلاق میں داخل ہے بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنا لیا جائے اور حق بات کے سوائے اور کچھ نہ کہے کیونکہ زیادہ ظرافت اور بذلہ سنجی بھی وقت ضائع کرنا ہے اور ہنسی کا موجب ہوتا ہے اور ہنسی سے انسان کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے لوگوں میں ایسا شخص سبک سر ہو جاتا ہے، کبھی مذاق سے جھگڑا بھی پیدا ہو جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں ظرافت کرتا ہوں لیکن سوائے سچ کے کچھ اور نہیں کہتا" آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ، کوئی شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے ایک بات کہتا ہے اور اسی بات کی بدولت اپنے درجہ سے زیادہ گر جاتا ہے جتنا آسمان سے زمین پر گرتا، اور جو بات بہت زیادہ ہنسی کا موجب ہو وہ بری ہے، ہنسی مسکراہٹ (تبسم) سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جان لو تو تھوڑا ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔

ایک شخص نے کسی سے دریافت کیا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ آدمی کو دوزخ سے گزرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۞ (اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمے یہ ضرور پڑی ہوئی ہے) اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں! اس نے پوچھا کیا اس سے نکلنے کی تدبیر بھی تو جانتا ہے؟ کہا نہیں! تو اس شخص نے کہا کہ پھر اس صورت میں یہ ہنسی کیسی (ہنسنے کا کون سا موقعہ ہے) منقول ہے کہ شیخ عطا سلمیؒ چالیس سال تک نہیں ہنسے، وہب ابن عود رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو عید الفطر کے دن ہنستے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اگر ان لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے بخشدیا اور ان کے روزے قبول فرمالیے تو اس طرح ہنسنا شکر گزاری کا عمل نہیں اور اگر روزے قبول نہیں ہوئے تو پھر اس طرح ہنسنا خوف والوں کا شیوہ نہیں، ان کو زیب نہیں دیتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو شخص گناہ کر کے ہنسے گا وہ دوزخ میں جائے گا اور وہاں رہے گا، شیخ محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بہشت میں روتا ہو تو تعجب کی بات ہوگی یا نہیں: لوگوں نے کہا بے شک عجیب بات ہوگی تب انہوں نے کہا کہ بس جو شخص دنیا میں ہنستا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی جگہ دوزخ ہے یا بہشت! تو یہ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک اعرابی اونٹ پر سوار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور چاہا کہ حضور علیہ التحیۃ السلام کے قریب جا کر آپ سے کچھ دریافت کرے ہر چند وہ آگے بڑھنا چاہتا لیکن اونٹ پیچھے

ہٹ جاتا تھا صحابہ کرام ہنسنے لگے آخرکار اونٹ نے اس اعرابی کو گرا دیا اور وہ بیچارا اس صدمے سے مرگیا، اصحاب رسول اللہ نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص گر کر ہلاک ہوگیا آپ نے فرمایا ہاں تمہارا منہ اس کے خون سے بھرا ہے یعنی تم اس پر ہنس رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کہا ہے! خدا سے ڈرو اور ظرافت مت کرو، اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بد ہے جب باہم بیٹھو تو قرآن حکیم کی باتیں کرو، اگر یہ نہیں کرسکتے تو نیکوکار حضرات اور صالحین کی باتیں کرو! حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے جب کوئی شخص کسی سے مذاق کرتا ہے تو وہ اس کی نظر میں خوار ہو جاتا ہے اور بے اعتبار بن جاتا ہے۔

روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر شریف میں صرف چند باتیں ظرافت کی فرمائی ہیں، ایک بار ایک بوڑھی عورت سے آپ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنّت میں نہیں جائے گی، وہ یہ سن کر رونے لگی تب آپ نے فرمایا اے عورت فکر نہ کر، اوّل تجھے جوانی عطا کی جائے گی اس کے بعد بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا شوہر آپ کو بلاتا ہے آپ نے فرمایا کیا تیرا شوہر وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ وہ بولی نہیں تو میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو، اسی طرح ایک بار ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اونٹ پر بٹھائیے! آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹ کے بچّے پر بٹھاؤں گا، اس نے کہا کہ میں اونٹ کے بچّے پر نہیں بیٹھوں گی وہ مجھے گرادے گا تب آپ نے فرمایا "کیا کوئی ایسا اونٹ بھی ہے جو اونٹ کا بچّہ نہ ہو"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فرزند ابوعمیر تھا ان کے پاس چڑیا کا ایک بچّہ تھا وہ مرگیا اور ابوعمیر رونے لگے ان کو روتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا ابا عُمَیرُ مَا فعل النُّغَیر لِنُغَیر" اے ابوعمیر نغیر کو کیا ہوگیا (نغیر چڑیا کے بچّے کو کہتے ہیں) اس طرح کی ظریفانہ باتیں آپ امہات المومنین اور بچوں کے ساتھ فرماتے تھے تاکہ ان کا دل خوش ہو اور آپ کی ہیبت ان کے دلوں سے دور ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا میرے پاس آئیں میں اس وقت دودھ میں کچھ پکا رہی تھی، میں نے ان سے کہا کہ کھاؤ! انہوں نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گی، میں نے کہا کہ اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں یہ تمہارے منہ پر مل دوں گی انہوں نے کہا، کہ میں نہیں کھاؤں گی میں نے ہاتھ بڑھا کر تھوڑا سا وہ جو کچھ پکایا تھا، ان کے منہ پر مل دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے میرے قریب سے اپنا زانوئے مبارک ہٹا لیا تاکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو رستہ مل جائے اور وہ بھی میرے منہ پر اس کو مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے منہ پر بھی اس کو مل دیا حضور علیہ التحیۃ والثناء یہ دیکھ کر ہنسنے لگے۔

حضرت ضحاک ابن سفیان رضی اللہ عنہ نہایت بدصورت تھے وہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس بیٹھے تھے کہنے لگے کہ میری دو بیویاں ہیں، دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خوبصورت ہیں اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ایک کو طلاق دے دوں تاکہ آپ اس سے نکاح کرلیں وہ یہ بات بطور خوش طبعی کے کہہ رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ وہ عورتیں زیادہ ... خوبصورت ہیں یا تم ! حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال سن کر ہنسنے لگے۔ کیونکہ وہ مرد بہت ہی بدصورت تھا (یہ واقعہ حکم حجاب سے پہلے کا ہے)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم خرما کھا رہے ہو اور تمہاری آنکھ آشوب کر آئی ہے! انہوں نے کہا کہ میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم فرمایا" خوات بن جبیر رضؓ کو عورتوں سے بہت رغبت تھی ایک دن وہ مکہ معظمہ میں ایک راستے پر عورتوں کے ساتھ کھڑے تھے حضور علیہ السلام اس طرف تشریف لائے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے حضور علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ یہاں کس کام سے کھڑے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک سرکش اونٹ ہے" اس اونٹ کے لیے ان عورتوں سے رسی بٹوا رہا ہوں یہ سن کر حضور علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے ایک بار پھر حضرت خوات رضؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اے خوات رضؓ! کیا اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی حضرت خوات رضؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مجھے دیکھتے تو یہی فرماتے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے اور آپ دونوں پائے مبارک ایک طرف کئے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمانے لگے اے فلاں! اب اس سرکش اونٹ کا کیا حال ہے؟ تب میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس معبود کی جس نے آپ کو رسالت عطا فرمائی ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میرے اونٹ نے سرکشی نہیں کی ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اھْدِ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ۔ اس کے بعد حضرت خوات رضی اللہ عنہ کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور آپ ثابت قدم مسلمان بن گئے۔

نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بہت ظریف الطبع تھے، شراب پیتے تھے کئی بار ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر جوتیوں سے مارا گیا ایک صحابی نے ان سے کہا، اللہ کی تم پر لعنت ہو! کب تک شراب پیتے رہو گے! یہ سن کر حضور علیہ التحیۃ، الثنا نے فرمایا اس پہ لعنت مت کرو کیونکہ یہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوست رکھتا ہے، نعمان انصاری رضؓ کی عادت تھی کہ مدینہ منورہ میں جب کوئی نیا میوہ آتا تو وہ اس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور کہتے یہ ہدیہ ہے جب اُسکا مالک قیمت طلب کرتا تو وہ اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے کہتے کہ تمہارا میوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے آپ ہی سے قیمت مانگو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات پر تبسم فرماتے اور قیمت ادا فرما کر نعمان رضؓ سے پوچھتے کہ تم کیوں لائے تھے وہ جواب دیتا کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ میں اس کو خریدتا اور میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس نئے میوہ کو آپ سے پہلے کوئی کھائے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پاکیزہ زندگی میں صرف یہی چند بذلہ سنجیاں ہیں اور ان میں کوئی قباحت موجود نہیں ہے اور نہ ان باتوں سے کسی کو رنج پہنچنے کا امکان ہے اور نہ ایسا تھا کہ ان باتوں سے رعب نبوت میں فرق پیدا ہو سکے پس بذلہ سنجی گاہ گاہ کرنا سنت ہے البتہ ہمیشہ ایسا ہی کرنا درست نہیں

نویں آفت

کسی کا مذاق اڑانا ہے اور اس کی بات یا اس کے فعل کو اس طرح نقل کرنا کہ دوسرے کو ہنسی آئے اور وہ حص جس کی نقل اتاری ... رنجیدہ ہو! اور یہ حرام ہے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ۵ (اور نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے اس گناہ کے بارے میں غیبت کرے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو غیبت کرنے والا اس گناہ میں گرفتار ہو کر رہے گا۔ اسی طرح گوز سرزد ہونے پر بھی ہنسنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس چیز پر کوئی شخص کیوں ہنسے جو خود اس سے بھی سرزد ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی استہزا کرے اور دوسرے لوگوں پر ہنسے تو قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولیں گے اس کو بلائیں گے مگر اس کو اندر داخل نہیں ہونے دیں گے جب وہ لوٹے گا تو پھر اس کو بلائیں گے اور دوسرا دروازہ کھولیں گے اسی طرح چند بار کیا جائے گا کہ جب وہ نزدیک آئے گا دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر ہر چند اس کو بلایا جائے گا لیکن وہ نہیں آئے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اس کی تحقیر کی جا رہی ہے"

بذلہ سنجی پر ہنسنا یا ایسی کسی بات پر جس سے کوئی آرزدہ نہ ہو حرام نہیں ہے یہ خوش طبعی میں داخل ہے یہ اس وقت حرام ہو گا کہ اس سے کوئی آزردہ ہو۔

دسویں آفت

دسویں آفت جھوٹا وعدہ کرنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی جس شخص میں پائی جائے وہ منافق ہے خواہ نماز اور روزہ کا پابند ہو! ایک یہ کہ جھوٹ بولتا ہو، دوسرے وعدہ خلافی کرتا ہو، تیسرے امانت میں خیانت کرتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وعدہ قرض کی طرح ہے یعنی اس کا خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں فرمایا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۔ کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی مقام پر کسی سے ملنے کا وعدہ کیا اور وہ شخص نہیں آیا آپ نے تین دن تک وہاں اس کا انتظار کیا تاکہ وعدہ پورا ہو جائے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور میں نے کہا کہ میں فلاں جگہ آپ سے ملاقات کے لیے آؤں گا۔ میں بھول گیا تیسرے دن مجھے یاد آیا تو میں وہاں گیا آپ وہاں (میرے انتظار میں) موجود تھے آپ

فرمانے لگے اے جوانمرد! تین دن سے میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں" حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم آؤ گے تمہاری حاجت بر لاؤں گا جب فتح خیبر سے مالِ غنیمت آیا تو اس شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، آپ نے فرمایا کہو کیا چاہتے ہو! اس نے اسی بھیڑیں مانگی آپ نے اس کو عطا فرمادیں اور فرمایا تم نے تو بہت کم مانگا، اس عورت نے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش کا پتہ دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیری حاجت پوری کروں گا، اس نے تم سے زیادہ حضرت موسےٰ علیہ السلام سے مانگا تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (پتہ بتانے کے بعد) اس عورت سے پوچھا کیا مانگتی ہے تو اس نے کہا کہ مجھے جوانی عطا کریں اور میں بہشت میں آپ کے ساتھ رہوں"۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ شخص عرب میں ضرب المثل بن گیا، لوگ مثل کے طور پر کہنے لگے کہ فلاں شخص تو اسی بھیڑیں مانگنے والے شخص سے بھی کم مانگنے والا ہے۔

پس آدمی کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے وعدہ بالجزم نہ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وہ وعدہ فرماتے تو ارشاد فرماتے، شاید میں یہ کر سکوں" لہٰذا جب تم وعدہ کرو تو حتی المقدور اس کے خلاف نہ کرو مگر جب کوئی خاص ضرورت پیدا ہو جائے (اور وعدہ وفا نہ ہو سکے) اگر کسی شخص سے کسی جگہ ملنے کا وعدہ کیا ہے تو اس جگہ اگلی نماز کے وقت تک ٹھہرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب ایک چیز کسی کو دے دو تو پھر اس کو لینا وعدہ خلافی سے بدتر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی مثال اس کتے سے دی ہے جو قے کر کے پھر اس کو چاٹ لیتا ہے۔

گیارہویں آفت

جھوٹ بات کہنا اور جھوٹی قسم کھانا گیارہویں آفت ہے اور یہ بڑا گناہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دروغ" نفاق کا ایک دروازہ ہے" آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ بندے کی ایک ایک دروغ بات خداوند تعالےٰ کے حضور میں لکھی جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دروغ گوئی "رزق" کی کمی کا سبب ہوتی ہے، آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے، تاجر لوگ فاجر ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یارسول کیا خرید و فروخت حلال نہیں ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں اور گنہگار بنتے ہیں پھر جھوٹ بولتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "افسوس ہے اس شخص پر جو دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے افسوس ہے اس پر! افسوس ہے اس پر!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ، معراج کی شب میں نے دو لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے ایک کھڑا ہے اور دوسرا بیٹھا ہے جو شخص کھڑا تھا اس بیٹھے ہوئے شخص کے منہ میں لوہے کا آنکڑا ڈال کر اس کے کلّہ کو اتنا کھینچ رہا تھا کہ اس کا کلّہ اس کے کندھے تک پہنچ جاتا تھا پھر اسی طرح اس کے دوسرے کلّہ کو کھینچتا تب پہلا کلّہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا تھا اور یہ عمل جاری تھا، میں نے جبرئیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ "دروغگو" ہے اس کو قبر میں اس طرح کا عذاب دیا جا رہا ہے اور عذاب کا یہ سلسلہ قیامت تک

جاری رہے گا۔

حضرت عبداللہ ابن جراد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مومن زنا کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا شاید (ممکن ہے) پھر فرمایا مومن جھوٹ نہیں بولے گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ٥ (جھوٹ وہ لوگ بولیں گے جو صاحب ایمان نہیں ہیں) حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا دو سالہ بچہ کھیلنے کے لیے باہر جا رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ میں (مت جاؤ) میں تجھے کچھ دکھانے کو دوں گا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ نے دریافت کیا کہ تم اس بچے کو کیا دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ اس کو خرما دوں گا، آپ نے فرمایا اگر تم کچھ نہ دیتے تو یہ تمہارا جھوٹ لکھا جاتا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کیا میں تم کو خبر دوں کہ گناہ کبیرہ کیا ہے؟ وہ شرک ہے اور ماں باپ کی نافرمانی؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، تب آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا ہوشیار ہو جھوٹ بات کہنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے، جو بندہ جھوٹ بولتا ہے فرشتہ اس کی بدبو سے ایک کوس دور بھاگتا ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ بات کرتے وقت اگر چھینک آئے تو سچ بولنے پر گواہ ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ چھینک فرشتے کی طرف سے ہے اور جماہی شیطان کی طرف سے پس کہی جانے والی بات اگر جھوٹ ہوتی تو فرشتہ موجود نہ رہتا اور چھینک نہ آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو کوئی کسی کے جھوٹ کو روایت کرتا ہے وہ بھی جھوٹا ہوتا ہے، اور فرمایا ہے" جو کوئی جھوٹی قسم سے کسی کا مال ہتھیا لیتا ہے حق تعالیٰ کو وہ قیامت میں اس طرح دیکھے گا کہ اس پر عتاب ہوتا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مومن سے ہر ایک تقصیر ہو سکتی ہے لیکن وہ خیانت نہیں کرے گا اور جھوٹ نہیں بولے گا! جناب میمون ابن شبیبؒ کہتے ہیں کہ میں خط لکھ رہا تھا اسی دم ایک بات دل میں آئی کہ اگر خط میں اس کو تحریر کرتا تو حسنِ بیان میں اضافہ ہوتا لیکن وہ بات جھوٹ تھی پس میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اس کو نہیں لکھوں گا، اسی وقت میں نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے سُنا!

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ج (قائم رکھے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو لا الٰہ الا اللہ پر دنیاوی زندگی اور آخرت میں) جناب ابن سماکؒ کہتے ہیں کہ میں جھوٹ اس وجہ سے کچھ نہیں بولتا کہ مجھے اس پر اجر ملے گا بلکہ میں اس وجہ سے جھوٹ نہیں بولتا ہوں کہ مجھے اس سے ننگ و عار آتی ہے۔

فصل

دروغ کیوں حرام ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دروغ اس وجہ سے حرام کیا گیا ہے کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کو تیرہ و تاریک بنا دیتا ہے البتہ جہاں کہیں یہ مصلحت کی بنا پر بولا جائے اور بولنے والا اس سے بیزار ہو۔ (اس کو پسند نہ کرے) تو روا ہے کیونکہ جب اس سے کراہت کی جائے گی تو دل اس سے تاریک نہیں ہوگا اور جب کسی بھلائی کے خیال سے جھوٹ بولے گا تو دل تاریک نہیں ہوگا اگر کوئی مسلمان کسی ظالم سے بھاگا ہے تو مناسب نہیں ہے کہ اس کا صحیح پتا بتایا جائے بلکہ اس مقام پر جھوٹ کہنا واجب ہوگا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین۔ موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے ایک جنگ میں کہ آدمی اپنا ارادہ دشمن پر ظاہر نہ کرے کہ دوسرے جب دو شخصوں میں صلح کرانا مقصود ہو تو ہر ایک کی طرف سے اچھی بات بیان کرے اگرچہ حقیقت میں نہ کہی گئی ہو تیسرا مقام یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں تو اگر ہر ایک سے وہ یہ کہے کہ میں تجھ سے بہت پیار کرتا ہوں، اگر کوئی ظالم کسی کے مال کا سراغ دریافت کرے تو اس کو چھپانا اور مخفی رکھنا درست ہے اور اگر کوئی شخص کسی کا راز معلوم کرنا چاہے تو بھی سچ نہ بولے اسی طرح اگر کسی کی معصیت اور گناہ کو ظاہر کرنے سے انکار کرے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ شرع کا حکم ہے کہ لوگوں کے عیب چھپاؤ، جب کوئی بیوی وعدہ کئے بغیر طاعت نہیں کرتی تو مرد اس سے وعدہ کرے خواہ اس کے ایفاء کی اس میں مقدرت نہ ہو پس ایسی صورتوں میں دروغ گوئی روا ہے۔

دروغ گوئی کی حقیقت

دروغ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بات کہنے کے لائق نہیں ہے لیکن جہاں راست گوئی سے قباحت پیدا نہیں ہوتی ہو تو ایسے موقع پر چاہیئے کہ ان دونوں کو عدل کی ترازو میں تولے اگر راست گوئی کا نقصان، دروغ سے زیادہ ہے جیسے دو شخصوں کی لڑائی، میاں بیوی کا بگاڑ، مال کا زیاں، راز کا افشا ہونا یا کسی معصیت کے اعتبار سے رسوا ہونا، ان تمام صورتوں میں دروغ گوئی مباح ہے کیونکہ ان تمام باتوں کی قباحت، دروغ کی برائی سے زیادہ ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب بھوک سے مر جانے کا اندیشہ ہو تو مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے کیونکہ جان کی حفاظت، مردار کے کھانے کی قباحت سے زیادہ اور اہم ہے، اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا درست نہیں ہوگا پس وہ دروغ جو کوئی شخص مال وزر کی زیادتی کے لیے یا خود ستائی اور لاف زنی یا اپنا بلند مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے بولے گا تو وہ حرام ہوگا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنی سوکن کو

آزردہ کرنے کے لیے اپنے شوہر کی مہربانیاں اپنے حال پر، اپنے دل سے بنا کر بیان کروں تو کیا یہ درست ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی خبر کو جو حقیقت میں نہ ہو، خود دل سے گڑھ کر بیان کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہوگا جس نے دغا کے دو لباس پہنے ہوں یعنی وہ خود بھی جھوٹ بولا اور دوسرے کو بھی غلطی میں مبتلا کیا کہ اگر وہ اس بات کو دوسرے سے کہے تو دروغ ثابت ہو۔

البتہ بچّے کو مدرسے بھیجنے کے لیے اس سے وعدہ کرنا روا ہے خواہ وہ وعدہ دروغ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو بھی لکھا جاتا ہے اور جو دروغ مُباح ہے اس کو بھی لکھتے ہیں اور سوال کیا جاتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ اس کا مناسب جواب یا سبب بیان کرے گا تو وہ اس کے لیے مُباح ہو جائے گا،

اگر کوئی شخص ایک بات روایت کرتا ہے اور کوئی اس سے اس سلسلے میں دریافت کرے اور وہ اس کا جواب دے در آں حالانکہ وہ اس کا جواب نہیں جانتا ہو تو یہ جرم ہوگا لوگ عموماً ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی عزت و وقار میں فرق نہ آئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خیرات اور اس کے ثواب کے بارے میں حدیثیں وضع کرنا درست ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی حرام ہے دگر دہے روا داشتہ اند کہ اخبار دہند از رسول صلی اللہ علیہ وسلم اندر فرمودن خیرات وثواب آں، آں نیز حرام است" کیمیائے سعادت صد ۴۱۲ چاپ تہران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کوئی مجھ سے جھوٹ کو منسوب کرے، میری طرف سے جھوٹ بات کرے، اس سے کہہ دو کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے" پس سوائے اس مصلحت کے جس کا شرعاً اعتبار ہے، دروغ گوئی درست نہیں ہے کہ وہ بات محض ظن پر مشتمل ہے (یعنی ظنّی ہے) یقینی نہیں ہے لہذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو اور شدید ضرورت پیش نہ آئے جھوٹ نہ بولے"

فصل

دروغ کے پسندیدہ اور ناموزوں وغیر پسندیدہ جملے

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب بزرگان سلف کو جھوٹ (مصلحتاً) جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ حیلہ کرتے اور ایسی بات کہتے جو حقیقت میں درست ہوتی لیکن سننے والا اس سے کچھ اور مطلب سمجھتا ایسی باتوں کو معاریض، کہتے ہیں منقول ہے کہ شیخ مطرفؒ جب امیر کے پاس پہنچے تو امیر نے کہا کہ آپ ہمارے پاس بہت کم آتے ہیں! شیخ مطرفؒ نے جواب دیا کہ جب سے امیر کے پاس سے گیا ہوں میں نے زمین سے پہلو نہیں اٹھایا مگر جب اللہ تعالےٰ نے مجھے قوت

دی تب پہلو اٹھایا، انہوں نے ان کے اس قول سے یہ سمجھا کہ یہ بیمار تھے اور شیخ مطرفؒ نے جو کچھ کہا اس میں صداقت تھی! امام شعبیؒ نے اپنی کنیز سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ان کے بلانے کو آئے تو وہ گھر کے دروازے کے سامنے ایک دائرہ کھینچ کر اس میں اپنی انگلی رکھ کر کہے کہ وہ صاحب خانہ اس میں نہیں ہیں یا یہ کہہ دے کہ ان کو مسجد میں تلاش کرو! حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اپنے منصب (امارت) سے فارغ ہو کر واپس آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ تم اتنے عرصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل رہے، میرے واسطے کیا تحفہ لائے؛ انہوں نے کہا کہ ایک نگہبان میرے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس وجہ سے میں کچھ نہ لاسکا اور انہوں نے اس وقت نگہبان سے مراد ذاتِ خداوندی لی تھی! اور ان کی بیوی یہ سمجھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر کسی ناظر کو مقرر کر دیا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر شکایت کی کہ (حضرت) معاذ (رضی اللہ عنہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امانت دار تھے لیکن آپ نے ان پر مشرف و ناظر کو بھیجا! (ان کی امانت پر شبہ کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذؓ کو بلا بھیجا قصہ دریافت کیا جب انہوں نے تمام واقعہ بیان کیا تو آپ ہنسنے لگے اور آپ کو کچھ بطور انعام دیا کہ اپنی بیوی کو جاکر دے دیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حیلہ بھی اس وقت روا ہے جبکہ اس کی ضرورت ہو اگر ضرورت نہ ہو تو لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا درست نہیں ہے خواہ سخنِ راست ہی کیوں نہ ہو حضرت عبداللہ بن عتبہ رضؓ فرماتے ہیں کہ "میں اور میرے والد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گئے، میں اس وقت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو لوگ کہنے لگے کہ یہ خلعت امیر المومنین نے دی ہے! میں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ امیر المومنین کو جزائے خیر عطا فرمائے! یہ سن کر میرے والد نے فرمایا کہ اے فرزند ہرگز جھوٹ نہ بولو اور جھوٹ کے مانند بھی بات زبان سے نہ نکالو تمہاری یہ بات (یعنی جواب) جھوٹ سے مشابہہ ہے۔

الغرض مقصود کچھ ہو جیسے خوش طبعی یا کسی کا دل خوش کرنا تو اس طرح کہنا مُباح ہوگا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، یا میں تجھے اونٹ کے بچّے پر بٹھاؤں گا، تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے، (ان جملوں کی تفصیل قبل بیان کی جاچکی ہے) اگر ایسی بات کہنے میں کچھ مضرّت ہو تو نہ کہے مثلاً کسی کو یہ کہ کر فریب دینا کہ فلاں عورت تیری طرف مائل ہے تاکہ وہ شخص اس کا مشتاق ہو، اگرچہ کچھ ضرر نہ ہو اور محض مذاق کے طور پر دروغ کہے تو یہ معصیت تو نہیں ہے لیکن قائل کمال ایمان کے درجہ سے گر جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "آدمی کا ایمان اس وقت کامل ہو گا کہ مخلوق کی نسبت بھی وہ بات پسند نہ کرے جو اپنی نسبت پسند نہیں کرتا ہے اور جھوٹا مذاق بھی نہیں کرنا چاہیئے، کہ وہ بھی اسی قسم سے ہے"، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تجھے سو بار تلاش کیا یا سو بار تیرے گھر آیا! ایسی بات حرام کے درجے کو تو نہیں پہنچے گی کیونکہ سننے والا جانتا ہے کہ اس کلام سے مقصود گنتی اور عدد نہیں ہے بلکہ کثرت کا اظہار مقصود ہے اگرچہ حقیقت میں وہ اتنی تعداد میں نہ ہو البتہ اگر بہت

تلاش نہیں کیا ہے تب یہ جھوٹ بات ہو گی یہ عموماً ایک عادت سی ہے کہ کسی سے کہا گیا کچھ کھالو اور اس نے جواب دیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پس اگر وہ بھوکا ہے تو ایسا کہنا درست نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شب عروسی کو دودھ کا ایک پیالہ موجودہ عورتوں کو دیا کہ وہ اسے پئیں انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو حاجت نہیں ہے! یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ اور بھوک کو باہم جمع مت کرو! انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اتنی بات بھی جھوٹ میں شمار ہو گی آپ نے فرمایا ہاں! اس کو جھوٹ میں لکھا جائے گا اگر دروغ کم درجے کا ہو گا تو کم درجے کا جھوٹ لکھا جائے گا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھ رہی تھی، ان کی آنکھ کے کونے (گوشہ) میں کوئی چیز (کیچڑ) جمع ہو گئی لوگوں نے کہا کہ اگر اس کو صاف کر لو تو کیا نقصان ہے! انہوں نے کہا کہ میں نے طبیب سے وعدہ کیا ہے کہ میں آنکھ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اب اگر میں اس کو صاف کر لوں تو یہ میری دروغ گوئی ہو گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جھوٹی بات پر حق تعالیٰ کو گواہ بنائیں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بات اسی طرح ہے اور حقیقت میں وہ بات اس طرح نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو جھوٹا خواب بیان کرے گا قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ جَو کے دانے پر گرہ لگائے۔

بارہویں آفت

بارہویں آفت غیبت ہے یہ بلا عالمگیر ہے شاید ہی کوئی شخص ہو (عام آدمی مراد ہے) جو اس سے بچا ہو، یہ زبردست گناہ ہے، حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیبت کرنے والے کو "مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے والے سے تشبیہ دی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے غیبت سے پرہیز کرو کیونکہ غیبت زنا سے بدتر ہے زانی کی توبہ تو قبول کر لی جاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک وہ شخص جس کی غیبت کی گئی ہے معاف نہ کر دے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ معراج کی شب میرا گذر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ کا گوشت ناخن سے نوچ رہے تھے، مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے تھے۔

حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز سکھلایئے جو میری دستگیری کرے تو آپ نے فرمایا کہ خیر کو ترک مت کرو خواہ وہ اتنی کم ہی کیوں نہ ہو جیسے تم اپنے ڈول سے کسی کے آبخورے میں پانی ڈال دو اور مسلمان بھائی کے ساتھ کشادہ پیشانی رہو اور جب لوگ تمہارے پاس (ملاقات کے بعد) جائیں تو ان کی غیبت نہ کرو، حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ "جو غیبت سے توبہ کر کے مرے گا وہ سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہو گا اور اگر بغیر توبہ کے مر جائے گا تو سب سے آگے دوزخ میں جائے گا"، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، دو قبروں

پر آپ کا گزر ہوا، آپ نے فرمایا ان دونوں مردوں پر عذاب ہو رہا ہے، ان میں سے ایک شخص غیبت کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے بعد خود کو پاک نہیں کرتا تھا آپ نے کھجور کی ایک شاخ کے دو ٹکڑے کئے اور ان دونوں قبروں میں شاخ کے دونوں ٹکڑے گاڑ دیئے اور فرمایا جب تک یہ شاخیں نہیں سوکھیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے زنا کا اقرار کیا اس کو سنگسار (رجم) کر دیا گیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس کو اس طرح بٹھایا تھا جیسے کتے کو بٹھاتے ہیں (یا وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے کتا بیٹھتا ہے) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کا گزر ایک مردار پر ہوا آپ نے غیبت کرنے والے شخص سے کہا کہ تم اس مردار کو کھاؤ، اس نے عرض کیا کہ مردار کو کس طرح کھاؤں! آپ نے فرمایا وہ جو تم نے ابھی اپنے بھائی کا گوشت کھایا وہ اس مردار سے بھی بدتر تھا اور گندہ تھا اور غیبت سننے والے سے فرمایا کہ غیبت سننا بھی معصیب میں شرکت ہے۔

حضرت صحابۂ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ایک دوسرے سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، ایک دوسرے کی غیبت نہیں کرتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کرنے کو نفاق جانتے تھے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں، ایک حصہ غیبت، دوسرا حصہ غمازی، اور تیسرا حصہ پیشاب سے پاک نہ ہونا ہے (یعنی استنجا نہ کرنا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کے ساتھ ایک مرے ہوئے کتے کے قریب سے گزرے ان کے بعض حواریوں نے کہا، کیسا بدبودار ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانت کی سفیدی تو دیکھو! کس قدر اچھی ہے، یہ کہہ کر آپ نے ان کو غیبت سے روکا اور فرمایا کہ مخلوقات میں سے کسی چیز کو دیکھو تو اس کی خوبی زبان پر لاؤ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے سے ایک سؤر (خنزیر) گزرا آپ نے کہا سلامتی کے ساتھ جا! لوگوں نے کہا کہ آپ نے خوک کے لیے ایسا اچھا کلمہ استعمال فرمایا! آپ نے فرمایا کہ میں زبان کو اچھی بات کہنے کا خوگر اور عادی بنا رہا ہوں،

فصل

غیبت کیا ہے؟

معلوم ہونا چاہیئے کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کہی جائے جو اس کو ناگوار گزرتی ہو اگرچہ کہنے والے نے سچ بات کہی ہو، اگر وہ بات جو (عدم موجودگی میں) کہی گئی ہے دروغ اور جھوٹ ہے تو یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ ایسی ہر ایک بات جس سے کوئی برائی ظاہر ہوتی ہو خواہ اس کا تعلق، اس کے لباس، جسم

اس کے فعل یا قول کے بارے میں کہی جائے مثلاً جسم کے بارے میں کہا جائے کہ وہ طویل القامت ہے یا سیاہ فام یا زرد فام ہے یا گربہ چشم ہے (کنجی آنکھ والا) یا احول (ڈھیرا) ہے یا کسی کے باپ کے بارے میں کہا جائے جیسے ہندو بچہ، حمامی بچہ" یا جولاہے کی اولاد یا اخلاق کے بارے میں کہا جائے کہ وہ بدخو ہے یا متکبر زبان دراز، بزدل اور کمزور ہے یا افعال کے بارے میں ہو کہ وہ چور ہے یا خائن ہے، بے نمازی ہے، نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتا، قرآن پاک غلط پڑھتا ہے یا اپنے لباس کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا ہے یا زکوٰۃ نہیں دیتا ہے حرام کا مال کھاتا ہے زبان چلاتا ہے۔ بہت کھاتا ہے (پیٹو ہے) بہت سوتا ہے یا لباس کے بارے میں کہا جائے کہ ڈھیلی آستین کا کپڑا پہنتا ہے یا دراز دامن ہے یا میلا کچیلا لباس پہنتا ہے۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم ایسی بات کہو کہ اس کے سننے سے کوئی آزردہ خاطر ہو تو وہ غیبت ہے اگرچہ تمہارا وہ قول سچ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کے بارے کہا کہ وہ پست قد ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے تم تھوک دو، جب میں نے تھوکا تو منہ سے سیاہ خون کا لوتھڑا (ٹکڑا) نکلا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جب کبھی کسی گنہگار کا تذکرہ کیا جائے تو وہ غیبت نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی مذمت کرنا دینداری ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ کسی کو فاسق، شراب خوار اور بے نمازی بھی نہ کہا جائے اگر کوئی عذر ہو تو کہا جا سکتا ہے چنانچہ اس کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غیبت وہ ہے جس سے آدمی کو کراہت پیدا ہو اور یہ سب باتیں سچ ہوں جب اس کے کہنے میں کچھ زیادہ نہیں تو نہ کہو۔

غیبت صرف زبان سے کہنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہاتھ، آنکھ، کنایہ اور اشاروں سے بھی غیبت ہو سکتی ہے یہ سب حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ فلاں عورت پست قد ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے، اسی طرح لنگڑے کی طرح چلنا، ڈھیری آنکھ بنانا تاکہ کسی کا حال اس سے ظاہر ہو یہ سب غیبت ہے اگر نام لے کر کہے اور کہے کہ ایک شخص نے ایسا کیا تو یہ غیبت نہیں ہے مگر جب حاضرین کو معلوم ہو جائے کہ اس سے مراد فلاں شخص ہے تو اس طرح روایت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ قائل کا مقصود سمجھانا ہے وہ کسی طرح پر بھی ہو۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ غیبت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ غیبت نہیں ہے مثلاً جب کسی کا ذکر ان کے سامنے آتا ہے تو کہتے ہیں الحمد للہ خدا نے ہم کو اس بات سے محفوظ رکھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ایسا کام کرتا ہے! مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو بہت نیک تھا لیکن وہ بھی دنیا والوں میں پھنس گیا اور وہ بھی ہماری طرح مخلوق میں مبتلا ہو گیا اب خدا معلوم کہ کب نجات پائے گا، اسی قبیل کی اور باتیں کہتے ہیں اور کبھی اپنی مذمت اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی مذمت ظاہر ہو اور کبھی جب ان کے سامنے کسی کی غیبت کی جاتی ہے تو اس بات

پر اظہار تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انوکھی بات ہے تاکہ غیبت کرنے والا ہوشیا ہو جائے اور دوسرے بھی واقف ہو جائیں اور جو بے خبر تھے وہ بھی اس بات کو سن لیں یا کہتے ہیں کہ بھئی ہم کو تو اس کے بارے میں سن کر بہت رنج پہنچا حق تعالٰے محفوظ رکھے مقصود یہ ہے کہ ... دوسرے لوگ آگاہ ہو جائیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کا ذکر درمیان میں آتا ہے کہ حق تعالٰے ہم کو توبہ کی توفیق نصیب کرے تو کہ لوگ سمجھ لیں کہ فلاں شخص نے گناہ کیا ہے یہ تمام باتیں غیبت میں شامل ہیں اور جب اس طرح بیکار باتوں سے مطلب پورا ہوتا ہو تو اس میں نفاق بھی پایا جاتا ہے کہ خود کو پارسا اور غیبت سے بیزار بنایا جا رہا ہے بس اس میں دو گناہ ہوئے اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے غیبت نہیں کی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والے سے کہتے ہیں چپ ہو جا بد گوئی مت کر لیکن دل سے اس کو برا نہیں سمجھتے تو ایسے لوگ منافق ہیں اور غیبت کرنے والے بھی ہیں، جب آدمی کسی کی غیبت کو سنتا ہے تو اس میں شریک ہو جاتا ہے ہاں اگر دل سے بیزار ہو تو غیبت میں شریک نہیں ہے۔

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کہیں جا رہے تھے ان میں سے ایک حضرت نے دوسرے صاحب سے کہا کہ فلاں شخص بہت سوتا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور کھانا کھانے بیٹھے) تو ان حضرات نے سالن طلب کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تم سالن تو کھا چکے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں کو پتہ نہیں کہ ہم نے کیا کھایا ہے آپ نے فرمایا تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو اس میں شریک کیا کیونکہ ایک نے کہا تھا اور دوسرے صاحب نے سنا تھا۔

اگر کوئی شخص دل سے برا جانتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کر کے غیبت سے روکے تب بھی خطا ہے کہ اس میں صراحت اور کوشش کے ساتھ زبان سے منع کرنا ضروری تھا تاکہ غائب کا حق بجا لانے میں تقصیر واقع نہ ہو، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور سننے والا اس کی حمایت نہ کرے اور اس کو چھوڑ دے (خود منع نہ کرے) تو حق تعالٰی اس کو ایسے وقت میں چھوڑ دے گا جبکہ وہ نجات کا محتاج ہو!

فصل

دل سے غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح زبان سے

جس طرح کسی کا عیب دوسرے سے کہنا درست نہیں ہے اسی طرح اپنے دل سے بھی کہنا درست نہیں ہے، دل سے غیبت

کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم کسی کے بارے میں بدگمانی کرو بغیر اس کے کہ تم نے کوئی بُرا کام اس سے اپنے آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا ہو یا اس کے بُرے کام پر تم کو یقین ہو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالٰی نے مسلمانوں کا خون ان کا مال اور ان سے بدگمانی، ان تینوں باتوں کو حرام کیا ہے اور جو بات کسی کے دل میں آئے اور اس پر یقین نہ اور دو شاہد عادل نے اس کی خبر نہ دی ہو تو سمجھ لے کہ شیطان نے اس کے دل میں ڈالی ہے۔ حق تعالٰی کا ارشاد ہے۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ فاسق کی بات باور مت کرو، اور شیطان جیسا فاسق کوئی اور نہیں ہے، اور وہ حرام ہے کہ اپنے دل کو اس بات سے تسکین دے لیکن اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خطرہ دل میں گزرے (بدگمان) اور اس سے کراہت کرے تو اس میں وہ ماخوذ نہیں رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن گمانِ بد سے خالی نہ ہوگا لیکن اس کی سلامتی اس میں ہے کہ اپنے دل میں خیال نہ کرے اور جب تک احتمال کی گنجائش ہو نیک گمان کو دل میں جگہ دے، دل میں گمان بد کی تحقیق کرنے کی...

علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں وہ شخص بے قدر ہو جائے گا اور اس کی خاطر داری میں اس شخص سے قصور سرزد ہوگا اور جب دل اور زبان دونوں سے اس کے ساتھ مُروّت میں مثل اوّل (سابق) کے رہے تو سمجھ کہ دل میں بہ تحقیق بدگمانی نہیں ہے لیکن اگر ایک شاہد عادل سے سُنا تو توقف کرنا چاہیئے لیکن شاہد کو بھی دروغ گو نہ سمجھے کیونکہ شاہد عادل سے بدگمانی بھی درست نہیں ہے بلکہ خبر دہندہ فاسق سے بھی بدگمان نہ ہو اور کہے کہ دونوں کے حال سے میں خوب باخبر نہیں ہوں ہاں اگر یہ جان لے کہ دونوں میں عداوت یا حسد ہے تب توقف کرنا اولیٰ اور افضل ہے البتہ اگر قائل کو بہت عادل سمجھتا ہے تو اس کی بات کو باور کرے۔

جب کوئی شخص کسی سے بدگمان ہو تو اس سے دوستی بڑھائے تاکہ شیطان غضب ناک ہو اور بدگمانی کم ہو جائے اور جب کسی کا عیب بالیقین معلوم ہو جائے تو پھر اس کی غیبت نہ کرے البتہ خلوت میں اس کو نصیحت کرے مگر عجز اور تواضع کے ساتھ بلکہ اس نصیحت کے وقت خود بھی غمگین ہو تاکہ ایک مسلمان کے سبب سے دل گرفتہ ہونے اور پند گوئی کا ثواب حاصل ہو۔

فصل

غیبت کا حریص ہونا دل کی بیماری ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ غیبت کا حریص ہونا دل کی بیماری ہے اور اس کا علاج ضروری ہے، اس علاج کی دو قسمیں ہیں پہلی

علمی علاج ہے جو دو طریقے پر ہے۔ ایک یہ کہ غیبت کی برائی میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں غور و فکر کرے اور خوب سمجھے کہ غیبت کے سبب سے اس کی نیکیاں اس کے دفتر میں منتقل ہوں گی اور یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "غیبت انسان کی نیکیوں کو اس طرح نابود کر دیتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو" اور شاید غیبت کرنے والے کے پاس ایک ہی نیکی ہو جو دوسرے گناہوں پر غالب ہو پس غیبت سے جو وہ کر رہا ہے اس کے گناہوں کی ترازو کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اس کے سبب سے دوزخ میں جائے گا۔ دوسرا طور یہ ہے کہ اپنی غیبت سے ڈرے اگر اپنی ذات میں کچھ عیب پاتا ہے تو سمجھے کہ وہ شخص بھی اپنے عیب میں اس کی ہی طرح معذور ہے اور اگر اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں پاتا تو سمجھے کہ اپنے عیب سے بے خبر رہنا بھی بڑا عیب ہے، پھر اگر سچ کہتا ہے اور کوئی عیب مردار کا گوشت کھانے کے سوا نہیں ہے تو اپنے آپ کو کہ جو بے عیب ہے معیوب نہ بنائے اور شکر الٰہی بجا لائے اور سمجھے اس بات میں دوسرے کی تقصیر ہے اور کوئی آدمی تقصیر سے خالی نہیں ہے اور جب میں خود ہی شرع کے حکم پر ثابت اور راست نہیں رہ سکتا اگرچہ صغیرہ ہو اور خود کو سنبھال نہیں سکتا تو دوسروں میں اس بات کو کیوں عیب سمجھتا ہوں! اور اگر جس عیب کو ظاہر کر رہا ہے وہ اس کی صورت سے متعلق ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس طرح وہ حق تعالٰی کی عیب گیری کر رہا ہے کیونکہ صورت کی برائی اس شخص کے اختیار میں تو تھی نہیں کہ اس خرابی پر اس شخص کی ملامت درست ہو۔

غیبت کے علاج کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے یہ غور کرے کہ کس چیز نے اس کو غیبت پر ابھارا ہے، یہ آٹھ اسباب ہیں، پہلا سبب یہ ہے کہ کسی وجہ سے اس شخص سے ناراض ہے، اس صورت میں یہ خیال کہ کسی شخص سے غفار بننے سے خود کو دوزخ میں ڈالنا حماقت ہے کہ اس طرح وہ خود اپنی ذات سے لڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی غصے کو روکے گا تو حق تعالٰی قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے اس کو طلب فرمائے گا اور فرمائے گا کہ ان بہشت کی حوروں میں سے جو تجھ کو پسند ہو اس کو لے لے۔ دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ غیبت کر کے دوسروں کی موافقت حاصل کرے تاکہ وہ لوگ شاد و مسرور ہوں اس کا علاج اس طرح کرے کہ اس صورت میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگوں کی خوشی کی خاطر اللہ تعالٰی کو ناخوش کرنا کیسی عظیم حماقت اور نادانی ہے بلکہ چاہیئے کہ لوگوں پر غصہ کرے اور انکار کرے (اس غیبت پر) خداوند تعالٰی کی رضامندی کا جویا ہو۔ تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو ایک تقصیر سے منسوب کرتے ہیں اور وہ اس اپنی خطا کو دوسرے پر ڈالتا ہے تاکہ خود کو اس نسبت سے بچائے، اس صورت میں اس کو غور کرنا چاہیئے کہ غضب خدا کی آفت جو یقیناً آنے والی ہے اس سے کس طرح بچ سکے گا اور اس عیب سے جو رہائی چاہتا ہے وہ مشکوک ہے پس چاہیئے کہ اس عیب کو اپنی ذات سے رفع کرے اور کسی طرح دوسرے پر نہ ڈالے! اگر کوئی یوں کہے کہ میں اگر حرام کھاتا ہوں اور بادشاہ کا مال قبول کرتا ہوں تو فلاں شخص بھی ایسا کام کرتا ہے، یوں کہنا حماقت کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص معصیت کرتا ہے اس کی پیروی منع ہے، اور یہ غور کا مقام آئے گا اگر تم

کسی کو آگ میں گرتا دیکھو تو کیا خود بھی اس کی پیروی میں آگ میں گر جاؤ گے پس ایک کی طرح آپ بھی معصیت کرتا سزاوار نہیں ہے اس طرح عذر رنگ کر کے تم کو معصیت میں مبتلا ہونا اور غیبت کرنا لائق نہیں!

چوتھا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص خودستائی کرنا چاہتا ہے جب خودستائی ممکن نہیں ہوتی تو دوسروں کا عیب بیان کرتا ہے تاکہ اس کی بزرگی اور فضیلت ظاہر ہو جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص نادان ہے اور فلاں شخص ریا سے حذر نہیں کرتا یعنی میں کرتا ہوں لیکن وہ نہیں کرتا اس صورت میں یوں سوچے کہ جو دانشور ہوگا وہ اس شخص بات سے اس کے جہل اور فسق کا یقین کر لے گا لیکن خود اس کی فضیلت اور پارسائی کا تعین نہیں کر سکے گا اور اگر کسی نادان نے اس کو فاضل اور پارسا سمجھا بھی تو اس سے کیا حاصل بلکہ بندۂ ناچیز اپنی فضیلت ثابت کرنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کے حضور میں اپنے ناقص ہونے کا اعتراف کرتا ہے پس اس خودستائی سے کیا فائدہ اور دوسرے کو جاہل و نادان کہنے سے کیا حاصل ہوگا۔

پانچواں سبب حسد ہے کہ جب کسی کا علم اور مال میں بلند مرتبہ ہو اور لوگ اس کے معتقد ہوں تو یہ شخص اس کو گوارا نہیں کر سکتا اور اس کی عیب جوئی کرتا ہے تاکہ وہ شخص اس سے جھگڑا کرے اور حقیقت میں یہ اپنی ذات سے جھگڑتا ہے کیونکہ حسد کر کے دنیا میں رنج و عذاب میں مبتلا ہوا اور آخرت میں غیبت کا عذاب چکھتا ہے اس طرح دونوں جہان کی نعمتوں سے محروم ہوا، افسوس اتنا نہیں جانتا کہ جس کو حق تعالیٰ نے حشمت و جاہ عطا فرمائی ہے، حاسد کے حسد سے اس میں اور اضافہ ہوگا۔

غیبت کا چھٹا باعث، استہزا ہوتا ہے یعنی کسی کا مذاق اڑا کر اس کو رسوا کرنا اور استہزا کرنے والا نہیں جانتا کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کے حضور میں وہ خود کو مخلوق کے مقابلہ میں زیادہ رسوا کرے گا تم غور کرو کہ قیامت کے دن وہ شخص جس کا تم نے مذاق اڑایا ہے اپنے گناہوں کا بوجھ تمہاری گردن پر رکھ دے گا اور جس طرح گدھے کو ہانکتے ہیں اس طرح اس طرح تم کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو تم سمجھ لو گے کہ اس شخص کی بہ نسبت تم پر ہنسنا زیادہ مناسب ہے اس وقت سمجھ جاؤ گے کہ جس کا حال ایسا کچھ ہوگا تو اگر وہ بندۂ عاقل و فرزانہ ہے تو اس طرح ہنسی اور مذاق کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک گناہ کرے اور محض اللہ کے لیے اس سے غمگین ہو جیسا کہ دینداروں کا طریقہ ہے تو اگر راستی سے یہ غم پہنچا ہے تو دینداری ہے لیکن جب تم نے اس شخص کی شکایت کی اور اس کا نام زبان سے لیا اور اس سے تم بے خبر ہو کہ یہ غیبت ہے اور تم کو یہ خبر بھی نہیں کہ شیطان نے تم پر حسد کیا ہے کہ اس دل سوزی پر تم کو ثواب حاصل ہوتا تو اس نے اس شخص کا نام تمہاری زبان سے نکلوایا ہے تاکہ غیبت کا گناہ، تمہارے اس اجر کو نابود کر دے

آٹھواں سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص پر محض اللہ کے لیے تم کو غصہ آئے یا تعجب ہو تو تم اس غصے یا تعجب

کے باعث اس شخص کا نام ظاہر کر دو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے (کہ وہ کون ہے) اور تم کو فلاں شخص پر اس کے اس کام کے باعث غصہ آیا ہے تو تمہارا یہ کام اس غصے کے ثواب کو جو محض اللہ کے لیے تم کو آیا تھا، برباد کر دے گا، پس لائق اور مناسب یہ ہے کہ غصے اور... تعجب کا مذکور بغیر نام کے کیا جائے

وہ عذر جن کے باعث غیبت کی رخصت ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ غیبت کرنا حرام ہے جس طرح جھوٹ بولنا ہے، لیکن ضرورت اور حاجت کے وقت ان چھ مذرو، کے باعث وہ مباح ہے اول بادشاہ یا قاضی کے روبرو فریاد کرنا، اس وقت غیبت درست ہے یا کسی ایسے شخص کے سامنے کہنا جس سے اعانت کا طالب ہے لیکن ایسے شخص کے سامنے کہنا جس سے مدد کی امید نہ ہو ظالم کے ظلم کو بیان کرنا درست نہیں ہے (کسی شخص نے حضرت ابن سیرینؒ کے سامنے حجاج کا ظلم بیان کیا تو انہوں نے فرمایا، حجاج کا انتقام اللہ تعالیٰ اس کی غیبت کرنے والے سے اس طرح لے گا جس طرح دوسرے لوگوں کا انتقام حجاج سے لے گا۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ کسی مقام پر جھگڑا یا فساد دیکھ کر کسی ایسے شخص سے بیان کیا جو احتساب پر قدرت رکھتا ہو اور فساد برپا کرنے والے کو روک سکے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے انھوں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا تو انہوں نے اس امر کی شکایت حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کی تاکہ وہ اس بات کو ان سے دریافت کریں اور انہوں نے اس بات (شکایت) کو غیبت نہیں سمجھا! تیسرا عذر کسی فتویٰ کا دریافت کرنا ہے کہ میری بیوی یا باپ یا کوئی اور شخص مجھ سے یوں کہتا ہے تو اس سلسلہ میں اولیٰ یہ ہے کہ اس کے نام اور اس سے اپنی قرابت کو پوشیدہ رکھے (تاکہ پہچان نہ ہو سکے) اور اس طرح دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے تو کیا کیا جائے، البتہ اس وقت نام ظاہر کرنے کی اجازت ہے کہ مفتی اس شخص مخصوص کو جان کر درست فتویٰ دے سکے۔

ہندہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابوسفیان ایک مرد بخیل ہے وہ میرا اور میرے بچوں کا پورا خرچ نہیں دیتا (اگر میں اس کی اطلاع کے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا درست ہوگا، (یہاں ابوسفیان کو اس کی عدم موجودگی میں بخیل کہا گیا لیکن فتویٰ دریافت کیا جا رہا ہے) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقدر ضرورت انصاف کے ساتھ لے لو! یہاں بخل اور خست کا بیان غیبت سے خالی نہ تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ کے عذر کی بنا پر اس کو روا رکھا!

چوتھا عذر یہ ہے کہ کسی کے شر سے بچنا چاہتا ہو جیسے کوئی بدعتی ہو یا چور ہو اور اس پر کوئی شخص بھروسا کرنا چاہتا ہے یا کوئی غلام خرید رہا ہے تو اگر اس کے عیب کو ظاہر نہیں کرے گا تو خریدار کو نقصان پہنچے گا، ان صورتوں میں

عیب کا ظاہر کر دینا درست اور روا ہے اور اس کو چھپانا مسلمان کے ساتھ دغا کرنے کے مترادف ہے زکوٰۃ گواہ لانے والے کو روا ہے کہ گواہ کے بارے میں طعن کرے (عیب کو ظاہر کرے) اسی طرح اس شخص کے عیب کو ظاہر کر دے جس کے ساتھ مشورہ کیا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم فاسق میں جو عیب دیکھو صاف کہہ دو تا کہ لوگ اس سے حذر کریں (اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں آفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو) لیکن بغیر عذر روا نہیں ہے کہا گیا ہے کہ تین شخصوں کی شکایت غیبت نہیں ہے، ایک ظالم بادشاہ کی دوسرے بدعتی شخص کی تیسرے اس شخص کی کی جو علانیہ گناہ کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی کوتاہیوں کو خود نہیں چھپاتے اور ان کو کسی کے کہنے کی پرواہ ہے، پانچواں عذر یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے نام سے مشہور ہو جس میں غیبت کے معنی موجود ہوں جیسے اعمش اور اعرج یعنی رتوندیا اور لنگڑا یا ان قبیل کے دوسرے نام ہیں تو جب ایک آدمی ایسے کسی عیبی نام سے مشہور و معروف ہے تو اس کو پروا نہیں ہوتی (کہ کوئی اس کو غیبت کے ساتھ پکار رہا ہے) اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کیا جائے مثلاً اندھے کو بصیر اور زنگی کو کافور (برعکس نام نہند زنگی کافور) اور غلام کو مولا کہیے۔ چھٹا عذر یہ۔ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنا فسق ظاہر کرے جیسے ہیجڑا (مخنث) شراب خور ایسے لوگ جو فسق کو معیوب نہیں سمجھتے ان کا ذکر (نام لینا) روا ہے۔

غیبت کا کفارہ

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ توبہ کرے اور پشیمان ہو تا کہ حق تعالےٰ کے عذاب سے محفوظ رہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی کا خواستگار ہو تا کہ اس کے مظلمہ سے بچ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی پر، اس کی آبرو یا مال کے معاملہ میں ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ درہم رہے گا نہ دینار! مگر اس کے حسنات مظلوم کو دیدیئے جائیں گے۔ اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ اس کی گردن پر رکھے جائیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے کہا کہ تو زبان دراز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا کہ تم نے غیبت کی ہے تم اس عورت سے معافی مانگو! ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب کسی شخص نے کسی کی غیبت کی تو چاہیئے کہ خداوند تعالےٰ سے اس کی مغفرت چاہے۔" بعض علماء نے اس سے یہ معانی مراد لئے ہیں کہ اس کی مغفرت چاہنا کافی ہے، اس سے معافی مانگنا درکار نہیں ہے لیکن دوسری حدیثوں کی دلیل سے ایسا خیال کرنا غلط ہے، طلب مغفرت صرف اس مقام پر ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ زندہ نہ ہو، ورنہ معافی مانگے اور معافی اس طرح مانگی جائے گی کہ تواضع اور پشیمانی کے ساتھ اس کے پاس جائے اور کہے میں نے خطا کی ہے اور جھوٹ بولا ہے تم مجھے معاف کر دو اگر وہ معاف نہ کرے تو اس کی تعریف کرے اور

اس کے ساتھ مداوا اور لطف سے پیش آئے تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے اور پھر وہ معاف کر دے اگر پھر بھی نہ بخشے تو وہ مختار ہے لیکن اس شخص کی اس مداوا کو اس کی نیکیوں میں لکھ لیا جائے گا اور ممکن ہے کہ اس کو قیامت میں دو بدلے دیئے جائیں۔ لیکن معاف کر دینا ہر صورت بہتر ہے۔ بعض بزرگان دین نے عفو کر کے کہا ہے کہ ہمارے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی اس سے بہتر نہیں ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ عفو کرنا بڑا نیک کام ہے، منقول ہے کہ کسی شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی، انہوں نے ایک خوان کھجوروں کا اس کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی عبادت بطور ہدیہ مجھے بھیجی ہے بس میں نے چاہا کہ اس ہدیہ کا کچھ بدل کروں۔ مجھے تم معاف کرنا کہ میں اس ہدیہ کا پورا بدل نہیں کر سکا ہوں، پس خطا بخشی اس سلسلہ میں خوب ہے کہنے والے نے کیا کہا ہے اس کو ظاہر کر دے کیونکہ نامعلوم بات سے بیزار ہونا درست نہیں ہے۔

تیرہویں آفت

تیرہویں آفت غمازی اور سخن چینی (دو رخا پن ہے) حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ۔ ذلیل بہت طعنہ دینے والا دو رخا پن کرنے والا

اور ارشاد فرمایا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے اور پیٹھ پیچھے بدی کرے۔

(سورۃ الھمزۃ)

اور فرمایا

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ لکڑیوں کا گٹھا سر پہ لادنے والی

ان تینوں آیتوں سے مراد سخن چینی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نمام یعنی چغل خور بہشت میں نہیں جائے گا اور ارشاد کیا ہے میں تم کو خبر دوں کہ تم میں سے بدتر لوگ کون ہیں (سنو) بدتر لوگ وہ ہیں جو چغل خوری کریں اور لوگوں میں فتنہ پیدا کریں، ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب خداوند تعالےٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ بات کرے، بہشت کہنے لگی کہ نیک بخت وہ ہے۔ جو مجھ تک پہنچے حق تعالےٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم کہ آٹھ قسم کے لوگ تیرے پاس نہیں پہنچ سکیں گے، شرابؔ خور، زانیؔ، زنا پر کاربند رہے)، غمازؔ، دیوثؔ، پیادہؔ شحنہ مخنثؔ، قاطعؔ رحم اور وہ شخص جو خدا سے عہد کرتا ہے کہ میں ایسا کام کروں گا اور پھر اس کو نہیں کرتا۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل قحط سے دوچار ہوئے اور موسےٰ علیہ السلام کے پاس دعائے باراں کے لیے گئے، (لیکن دعا کے باوجود) بارش نہیں ہوئی تب حضرت موسےٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسےٰ! میں تمہاری دعا

قبول نہیں کروں گا کہ تمہاری جماعت میں ایک غمّاز موجود ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی مجھے اس کا نشان نبائے کہ میں اس کو جماعت سے نکال دوں خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں غماز سے ناخوش ہوں تو میں کس طرح غمازی کروں ابتب موسےٰ علیہ السلام کے کہنے سے ہرایک شخص نے غمازی سے توبہ کی، اس کے بعد بارش ہوئی،

منقول ہے کہ کسی شخص نے ایک دانشور کے پاس جانے کے لیے سات سو فرسخ کا سفر کیا، اس دانشور کے پاس پہنچ کر اس سے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جو آسمانوں سے کشادہ تر زمین سے گراں تر، پتھر سے زیادہ سخت ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو آگ سے زیادہ گرم (سوزاں) ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو زمہریر سے زیادہ سرد، دریا سے زیادہ غنی ہے اور وہ کون ہے جو یتیم سے زیادہ خوار و زبوں ہے، دانشور نے جواب دیا کہ حق بات آسمان سے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے اور بے گناہ پر بہتان لگانا زمین سے زیادہ گراں تر ہے، قناعت کرنے والا دل دریا سے زیادہ غنی ہے اور حسد۔ آگ سے زیادہ گرم اور سوزاں ہے، کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے اور جو کوئی قرابت وا کی حاجت روائی نہ کرے وہ زمہریر سے زیادہ سرد دل ہے اور چغل خور جس کو لوگ جانتے ہیں یتیم سے زیادہ خوار او زبوں حال ہے۔

فصل

غمّازی کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ غمّازی فقط یہی نہیں ہے کہ ایک کی بات دوسرے سے لگادیں بلکہ ایک شخص کہ کے اسے کام یا ایسی بات کو ظاہر کردے جس سے کوئی دوسرا شخص آزردہ ہو تو یہ بھی غمازی ہے اور اس کا اظہار فع سے ہو یا قول سے یا اشارے یا تحریر سے، بلکہ کسی کا راز فاش کرنا بھی جس سے وہ شخص آزردہ ہو درست نہیں۔ مگر اس وقت درست ہے کہ کوئی شخص کسی کے مال میں خیانت کرے۔ اسی طرح ہر وہ کام جس سے کسی مسلمان کو نقص پہنچے اس کو مخفی نہیں رکھنا چاہیئے۔ جب کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں شخص نے تم کو ایسا ایسا کہا ہے یا تمہا حق میں وہ ایسی باتیں کہتا ہے تو سننے والے کو ان چھ باتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔

پہلی بات یہ کہ اس کی بات کو باور نہ کرے کیونکہ غماز فاسق ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاسق کی با مت سنو! دوسرے یہ کہ اس کو نصیحت کرے اور کہے کہ ایسا کام دوبارہ نہ کرنا، کیونکہ گناہ سے منع کرنا وا

تیسرے یہ کہ اللہ کے لیے اس سے دشمنی رکھے کیونکہ غماز سے دشمنی رکھنا واجب ہے؛ چوتھے یہ کہ اس شخص کے بارے میں (جس کے بارے میں بات سنائی گئی ہے) بدگمانی نہ کرے کیونکہ گمان بد حرام ہے۔ پانچویں یہ کہ اس بات کی تحقیق کے درپے نہ ہو حق تعالےٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، چھٹے یہ کہ جو بات اپنے بارے میں ناپسند کرتا ہو وہ دوسرے کے بارے میں بھی پسند نہ کرے اور اس کی غمازی کا معاملہ دوسرے سے بیان کرے بلکہ اس کو چھپائے، ان چھ باتوں میں سے ایک پر عمل کرنا واجب ہے۔

کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص کی چغلی کھائی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس پر غور کریں گے اگر تو نے جھوٹ کہا ہے تو، تو ان لوگوں میں شامل ہے اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ (اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے) اور اگر تو نے سچ کہا ہے تو پھر تو ان لوگوں میں شامل ہو گا۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے بخشدوں اور معاف کردوں تو توبہ کر اس نے کہا! اے امیر المومنین میں توبہ کرتا ہوں،

منقول ہے کہ کسی شخص نے ایک دانشور سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو برا کہا ہے، دانشور نے جواب دیا کہ عرصہ دراز کے تم مجھے ملے اور تم نے تین خیانتیں کی ہیں، ایک یہ کہ دینی بھائی پر مجھے غصہ دلایا دوسرے یہ کہ میرے دل کو تشویش میں مبتلا کیا تیسرے یہ کہ تم نے خود اپنی ذات کو فاسق اور متہم ٹھیرایا۔

سلیمان بن عبدالملک (اموی) نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ کیا تو نے مجھے برا کہا ہے، اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے! سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ ایک عادل معتبر نے مجھ سے کہا ہے اس وقت امام زہریؒ وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! غماز کس طرح عادل ہو سکتا ہے! یہ سن کر سلیمان نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، پھر اس شخص سے فرمایا کہ خیریت سے رخصت ہو جاؤ!!

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کا ذکر برائی سے تمہارے سامنے کرتا ہے وہ اسی طرح تمہارا ذکر دوسروں کے سامنے کرے گا پس ایسے شخص سے بچو! اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کو دشمن تصور کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بدگوئی کرتا ہے: حذر، خیانت، دغا، حسد، فتنہ انگیز اور نفاق کی بری صفتیں اس کے اندر موجود ہیں ابزرگان دین نے فرمایا ہے کہ راستی ہر شخص سے ایک پسندیدہ عمل ہے مگر غماز اور نمام اگر سچ بولے اس صورت میں غمازی اور نمامی، تو وہ پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

حضرت مصعب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ میرے نزدیک چغلی سننا چغلخوری سے بھی بدتر ہے کہ نمامی سے مقصود تو غیبت ہے اور اس کا سننا گویا ایسا ہے کہ اس کو اجازت دے دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، غماز حلال زادہ نہیں ہے اور جان لو کہ فتنہ انگیز اور غماز کا شر بہت عظیم ہے، شاید کہ ان کی باتوں سے لوگ مارے

مارے جائیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص اپنے ایک غلام کو بیچ رہا تھا۔ خریدار سے اس نے کہا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اس کے کہ یہ غماز اور فتنہ انگیز ہے خریدار نے کہا کہ اس عیب کی کوئی پروا نہیں اور اس کو خرید لیا، چند روز کے بعد غلام نے مالک کی بیوی سے کہا کہ میرے آقا آپ سے پیار نہیں کرتے ہیں وہ ایک اور کنیز مول لے رہے ہیں، میں ایک منتر کر دوں گا، آپ جب آقا سو جائیں تو ان کی ٹھوڑی کے نیچے کے چند بال تراش کر مجھے دے دینا، وہ اس منتر کے بعد آپ سے خوب پیار کریں گے، عورت سے تو غلام نے یوں کہا اور اپنے آقا سے کہا کہ آپ کی بیوی ایک اور شخص پر فریفتہ ہے اور وہ آپ کو مار ڈالنا چاہتی ہے آپ میری بات آزما دیکھئے، آپ نیند کا بہانہ کر کے لیٹ جایئے (سوتے بن جایئے) آپ پر حقیقت روشن ہو جائے گی مالک نے ایسا ہی کیا ادھر وہ عورت استرا لے کر آئی اور اس کی داڑھی پر ہاتھ رکھا آقا کو یقین ہو گیا کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتی ہے پس اتنے فوراً اٹھ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا، عورت کے ورثا کو جب اس کی خبر ہوئی تو سب کے سب اس کے در پہ چڑھ آئے اور اس مالک کو قتل کر دیا اور طرفین سے جنگ میں بہت سے لوگ کام آئے۔

چودھویں آفت

چودھویں آفت دو دشمنوں کے درمیان لگائی بجھائی (دورخی) کرنا ہے یعنی ہر ایک سے ایسی بات کہنا جو اس کو پسند آئے پھر ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچا دینا (دوتا پن) یہ کام غمازی سے بھی بدتر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، جو شخص دنیا میں دوتا پن کرے گا قیامت میں اس کی دو زبانیں ہوں گی۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "بندوں میں سب سے بدتر وہ شخص ہے جو دوتا نہ ہو"

پس ایسے شخص سے جو دشمن سے دوستی رکھتا ہے تو لازم ہے کہ جب کسی سے ایک بات سنے تو یا تو خاموش ہو جائے یا جو بات سنے وہ سامنے کہہ دے (پیچھے نہ کہے) تاکہ لوگ اس کو منافق نہ کہیں، ایک کی بات دوسرے سے نہ لگائے اور ہر ایک سے اس طرح نہ کہے کہ "میں آپ کا خیر خواہ ہوں"

حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب ہم امراء کے پاس جاتے ہیں تو جیسی باتیں وہاں کہتے ہیں وہاں سے واپس آکر ہم ویسا نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مسعود میں ہم اس طریقے کو نفاق سمجھتے تھے۔

جب کوئی شخص سلاطین کے پاس بغیر ضرورت کے جائے اور تملق سے اس طرح باتیں کرے جس طرح وہ ان کے پیچھے نہیں کہتا تھا تو وہ منافق اور دورو (دوغلا) ہے ہاں اگر اس قسم کی گفتگو ضرورتاً لاحق ہو جائے تو اجازت

دی گئی ہے۔

لوگوں کی مدح وستائش

پندرہویں آفت

لوگوں کی مدح وستائش پندرہویں آفت ہے اور ان کی تعریف میں غلو کرنا یہ بھی آفت ہے اور اس میں چھ نقصانات ہیں، ان میں سے چار کا تعلق مدح کرنے والے (مداح) سے ہے اور دو کا تعلق ممدوح سے ہے۔

پہلا نقصان یہ ہے کہ اس طرح وہ یاوہ گوئی کرے گا اور دروغ ثابت ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جس نے مخلوق کی تعریف میں غلو کیا قیامت کے دن اس کی زبان اتنی لمبی ہوگی کہ زمین سے لگ جائے گی اور وہ اس کو وہ روندتا ہوا گر پڑے گا۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ شاید کہنے والا (مدح کرنے والا) منافق ہو اور وہ نفاق سے کہہ رہا ہو کہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں، لیکن حقیقت میں دوست نہ ہو۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ شاید مدح وستائش وہ ایسی بات کہے جس کی حقیقت اس کو معلوم نہ ہو مثلاً کہے آپ بڑے پارسا اور پرہیزگار ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں یا اسی قبیل کی اور باتیں کہے،

ایک شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کسی شخص کی تعریف کی، حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا افسوس کے اس کی گردن مار دی، آپ نے پھر فرمایا کہ اگر تجھے کسی کی مدح کرنا ضروری ہے تو یوں کہہ کہ میں ایسا سمجھتا ہوں اور عند اللہ اس کو عیب سے بری خیال کرتا ہوں اگر تو اس خیال میں سچا ہے تب اس کا حساب خدا کے ساتھ ہے، چوتھا نقصان یہ ہے کہ ممدوح ظالم ہے اور مداح کی تعریف سے خوش ہوتا ہے اس صورت میں ظالم کو خوش کرنا درست نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم فاسق کو سراہتے ہو تو خدا تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے" ممدوح کے دو نقصانوں میں ایک نقصان یہ ہے کہ اس مدح سے تکبر و غرور پیدا ہوتا ہے،

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ درہ لیے بیٹھے تھے جارود نامی شخص آپ کے پاس آیا ایک شخص نے کہا کہ وہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے! جب وہ آکر آپ کے پاس بیٹھ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو درہ مارا، جارود نے کہا کہ امیر المومنین! آپ مجھے کیوں مار رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا تو نے اس شخص کی بات نہیں سنی! جارود نے کہا میں نے نہیں سنی! آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ تیرے دل میں اس شخص کی بات سن کر غرور نہ پیدا ہوا ہو (کہ یہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے)، بس میں نے چاہا کہ تیرے غرور کو توڑ دوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی کو کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے بہت زاہد ہے تو وہ آئندہ کاہلی اور سستی اختیار کرے گا اور دل میں کہے گا

کہ میں تو درجہ کمال کو پہنچ گیا ہوں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا، تم نے اس کی گردن مار دی کہ اگر وہ اس بات کو یقین کرے تو کوشش سے باز رہے گا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تیز چھری لے کر کسی کے پاس جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے سامنے اس کی تعریف کی جائے۔ جناب زیادؓ بن اسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی مدح سنتا ہے۔ شیطان اس کے سامنے آکر اس کو اس جگہ سے اٹھاتا ہے لیکن مومن خود کو پہچان کر تواضع اختیار کرتا ہے پس اگر مدح و ستائش میں ان چھ آفتوں کا اندیشہ نہ ہو تو کسی کی مدح کرنا درست ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب اکرام (رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین) کی تعریف فرمائی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ "اگر میرے بعد کسی کو رسالت دی جاتی" آپ نے فرمایا کہ تمام عالم کے ایمان کا اگر (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے ایمان کے ساتھ مقابلہ کریں تو ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کا ایمان زیادہ ہو گا۔ اس قسم کی ثنا و ستائش آپ نے صحابہ کرام کی نسبت کثرت سے فرمائی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جانتے تھے کہ آپ کی یہ تعریفیں ان اصحاب کے لیے مضرت رساں نہیں ہوں گی۔

اپنی تعریف آپ کرنا اچھا نہیں ہے حق تعالےٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے۔ انا میدولدآدم ولافخر۔ آپ اپنی جانوں کو خوار نہ بناؤ) اگر کوئی شخص کسی قسم کا پیشوا ہے اور وہ اپنی تعریف آپ اس لئے کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں تو روا ہے چنانچہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انا سیدنا البشیر و لافخر یعنی میں سید البشر ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے (میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا) میں اس سرداری پر بڑائی نہیں کرتا اور نہ اس سے فخر کرتا ہوں، آپ نے یہ اس واسطے فرمایا کہ سب امتی آپ کی پیروی کریں اسی طرح یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بے شک میں حفاظت کرنے والا، علم والا ہوں)

فصل

جب لوگ کسی کی تعریف کریں تو اس شخص یعنی ممدوح کو چاہیئے کہ غرور اور تکبر سے بچے اور اپنے خاتمہ سے بے فکر نہ ہو کیونکہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہے اگر کوئی شخص دوزخ سے نجات نہ پائے تو کتا اور خنزیر اس سے بہتر ہیں اور کسی کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ وہ دوزخ سے نجات یافتہ ہے پس چاہیئے کہ وہ اس طرح سوچے کہ مدح کرنے والے کو اس کے تمام راز معلوم ہوتے تو وہ اس طرح اس کی مدح نہ کرتا۔ اس صورت میں شکر

الٰہی بجالائے کہ اس کے باطن کا حال مدّاح پر پوشیدہ ہے اور جب لوگ اس کی مدح کریں تو وہ خود اور دل میں اس طرح سے بیزار رہے، لوگوں نے ایک بزرگ کی تعریف کی وہ کہنے لگے یا الٰہی! یہ شخص میرا قرب اس چیز کے وسیلے سے ڈھونڈھ رہا ہے جس سے میں بیزار ہوں تو گواہ رہنا کہ میں مدح سے بیزار ہوں اور تیری بارگاہ کے تقرب کا خواہاں ہوں" کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا، بارِ الہا! مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا اس بات پر جو یہ لوگ کہتے ہیں اور میری اس خطا کو بخش دینا جس کو یہ لوگ نہیں جانتے ہیں۔ اور مجھ کو یہ لوگ جیسا سمجھتے ہیں اس سے بہتر فرما دے!

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دل سے دوست نہیں رکھتا تھا اس نے نفاق سے آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا تو نے زبان سے جو کچھ مجھے کہا ہے میں اس سے کم تر ہوں اور دل میں تو مجھے جیسا سمجھتا ہے اس سے میں بہتر ہوں۔

اصل چہارم

غصہ، کینہ، حسد اور ان کا علاج

غصہ کی اصل آتش ہے کیونکہ اس کا صدمہ اور اس کی ضرب دل پر پڑتی ہے اور اس کی نسبت شیطان کے ساتھ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے (قرآن میں ہے) خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو طین سے) اور معلوم ہے کہ آگ کا کام بیقراری ہے اور مٹی کا کام سکون ہے (ایک کی فطرت میں اضطراب ہے اور ایک کی فطرت میں سکون) پس جس پر غصہ غالب ہو گا اس کی نسبت آدم علیہ السلام کی نسبت سے زیادہ شیطان سے ہو گی اسی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جو مجھے خداوند تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو غصہ میں نہ آئے" ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے ایک مختصر سا عمل بتایئے! آپ نے فرمایا "قصداً غصہ نہ کرنا" انہوں نے کئی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ہر بار یہی فرمایا!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "غصہ ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا (صبر) شہد کی مٹھاس کو بگاڑ دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ غصہ نہ کیجئے تو انہوں نے کہا کہ ممکن نہیں ہے کہ میں انسان ہوں، تب انہوں نے فرمایا "گالی جمع مت کیجئے! انہوں نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے (غصہ اور گالی دونوں کو جمع نہ کیا جائے)۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ بالکل غصہ نہ کرنا ممکن نہیں ہے البتہ غصہ کو پی جانا (روک لینا) ضروری ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط (اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے) اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو غصہ کو پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے اٹھالے گا اور جو کوئی خداوند تعالیٰ کی تقصیر کر کے عذر خواہی کرے وہ قبول فرمائے گا اور جو اپنی زبان کو روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی شرم رکھے گا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو کوئی غصہ کو پی جائے گا حق تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضامندی سے معمور فرما دے گا، ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ دوزخ کا ایک دروازہ ہے کوئی اس میں نہیں جائے گا۔ مگر وہی شخص جو شرع کے برخلاف خشمگیں ہو گا۔ ایک اور ارشاد والا ہے کہ بندہ جو گھونٹ پیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصہ کو پی جانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ

اس کے دل کو ایمان سے بھر دے گا۔

حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے بزرگوں نے فرمایا ہے اور اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ غصہ سے جو حلیم (برداشت) کیا جاتا ہے اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہے جس طرح طمع کے وقت صبر کرنے سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سخت بات کہی، انہوں نے اپنا سر جھکا لیا اور فرمایا کہ تو نے جانا کہ مجھے غصہ آئے اور شیطان، حکومت اور سرداری کا غرور میرے اندر پیدا کر دے اور میں آج تجھ پر غصہ کروں اور کل قیامت میں تو اس کا مجھ سے بدلہ لے، یہ ہرگز نہیں ہوگا یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔

ایک نبی اللہ نے اپنی جماعت کے لوگوں سے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو اس بات کا کفیل ہو کہ وہ غصہ نہیں کرے گا۔ وہی میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا اور بہشت میں میرے ساتھ رہے گا، ایک شخص نے کہا کہ میں اس کا ذمہ لیتا ہوں، اس نے اس بات کو قبول کر لیا۔ دوسری بار پھر انہوں نے دریافت کیا تو پھر اس نے جواب دیا کہ میں قبول کرتا ہوں چنانچہ اس نے اس عہد کو پورا کیا اور وہی شخص ان کا جانشین ہوا، اسی کفالت اور ذمہ داری کے باعث ان کا نام (لقب) ذوالکفل رکھا گیا۔

فصل

معلوم ہونا چاہیئے کہ غصہ انسان میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اس کا ہتھیار بن جائے تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے آپ سے مضرت اور نقصان کو دور کر سکے اور خواہش (شہوت) کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ جو چیز مفید ہو اس کو اپنی طرف کھینچ لے۔ انسان کو ان دو چیزوں سے گریز ناممکن ہے لیکن جب ان میں افراط پیدا ہوتی ہے تو وہ خطرے اور اس آگ کی مانند ہے جو دل میں بھڑکتی ہے اور اس کا دھواں دماغ تک پہنچتا ہے اور عقل کے محل کو وہ دھواں تیرہ و تاریک کر دیتا ہے کہ عقل کو کوئی اور اچھی بات نہ سوجھ سکے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک غار میں اتنا دھواں پیدا ہو جائے کہ اس کے اندر کوئی جگہ نظر نہ آئے۔ یہ بہت ہی خرابی کی بات ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ غصہ عقل کے حق میں شیطان ہے اور اس کا بالکل کم ہو جانا بھی اچھا نہیں ہے کہ عزت اور دین کی حفاظت کیلئے قتال اور کافروں سے جنگ و جدال اسی جذبہ کی بدولت ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط یعنی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا اَغْضِبْ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ ۔ (یعنی وہ کافروں پر سخت ہیں) یہ سب غصہ ہی کا نتیجہ ہے بس چاہیئے کہ غصہ میں نہ افراط ہو نہ تفریط بلکہ اعتدال ہو اور عقل و دین کے حکم سے ہو، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ریاضت سے مطلب

یہ ہے کہ غصہ کی قطعی بیخ کنی ہو جائے ایسا خیال کرنا غلط ہے کیونکہ غصہ تو بمنزلہ ہتھیار کے ہے انسان کو اس سے گریز ناممکن ہے۔ غصہ کا نابود ہونا جب تک انسان زندہ ہے ناممکن ہے جس طرح شہوت کا استیصال یا اس کا نابود ہونا ممکن نہیں ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض کاموں اور بعض اوقات میں غصہ ظاہر نہ ہو بالکل پنہاں ہو جائے اور لوگ سمجھیں کہ غصہ بالکل ختم ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہماری ضرورت کی چیز ہم سے چھین لینا چاہتا ہے تو اس سے غصہ پیدا ہوتا ہے لیکن جب حاجت نہ ہو تو غصہ نہیں آئے گا مثلاً کسی کے پاس ایک کتا ہے اور اس کو اس کی حاجت نہیں ہے اب اگر اس کو کوئی لے گیا یا کسی نے اس کو مار ڈالا تو غصہ نہیں آئے گا۔ کھانا، کپڑا، گھر، صحت و تندرستی یہ تمام چیزیں ضرورت کی ہیں پس اگر کسی نے زخم لگایا جس سے جان کو اذیت پہنچی یا اس کی خوراک یا کپڑا چھین لیا تو یقیناً غصہ آئے گا۔ اب اس کی جس قدر زیادہ حاجت ہو گی اسی قدر غصہ میں شدت پیدا ہو گی۔

محتاج شخص بہت عاجز اور لاچار رہتا ہے کیونکہ محتاج نہ ہونے ہی میں آزادی ہے جتنی حاجت زیادہ ہو گی اسی قدر بندگی اور غلامی میں اضافہ ہو گا۔ پس ریاضت سے یہ بات ممکن ہے کہ انسان ضروری چیز کا حاجت مند رہے۔ جاہ و مال اور دنیا طلبی کا خیال دور ہو جائے۔ پس غصہ جو اسی حاجت کا نتیجہ ہے ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص طالب جاہ نہیں ہے۔ اس شخص پر جو اس سے برتر مقام پر پہنچنا چاہتا ہے یا اس سے مقدم بننا چاہتا ہے غصہ نہیں کرے گا، اس معاملہ میں مخلوق کے مابین بہت ہی تفاوت ہے کیونکہ اکثر غصہ جاہ و مال کی افزونی کے سبب سے ہوا کرتا ہے یہاں تک کہ بعض سبک مایہ چیزوں پر بھی لوگ فخر کرتے ہیں۔ مثلاً شطرنج، نرد بازی، کبوتر بازی اور بزرگی یا مثلاً کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص اچھا شاعر ہے اور شراب کم پیتا ہے یہ سن کر وہ غصہ میں آتا ہے ایسی صورت میں ریاضت اور توبہ سے اس جال سے رہائی پا سکتا ہے لیکن جو چیز آدمی کی ضرورت ہے اس معاملہ میں غصہ نابود نہیں ہو گا۔ اور نابود ہونا بھی نہیں چاہیے لیکن خشم اور غصہ کو قابو میں رکھنا چاہیے یہ نہ ہو کہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور عقل و شرع کے خلاف غصہ اس پر غلبہ پالے پس ریاضت کرنے سے غصہ کو اس درجہ پر لا سکتے ہیں۔

اس بات کی دلیل کہ غصہ جڑ سے نہیں نکل سکتا (اور اس کا بالکل ختم ہو جانا درست بھی نہیں ہے) یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ بات موجود تھی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے

(میں بھی لباس بشریت میں ہوں اور میں بھی اس طرح غصہ کرتا ہوں جس طرح انسان غصہ کرتا ہے)

تو میں کس پر لعنت کروں یا غصہ سے اس کو بُرا کہوں یا ماروں، الہٰی! تو اس کو اپنی رحمت کا سبب بنا دے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو کچھ فرماتے ہیں کیا میں اس کو لکھ لیا کروں. خواہ آپ غصہ کی حالت میں کچھ

فرمائیں: آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنایا کہ غصہ کی حالت میں سوائے حق بات کے میری زبان پر کوئی اور بات نہیں آئے گی۔ غور کرو کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا ہے بلکہ یوں فرمایا کہ غصہ مجھے حق اور انصاف سے نہیں روک سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز مجھے بہت غصہ آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ غصہ اور غضب دیکھ کر فرمانے لگے! عائشہ رضؓ یہ تمہارا شیطان آیا ہے، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے پاس غصہ کا شیطان نہیں ہے (گفت وترا شیطان نیست) آپ نے فرمایا ہے! لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر نصرت اور غلبہ عطا فرمایا ہے تاکہ وہ میرے قبضہ میں رہے (میرا غُصّہ قابو میں رہے) اور سوائے خیر کے اور کچھ نہ کہے۔ دیکھو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس غصہ کا شیطان نہیں ہے (نہ گفت مرا شیطان غضب نیست صفحہ ص۵۰۶ کیمیائے سعادت چاپ تہران)

فصل

توحید کا غلبہ، غصہ کو چھپا لیتا ہے

اے عزیز! غصہ کی جڑ انسان کے دل سے قطعی نابود نہیں ہوتی ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض احوال یا زیادہ مواقع پر توحید الٰہی کا اس پر غلبہ ہو اور وہ ہر ایک چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے اس طرح اس توحید کے غلبہ سے اس کا غصہ دب جائے گا یا پوشیدہ ہو جائے گا۔ اور اس سے کسی چیز کا اظہار نہ ہو سکے مثلاً اگر کسی کو پتھر مارا جائے تو کوئی بھی پتھر پر غصہ نہیں کرتا اگرچہ غصہ کی جڑ اس کے دل میں اپنی جگہ پر موجود ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ سنگ کی نہیں بلکہ سنگ انداز کی خطا ہے، اسی طرح اگر کوئی بادشاہ کسی کے قتل کے فرمان پر دستخط کرے تو کوئی بھی فرمان لکھنے والے قلم پر غضب ناک نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں قلم کا کچھ اختیار نہیں ہے اور حرکت اس سے نہیں ہے اگرچہ حرکت اس میں موجود ہے اسی طرح جب کسی پر توحید الٰہی غالب ہو تو وہ بالضرور یہی سمجھتا ہے کہ تمام مخلوق اپنے فعل میں مجبور ہے (کہ خلق مضطر اند، دراں کہ بر ایشاں می رود) کیونکہ حرکت اگرچہ قدرت کی قید میں ہے لیکن یہ قدرت ارادے اور خواہش کی قید میں نہیں ہے اور ارادے پر انسان کا اختیار نہیں ہے البتہ خواہش کی قوت کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے خواہ وہ اس کو چاہے یا نہ چاہے اور جب خواہش کی قوت کو اسے عطا کر دیا گیا تو اس سے فعل یقیناً صادر ہوگا تو یہ مثال اس پتھر کی ہے جو اس کو مارا گیا جس سے بدن کو درد اور تکلیف پہنچی لیس اس سے غصہ نہیں آنا چاہیے

اگر اس شخص کے پاس گوشت کھانے کے لئے ایک گوسفند تھا اور وہ مر گیا تو کیا یہ شخص اس گوسفند پر غصہ کرے گا کہ تو کیوں مر گیا) البتہ اس کے مرنے پر غمگین اور رنجیدہ ضرور ہو گا اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے گوسفند کو مار ڈالے اور تب بھی غصہ نہ کرے بشرطیکہ اس پر توحید الٰہی کا غلبہ ہو لیکن اس نور کا غلبہ علی الدوام نہیں ہوتا بلکہ برق کی طرح آنی (ذرا اس دیر کے لئے) ہوتا ہے اور یہ التفاتِ الٰہی یا اسباب کے بشری تقاضوں کے اعتبار سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اکثر اوقات توحید الٰہی سے مغلوب ہوتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کے دل سے غصہ کی جڑ نکل گئی ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس فعل کا صدور کسی انسان سے نہیں سمجھتا ہے اس بنا پر وہ غصہ میں نہیں آتا ہے جیسے کسی کو ایک پتھر آکر لگا اور اس پر وہ غصہ میں نہیں آیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ توحید کا غلبہ تو نہیں ہوتا لیکن دل کسی امر عظیم میں مشغول ہوتا ہے ایسے موقع پر بھی غصہ دب جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔ کسی شخص نے ایک مسلمان کو گالی، اس نے کہا کہ اگر قیامت میں میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہے تو میں اس سے بھی بدتر ہوں جیسا کہ تو نے مجھ کو کہا اور اگر میرا وہ پلہ ہلکا ہے تو پھر مجھے تیری بات (گالی) کی کیا پروا!

کسی شخص نے شیخ ربیع ابن خثیم کو گالی دی، انہوں نے کہا کہ میرے اور بہشت کے درمیان ایک گھاٹی حائل ہے میں اس کے طے کرنے میں مصروف ہوں اگر طے کر لوں تو تیری اس بات کی مجھے کیا پروا! اور اگر میں اس کو طے نہ کر سکا تو تیری یہ گالی میرے لئے کافی نہیں ہے (بلکہ اور زیادہ گالیوں کا مستحق ہوں) دیکھو یہ دونوں بزرگ آخرت کے معاملہ میں اس طرح مستغرق تھے کہ ان کا غصہ دب گیا تھا۔ کسی شخص نے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی، آپ نے فرمایا کہ میرے ایسے بہت سے عیوب ہیں جو تجھ کو معلوم نہیں ہیں، آپ آخرت کی فکر میں منہمک تھے اس لئے گالی سن کر غصہ ظاہر نہیں ہوا۔ ایک عورت نے حضرت مالک دینار سے کہا کہ تم ریاکار ہو، یہ سن کر آپ نے فرمایا تیرے سوا مجھے آج تک کسی نے نہیں پہچانا۔ ایک شخص نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بری بات کہی، انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو تیری مغفرت فرمائے پس ان حالتوں کی صورت میں غصہ کا دب جانا روا اور درست ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ بندے کے غصہ نہ کرنے سے خداوند تعالیٰ خوش ہوتا ہے، پس جب کوئی بات غصہ کرنے کی ظہور میں آتی ہے تو حق تعالیٰ کی محبت اس غصہ کو دبا دیتی ہے جیسے کوئی شخص ایک ایک شخص سے محبت کرتا ہے اور اس محبوب کا فرزند اس عاشق یا محب کو گالیاں دیتا ہے تو محب یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے محبوب کا ارادہ یہ ہے کہ میں ان گالیوں سے تنگ آکر اس کو چھوڑ دوں لیکن عشق اور محبت کا غلبہ ایسی

صورت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اس گالی پر بھی خشمگیں نہیں ہوتا اور اسکو غصہ نہیں آتا۔ پس آدمی کو چاہئیے کہ ان اسباب کے پیش نظر ایسا ہو جائے کہ غصہ کو مار ڈالے اگر مار نہیں سکتا تو اتنا تو کرے کہ اس کی قوت کو توڑ دے تاکہ غصہ اپنی سرکشی سے عقل و شرع کے خلاف جنبش نہ کر سکے۔

فصل

غصہ یا خشم کا علاج واجب ہے

اے عزیز! غصہ کا علاج اور اس باب میں محنت و مشقت برداشت کرنا فرض ہے، کیونکہ اکثر لوگ غصہ ہی کے باعث دوزخ میں جائیں گے، خشم و غضب سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ غصہ اور خشم کا علاج دو طرح پر ہوگا ایک بطور مسہل کے ہے جو اس کی جڑ اور اس کے مادے کو باطن سے باہر نکال پھینکے اور دوسرا بطور سکنجبین کے کہ اس کو دبا دے لیکن جڑ سے نہ اکھاڑ سکے۔ پس مسہل تو یہ ہے کہ انسان غور کرے کہ خشم اور غصہ کا سبب باطن میں کیا ہے بس ان اسباب کو جڑ سے اکھاڑے۔ غور کے بعد معلوم ہوگا کہ غصہ کے اسباب پانچ ہیں۔ اوّل تکبر! کہ تکبر ذرا سی بات پر جو اس کی بزرگی کے خلاف ہو غصہ میں آجاتا ہے پس ایسی صورت میں چاہئیے کہ تکبر کو تواضع سے توڑے اور خیال کرے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح ایک بندہ ہے اور بزرگی نیک اخلاق ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تکبر جو ایک خلقِ بد ہے تواضع کے سوا دور نہیں ہوگا۔ دوسرا سبب وہ غرور ہے جو انسان کو اپنے بارے میں ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے تکبر و غرور کا علاج ہم اس کے موقع پر تفصیل سے بیان کریں گے۔ تیسرا سبب مزاح ہے یعنی مذاق اور ٹھٹھول ہے کہ اکثر اس کا انجام خشم اور غصہ پر منتج ہوتا ہے۔ پس ٹھٹھول اور مذاق کرنا خشم کا موجب ہوگا۔ خود کو اس سے بچانا چاہئیے کیونکہ جب دوسروں سے استہزا کیا جائے گا تو دوسرے تم سے استہزاء کریں گے اور تمہارے مذاق کا جواب دیں گے۔ اس طرح مذاق کرنے والا خود اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ چوتھا سبب عیب جوئی اور ملامت کرنا ہے یہ بھی دونوں جانب سے غصہ کا سبب ہو سکتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سمجھ لینا چاہئیے کہ جو شخص بے عیب نہ ہو اس کے حق میں عیب گیری زیبا نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بے عیب نہ ہوگا۔ پانچواں سبب مال و جاہ کی حرص ہے، انسان کو اس کی بڑی حاجت ہے اور جو شخص بخیل ہے کہ اگر اس کی ایک دمڑی بھی لے لیں تو وہ غصہ میں آجاتا ہے اور جو شخص حریص ہے اگر اس کے ایک لقمہ میں بھی خلل پڑ جائے تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے یہ سب برے اخلاق ہیں غصہ کی جڑ یہی ہیں۔

اس کا علاج دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک عملی اور دوسرا علمی! علمی علاج یہ ہے کہ آدمی ان کی آفت اور قیامت کو پہچانے اور سمجھے کہ ان کا ضرر دین اور دنیا میں کس قدر ہے تاکہ اس کے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو سکے بعد علمی علاج کی طرف توجہ کرے وہ اس طرح کہ ان بُری صفتوں (اخلاق بد) کی مخالفت کرے کہ تمام بُرے اخلاق کا علاج ان کی مخالفت ہے جیسا کہ ہم ریاضت کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں۔ غصہ اور اخلاق بد کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص تو ایسے لوگوں پر جلد غصہ میں آجاتا ہے جو غرور کو پسند کرے اور وہ اس کا نام شجاعت اور بہادری رکھ دے اور اس پر فخر کرے اور کہے کہ فلاں شخص نے اس شخص کو ایک بات پر مار ڈالا اور اس کا گھر ویران کر دیا کسی کو اس کے خلاف بات کہنے کی جرأت نہیں تھی کیونکہ وہ بڑا سورما ہے۔ سپاہی اور جوانمرد ایسے ہی ہوتے ہیں اور کسی کو چھوڑ دینا (معاف کر دینا) تو خواری اور دوں ہمتی اور بے غیرتی کی ایک نشانی ہے پس ایسا غصہ جو کتوں کی عادت ہے اس کو شجاعت اور مردانگی کہا گیا اور شیطان کا تو کام بھی یہی ہے کہ سب کو مکر و فریب اور شاندار الفاظ سے تعبیر کر کے نیک اور اچھے اخلاق سے باز رکھتا ہے اور بُرے اخلاق کو اچھے نام دے کر وہ ان کی طرف بلاتا ہے ہر عقلمند شخص اس بات کو جانتا ہے۔

اگر غصہ جوانمردی کی علامت اور نشانی ہوتا تو عورتیں، بچے، بوڑھے اور بیمار لوگ غصہ سے دور رہتے (ان کو غصہ نہیں آتا) اور سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ لوگ جلد غصے میں آجاتے ہیں، پس یہ جوانمردی نہیں ہے، مردمی تو اس میں ہے کہ انسان اپنے غصہ کو روکے اور یہ صفت انبیاء (علیہ السلام) اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ہے غصہ کرنا، نادانوں، وحشی ترکوں اور درندہ صفت لوگوں کا شعار ہے۔ پس تم غور کرو کہ تمہاری بزرگی، انبیاء اور اولیا کے مانند رہنے میں ہے یا احمقوں اور نادانوں کی طرح رہنے میں۔

فصل

یہ باتیں جو اوپر ہم نے ذکر کی ہیں وہ غصہ کے مادے کو دفع کرنے کے لئے مسہل کا حکم رکھتی ہیں جو کوئی اس طرح اس کو دفع نہیں کر سکتا تو چاہیئے کہ غضب کے جوش کو تسکین دے اور یہ تسکین اس سکنجبین سے ہو گی۔ جو علم کے شیرینی اور صبر کی تلخی سے بنائی گئی ہے اور تمام اخلاق کا علاج "معجون علم و عمل" ہے علم یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں غور کرے جو غصہ کی مذمت اور غصہ کو پی جانے کے ثواب میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اپنے دل سے کہے کہ حق تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جو تجھے دوسروں پر حاصل ہے۔ اگر تو کسی پر غصہ کرے گا تو قیامت میں خدا کے غضب سے کس طرح محفوظ رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو کسی کام کے لئے بھیجا وہ دیر سے واپس آیا تو آپ نے فرمایا "اگر قیامت میں انتقام نہ لیا جاتا تو میں تجھے مارتا"۔

پس غصہ کے وقت انسان اپنے دل میں کہے کہ یہ تیرا غصہ اس واسطے ہے کہ تقدیر الٰہی سے ایک کام ہوا نہ

کہ تیرے ارادے سے پس تیرا یہ جھگڑا خدا سے جھگڑا ہوا پس اگر ان اسباب کے بارے میں جو آخرت سے تعلق رکھتے ہیں غصہ فرو نہ ہو تو پھر دنیاوی اعزاض پر نظر کرے اور سوچے کہ اگر وہ غصہ کرے گا تو دوسرا بھی غصہ کرے گا اور بدلہ لے گا کیونکہ دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے مثلاً کوئی غلام جس نے ندامت تقصیر کی تھی بھاگ گیا ممکن ہے کہ وہ کبھی آکر معذرت کرے۔ انسان کو چاہیئے کہ غصہ کی حالت میں اپنی صورت کی زشتی (بگاڑ) کا خیال کرے کہ غصہ میں صورت کس طرح بدل جاتی ہے۔ انسان بھیڑیے کی طرح ہو جاتا ہے جو انسان پر حملہ کرتا ہے اور اس کا باطن جل اٹھتا ہے اور باؤلے کتے کی مانند ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کسی کو بخشنا چاہتا ہے تو شیطان بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کام نہ کر۔ لوگ تم کو عاجز سمجھیں گے اور تمہارے رعب و دبدبہ میں فرق پڑے گا۔ تب اس کو جواب دینا چاہیئے کہ جو شخص انبیاء (علیہ السلام) کی سیرت اختیار کرے اور خداوند تعالیٰ کی رضا چاہیئے تو کوئی عزت اس عزت کے برابر نہیں ہو سکتی اور اگر آج دنیا میں مجھے لوگ حقارت سے دیکھتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ کل قیامت میں مجھے ذلیل و خوار کیا جائے۔ یہ تمام باتیں علمی علاج میں داخل ہیں اور عملی علاج یہ ہے کہ زبان سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے اور سنت یہ ہے کہ غصہ کے وقت اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے اگر اس طرح بھی غصہ فرو نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے یہ پانی سے بجھے گا" ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سجدہ کرے اور منہ خاک پہ رکھے تاکہ اس کو احساس ہو کہ وہ خاک سے بنا ہے اور بندے سے غصہ کرنا اسے زیب نہیں دیتا۔

ایک دن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے تو آپ نے ناک میں پانی چڑھانے کے لئے پانی طلب کیا اور فرمایا اور کہا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے یہ ناک میں پانی چڑھانے (استنشاق) سے رفع ہوگا ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی کسی سے لڑائی ہو گئی آپ نے غصہ میں اس شخص سے کہا "یا ابن الحمراء اے لونڈی بچے" اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "میں نے سنا ہے کہ آج تم نے کسی شخص کی ماں کی عیب گیری کی ہے" اے ابوذر! "تم کو کسی سیاہ یا سرخ پر فضیلت نہیں ہوگی۔ سوائے تقویٰ کے (تقویٰ باعث فضیلت ہے نہ کہ رنگ) حضرت ابوذرؓ یہ نصیحت سن کر اس شخص کے پاس گئے تاکہ اس سے معذرت طلب کریں جب وہ شخص سامنے آیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سلام کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ناک پکڑ کر فرماتے اے عائشہؓ! یہ دعا پڑھو۔

فصل

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی شخص نے ایک شخص پر ظلم کیا یا اس کو گالی دی تو اولیٰ یہ ہے کہ سننے والا خاموش رہے اور جواب نہ دے ہاں یہ واجب نہیں ہے اسی طرح ہر ایک کو جواب دینے کی رخصت ہی نہیں ہے اور گالی کے عوض گالی اور غیبت کے عوض غیبت درست نہیں ہے کہ ان چیزوں سے اس پر تعزیر واجب ہوگی، ہاں اگر کسی نے سخت بات کہی اور اس میں دروغ نہیں ہے تو اس کو رخصت ہے کیونکہ یہ بدلہ کے حکم میں ہے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تیرا وہ عیب زبان پر لایا جو تجھ میں ہے تو اس کے عوض تو اس کا عیب ظاہر نہ کر، ایسا کرنا مستحب ہے اور جواب دینا واجب نہیں ہے جبکہ زنا یا گالی کی طرف نسبت نہ کی جائے اس کی دلیل حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَهُوَ عَلَى الْبَادِي حَتّٰى يَعْتَدِيَ الْمَظْلُوْمُ (وہ شخص جو ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اس کا ضرر اس پر ہے۔ جس نے شروع کیا یہاں تک کہ مظلوم حد سے تجاوز کر جائے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ہم میں اور عائشہؓ میں حضور انصاف سے کام لیں۔ (کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما رہے تھے تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات کا یہ پیغام آپ کو پہنچایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جس کو میں دوست رکھتا ہوں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتی ہو؟" حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا جی ہاں میں اسکو دوست رکھتی ہوں! تب آپ نے فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دوست رکھو کہ وہ مجھے بہت محبوب ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ ماجرا ازواج مطہرات کے گوش گزار کر دیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو اس بات سے طمانیت حاصل نہیں ہے، اس کے بعد ان ازواج مطہرات نے (ام المومنین) حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کو اس پیغام کے ساتھ حضور کی مذمت میں بھیجا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت میں میری برابری کا دعویٰ کرتی ہیں جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یہاں تشریف لائے تو حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کہہ رہی تھیں کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ایسی ہے ویسی ہے یعنی وہ مجھے بُرا کہہ رہی تھیں اور میں خاموشی کے ساتھ سن رہی تھی تا کہ مجھے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جواب کی اجازت مرحمت فرمائیں چنانچہ آپ نے مجھے جواب دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، میں نے جواب میں اس قدر باتیں کہیں کہ میرا گلا خشک ہو گیا اور (ام المومنین حضرت) زینبؓ تھک گئیں تب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

فرمانے لگے کہ عائشہ ابوبکرؓ کی بیٹی ہے (یعنی تم اس سے مقابلہ نہ کر سکو گی)

مذکورہ بالا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جواب دینا درست ہے بشرطیکہ وہ صحیح اور راست ہو (اس میں دروغ نہ ہو) مثلاً جواب میں کہے اے احمق! اے جاہل نتر با اور خاموش ہو جا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص حماقت اور جہل سے عاری و خالی نہیں ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ایسے الفاظ کی عادت کرے جو بہت بُرا نہ ہوتا کہ غصہ کے وقت وہی الفاظ اس کے منھ سے نکلیں اور کوئی دوسرا فحش کلمہ اس کی زبان پہ نہ آئے مثلاً بدبخت، ناکس، نانہجار اور ٹکر گدا وغیرہ۔ ماحصل کلام یہ ہے کہ جب کسی کو جواب دینا پڑے تو حد سے تجاوز نہ کرے اگرچہ یہ امر دشوار ہے۔ اسی واسطے جواب نہ دینا ہی زیادہ بہتر سمجھا گیا ہے کسی (کافر) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا، آپ خاموش رہے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس شخص کو جواب دینے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تک تو آپ تشریف فرما رہے اور جب میں جواب دینے لگا تو آپ تشریف لے جانے لگے (اس کا کیا موجب ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا مگر جب تم جواب دینے لگے تو شیطان آیا میں نے پسند نہیں کیا کہ شیطان کے ساتھ بیٹھا رہوں"

حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں کہ دیر سے غصہ میں آتے ہیں اور دیر میں راضی ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو جلد غصے میں آجاتے ہیں اور جلد راضی ہو جاتے ہیں یہ اول الذکر کی ضد ہیں سو تم میں بہتر وہ شخص ہے کہ دیر سے خفا ہو اور جلد راضی ہو جاتے اور بدتر وہ ہیں کہ جلد غصے میں آتے ہیں اور دیر سے خوش ہوتے ہیں۔

فصل

غصے کو پی جانے والا نیک بخت ہے

جو کوئی غصے کو ارادے اور دیانت سے پی جائے وہ نیک بخت ہے البتہ اگر مجبوری اور ضرورت لاحق ہو جائے اور تب غصہ کو پیئے تو وہ غصہ اس کے دل میں جمع ہو کر غرور اور تکبر کا سرمایہ بن جائے گا۔ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ بِحَقُوْدٍ (مومن میں حسد اور کینہ نہیں ہوتا) پس جان لینا چاہیئے کہ کینہ غصہ کا فرزند ہے جس سے آٹھ اولادیں ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک دین کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حسد

کرے گا یعنی کسی کے غم سے شاد ہوگا اور اس کی خوشی سے غمگین! دوسرا یہ کہ شماتت کرے گا یعنی کسی پر کچھ بلا نازل ہوگی تو شادمانی کا اظہار کرے گا۔ تیسرا یہ کہ غیبت، دروغ اور فحش سے اس کے رازوں کو آشکارا کرے گا چوتھا یہ کہ بات کرنا چھوڑ دے گا اور سلام کا جواب نہیں دے گا۔ پانچواں یہ کہ حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور اس پر زبان درازی کرے گا۔ چھٹا یہ کہ اس کا مذاق اڑائے گا۔ ساتواں یہ کہ اس کا حق بجالانے میں قصور کرے گا اور صلہ رحمی نہیں کرے گا۔ یعنی اقربا سے مروت نہیں کرے گا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا اور طالب معافی نہیں ہوگا۔ آٹھواں یہ کہ جب اس پر قابو پائے گا اس کو ضرر پہنچائے گا اور دوسروں کو بھی اس کی ایذارسانی پر ابھارے گا۔ اگر کوئی بہت دیندار ہے اور معصیت کے کام سے نفور ہے تو اتنا تو ضرور کرے گا کہ اس کے ساتھ جو احسان کرتا تھا اس کو روک دے گا اور اس کے ساتھ مدارات پیش نہیں آئے گا اور نہ اس کے کاموں میں دلسوزی کرے گا اور نہ اس کے ساتھ اللہ کے ذکر میں شریک ہوگا اور نہ اس کی تعریف کرے گا۔ یہ تمام باتیں آدمی کے نقصان اور اس کی خرابی کا باعث ہوتی ہیں۔

مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خالہ زاد بھائی تھے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی، افک واقعۂ تہمت، میں اس نے لب کشائی کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ اس کی مالی مدد نہیں کروں گا تب یہ آیت نازل ہوئی!

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے اپنے قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور در گزریں، کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حاصل اس حکم کا یہ ہے کہ اہل قرابت اور مساکین وغیرہ سے ترک مروت کے باب میں قسم کھانا درست نہیں ہے بلکہ آدمی کی خطا بخشش بنایا ہے کیا ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی بخشائش کی آرزو نہیں رکھتے۔ تب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ واللہ میں مغفرت کو دوست رکھتا ہوں اور مسطح کا وظیفہ اور اس کا نفقہ پھر جاری کر دیا۔

پس جب دل میں کسی سے کینہ پیدا ہوتا ہے تو وہ تین حال سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک یہ کہ وہ شخص اپنے نفس سے جھگڑا کرے گا کہ دوسرے پر احسان کرے یہ درجہ صدیقوں کا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نہ نیکی کرے نہ برائی! یہ درجہ زاہدوں کا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس سے بدی کرے۔ یہ درجہ فاسقوں اور ظالموں کا ہے۔ جب تم سے کوئی

بدی کرے تو تم اس پر احسان کرو یہ بارگاہ الٰہی میں بڑے تقرب کا سبب ہوتا ہے اگر یہ حوصلہ نہیں ہے تو اس کو معاف کر دے کہ عفو و معافی کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جن کو میں قسم کھا کر بیان کروں گا ایک یہ کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا ہے، صدقہ دیا کرو، دوسرے یہ کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس نے کسی کی خطا بخشی ہو اور حق تعالیٰ نے قیامت میں بڑی عزت نہ دی ہو، تیسرے یہ کہ جو کوئی دریوزہ گری کی عادت ڈالے گا حق تعالیٰ اس کو افلاس میں گرفتار کرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کے لئے کبھی غصہ نہیں کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کے واسطے کسی پر غصہ کیا ہو۔ پر جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کام ترک کرتا تو حضور علیہ السلام اس سے بہت ناراض ہوتے تھے، اور جب آپ کو ان دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپ وہ بات اختیار فرماتے جو مخلوق پر آسان ہوتی بشرطیکہ اس میں معصیت نہ ہوتی (امت کے لئے آسانی کے پہلو کو پسند فرماتے) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "کیا میں تجھے خبر دوں کہ بہترین خلق دنیا اور دین میں کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ کوئی تجھ سے قطع محبت کرے اور تو اس سے دوستی کرے اور جو کوئی تجھے محروم کرے تو اس کو عطا کرے اور جو کوئی تجھ پر ظلم کرے، تو اس کو معاف کر دے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے دریافت کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں کون تجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا اور ان کفار قریش پر آپ غالب آ گئے جنہوں نے آپ کو حد سے زیادہ ستایا تھا اور اس وقت ڈر رہے تھے اور سب کو اپنی جانوں کا خوف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے دروازے پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کو نصرت عطا فرمائی اور دشمن کو شکست دی، تم اپنے بارے میں (اے کفار قریش) کیا سمجھتے ہو اور کیا کہتے ہو! کفار قریش کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوائے خیر کے ہم کیا کہیں۔ ہم آپ کے کرم کے امیدوار ہیں، آج آپ کو سب کچھ اختیار ہے۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ بات کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر کہی تھی، لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یعنی آج تم پر سرزنش نہیں ہے۔ یہ فرما کر آپ نے سب کو مکہ سے آزاد کر دیا اور فرمایا کسی کو تم سے تعارض اور سروکار نہیں ہے۔

خطا بخشی کا اجرِ عظیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب لوگ قیامت میں محشور ہوں گے تو منادی آواز دے گا کہ جس کا حق اللہ پر ہے وہ اُٹھے تب کتنے ہی ہزار آدمی (جنہوں نے دوسروں کی خطا بخش دی تھی) اٹھیں گے اور بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ غصہ کی حالت میں صبر کرو، تاکہ تم کو فرصت ملے اور جب فرصت ملے اور تم کو قدرت ہو تو معاف کر دو، ایک مجرم شخص کو ہشام بن عبدالملک کے سامنے حاضر کیا گیا وہ معذرت پیش کرنے لگا۔ ہشام نے کہا کہ میرے سامنے بحث مت کر، اس نے جواب دیا کہ یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ۝ جب خداوند تعالیٰ کے حضور میں اپنی عذر خواہی کے لئے جھگڑ سکتے ہیں تو آپ کے سامنے کیوں نہ جھگڑوں۔ یہ سن کر ہشام نے کہا اچھا کہہ کیا کہتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مال چوری ہو گیا۔ لوگ چور پر لعنت کرنے لگے، آپ نے فرمایا یا الٰہی! اگر چور حاجت مند تھا اور حاجت کے سبب سے اس نے میرا چرایا تو اس کو مبارک ہو اور اگر معصیت کی دلیری سے اس نے چوری کی ہے تو یہ گناہ اس کا آخری گناہ ہو (وہ آئندہ نہ کرے) حضرت شیخ فضیل بن غیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جس کا مال چوری ہو گیا تھا۔ طواف کے وقت دیکھا کہ وہ رو رہا تھا میں نے کہا کیا مال کے لئے رو رہے ہو؟ اس شخص نے مجھے جواب دیا کہ میں اس واسطے رو رہا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ قیامت میں وہ میرے سامنے کھڑا ہو گا اور اس کا کچھ عذر پیش نہیں چلے گا۔ مجھے اس کے حال پر رحم آرہا ہے (اس وجہ سے رو رہا ہوں)۔

عبدالملک بن مروان کے سامنے چند قیدیوں کو لایا گیا اس وقت ایک بزرگ بھی اس کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عبدالملک سے کہا کہ آپ نے خدا سے جو چاہا تھا وہ خدا نے آپ کو عطا کیا (یعنی حکومت اقتدار) اب آپ بھی وہ کیجیے جس کو خدا پسند فرماتا ہے۔ یعنی عفو و درگزر! یہ سن کر عبدالملک نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ انجیل میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے والے کی خداوند تعالیٰ سے بخشائش چاہتا ہے، شیطان اس کے پاس سے بھاگ جائے گا۔ پس لازم ہے کہ جب غصہ ظاہر ہو تو عفو سے کام لے اور معاملات میں نرمی اختیار کرے تاکہ غصہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ رضؓ! جس کو نرمی کی صفت سے بہرہ مند کیا گیا ہے وہ دین اور دنیا دونوں سے بہرہ مند ہوا۔ اور جس کو محروم کیا ہے وہ دین اور دنیا کی خوبیاں سے محروم رہا۔" آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ صاحب

رفیق سے اور رفق (نرمی اور ملاطفت) کو دوست رکھتا ہے اور رفق کرنے پر وہ جو کچھ دیتا ہے وہ سختی پر ہرگز نہیں دیتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تمام کاموں میں نرمی اختیار کرو، جس کام میں رفق کا دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو آراستہ کر دیتا ہے اور جس میں رفق کا دخل نہیں ہوتا اس کو بگاڑ دیتا ہے۔

حسد اور اس کی آفتیں

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ غصے سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور کینے سے حسد! اور یہ حسد مہلکات سے ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ایک اور ارشاد اس سلسلہ میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کوئی انسان خالی نہیں ہے ایک گمان بد، دوم فال بد، سوم حسد! میں تم کو سکھلاؤں کہ اس کا علاج کیا ہے. جب کوئی کسی کے بارے میں بدگمانی کرے تو اپنے دل میں اس کو سچ نہ سمجھے اور اس پر ثابت وقائم نہ رہے اور جب بد فالی سُنے تو اس پر اعتماد نہ کرے اور جب حسد پیدا ہو تو زبان اور ہاتھ کو اس پر عمل کرنے سے بچائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے "تمہارے اندر وہ بات پیدا ہونے لگی جس نے اگلی امتوں کو ہلاک کرایا تھا۔ اور وہ حسد وعداوت ہے قسم ہے اس معبود کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (علیہ السلام) کی جان ہے کہ تم بہشت میں نہ جاؤ گے جب تک تم صاحب ایمان نہ ہو گے اور صاحبِ ایمان نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے کو دوست نہ رکھو گے۔ میں تمھیں بتاؤں کہ یہ محبت کس طرح حاصل ہو گی۔ تم ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے سایہ میں دیکھا اور اس کے اس مقام کی آرزو کرتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا! الٰہی! اس شخص کا نام کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے نام ظاہر نہیں فرمایا لیکن فرمایا کہ میں اس کے عمل سے تم کو خبر دیتا ہوں کہ اس نے کبھی حسد نہیں کیا، ماں باپ کی کبھی نافرمانی نہیں کی اور نہ غمازی کی"

حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے وہ میرے حکم پر خفا ہوتا ہے اور بندوں میں میری تقسیم کو پسند نہیں کرتا ہے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چھ قسم کے لوگ بغیر حساب وکتاب کے دوزخ میں جائیں گے۔ امیر اپنے ظلم کے باعث، عرب تعصب کی بدولت، مالدار تکبر کے باعث، سوداگر اپنی خیانت کی وجہ سے اور دہقان اپنی جہالت اور نادانی کے سبب سے اور علما حسد کے باعث۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس ہم بیٹھے تھے آپ نے فرمایا "اب ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا۔ تب انصار کی جماعت کے ایک صاحب تشریف لائے۔ اپنے بائیں ہاتھ میں لوٹا لٹکائے تھے، وضو کا پانی ان کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا" دوسرے اور تیسرے دن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا اور وہی صاحب تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اس کا رنگ ڈھنگ معلوم کریں چنانچہ ان صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے باپ سے لڑا ہوں چاہتا ہوں کہ تین رات آپ کے پاس ٹھہروں شخص مذکور نے منظور کر لیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ان تین راتوں میں میں ان کے عمل پر نظر رکھے۔ ہاں میں نے دیکھا کہ وہ جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا ذکر کرتے۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ باپ سے میری لڑائی نہیں ہوئی تھی البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے سلسلہ میں ایسا فرمایا تھا میں نے چاہا کہ تمہارا عمل معلوم کروں۔ انہوں نے کہا کہ بس میرا عمل یہی ہے جو تم نے دیکھا۔ جب میں ان کے گھر سے نکلا تو انہوں نے مجھے پکارا اور کہا کہ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ میں نے ہرگز کسی کی خوبی پر حسد نہیں کیا۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ تم کو یہ درجہ اس سبب سے ملا ہوگا۔

جناب عون بن عبداللہ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کی جو بہت متکبر تھا کہ تکبر سے دور رہو کہ تمام گناہوں میں پہلا گناہ یہی تکبر ہے۔ کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو سجدہ نہیں کیا اس کا سبب یہی تکبر تھا۔ اور حرص سے دور رہو کہ آدم علیہ السلام کو حرص کی وجہ سے بہشت سے نکالا گیا اور حسد سے دور رہو کہ پہلا خون ناحق اسی حسد کی بنا پر ہوا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ پس جب اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا حال بیان کیا جائے یا خداوند تعالیٰ کی صفات کا مذکور ہو یا اس کی ذات کا ذکر ہو تو خاموش رہنا چاہئیے اور اس موقع پر زبان کو قابو میں رکھنا ضروری ہے جناب بکر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک بادشاہ کا مقرب تھا وہ روزانہ بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر بطور نصیحت کہا کرتا تھا کہ احسان کرنے والے کے احسان کا بدلہ دو۔ برے شخص سے برائی سے پیش نہ آؤ۔ بدخو شخص کے لئے اس کی خوے بد ہی کافی ہے۔ بادشاہ اس مقرب کی ان نصائح کے باعث اس کو بہت دوست رکھتا تھا۔ ایک شخص نے اس مقرب پر حسد کیا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ بادشاہ گندہ دہن ہے بادشاہ نے کہا کہ اس بات کی کیا دلیل ہے۔ حاسد نے کہا کہ آپ اپنے قریب اس کو بلائیے اور دیکھئے کہ وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے گا تاکہ بو سے محفوظ رہے ادھر یہ حاسد مقرب شاہ کو اپنے گھر لے گیا اور خوب لہسن پڑا ہوا کھانا کھلایا۔ بادشاہ نے جب اس مقرب کو اپنے قریب بلایا تو اس نے اس خیال سے کہ بادشاہ کو لہسن کی بو نہ پہنچے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا، بادشاہ کو یقین آگیا کہ وہ شخص سچ کہہ رہا تھا۔ بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے قلم سے خلعت یا انعام کا حکم لکھتا تھا

اس کے علاوہ کوئی حکم خود نہیں لکھتا تھا چنانچہ اس نے اپنے عامل کو لکھا کہ اس خط کے لانے والے کی فوراً گردن اڑا دو اور اس کی کھال میں بھس بھر کر ہمارے پاس روانہ کر دو! مقرب جب یہ فرمان لے کر باہر نکلا تو حاسد نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے جواب دیا کہ خلعت کا حکم نامہ ہے حاسد نے کہا کہ مجھے دے دو، مقرب نے شاہی فرمان اس کو دے دیا۔ حاسد یہ فرمان لے کر عامل کے پاس گیا اور خلعت طلب کی، عامل نے کہا کہ فرمان میں لکھا ہے کہ تجھے قتل کر کے تیری کھال میں بھس بھروا دوں! حاسد نے کہا واہ! واہ یہ خط تو دوسرے شخص کے لئے لکھا گیا تھا تم بادشاہ سے معلوم کر لو۔ عامل نے کہا کہ بادشاہ کے حکم میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی ہے یہ کہہ کر اس حاسد کو قتل کرا دیا۔ دوسرے دن حسب معمول مقرب بادشاہ کے حضور میں گیا اور حسب معمول نصائح بیان کیں، بادشاہ بہت متعجب ہوا اور پوچھا اس سے فرمان کا تو نے کیا کیا۔ مقرب نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے فلاں شخص (امیر) نے لے لیا بادشاہ نے کہا کہ وہ تو یہ کہتا تھا کہ تم مجھے گندہ ذہن کہتے ہو۔ مقرب نے کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کہی، بادشاہ نے کہا کہ پھر تو نے میرے قریب آکر اپنا ہاتھ منہ پر کیوں رکھا تھا؟ مقرب نے کہا کہ امیر نے مجھے کھانے میں لہسن کھلایا تھا، میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ اس کی بو آپ کو پہنچے، بادشاہ نے کہا کہ تم ہر روز نصائح میں یہ بات بھی کہا کرو کہ انسان کی خرابی کے لئے اس کا برا ہونا کافی ہے جیسا کہ اس حاسد کا حال ہوا۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے دنیا کے باب میں کسی پر حسد نہیں کیا ہے کیونکہ اگر کوئی اہل بہشت سے ہے تو اس نعمت کے مقابلہ میں جو اس کو جنت میں ملے گی۔ دنیا بالکل حقیر و ناچیز ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہے تو جس وقت وہ آگ میں جلے گا۔ دنیا کی نعمت سے اس کو کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ کسی شخص نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا مومن حسد کرے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھول گئے۔

ہاں جب حسد کے سبب سے انسان (حاسد) خود رنجیدہ ہو اور وہ کسی سے بدمعاملگی نہ کرے تو اس کے حسد سے چنداں خلل نہیں ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی موت کو بہت زیادہ یاد کرے گا تو وہ نہ خوش ہوگا۔ اور نہ کسی دوسرے پر حسد کرے گا۔

حسد کی حقیقت

حسد یہ ہے کہ کسی کی خوبی اور نعمت تجھے پسند نہ آئے اور تو اس کا اس شخص سے زوال چاہے۔ احادیث شریف کی رو سے ایسا ارادہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں تقدیر الٰہی سے ناراضامندی کا اظہار ہوتا ہے اور بدباطنی پائی جاتی ہے

ایسی نعمت جو تجھے حاصل نہیں ہے اور دوسرے شخص سے تو اس کا زوال چاہے۔ یہ خبث باطن کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اگر تم یہ چاہو کہ تم کو بھی وہ نعمت میسر آجائے اور دوسرے کی اس نعمت کا تم برا نہ چاہو (زوال نہ چاہو) تو اس کو رشک اور غبطہ کہتے ہیں یہ بات اگر دین کے کسی کام میں ہو تو اچھی بات ہے اور کبھی یہ واجب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ (اور چاہیئے کہ للچائیں للچانے والے) اور ارشاد فرمایا ہے۔ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ۔ یعنی مغفرت الٰہی کی طلب میں پیشہ ستی کرو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حسد دو شخصوں کے لئے ہوا کرتا ہے ایک وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے مال اور علم دیا ہے اور اس نے اپنا مال علم کے موافق صرف کیا۔ دوسرا وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے علم بغیر مال کے دیا اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال دیتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ یہ دونوں لوگ ثواب میں یکساں ہیں اگر کوئی شخص اپنا مال فسق و فجور میں صرف کرے اور دوسرا شخص کہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا تو یہ دونوں گناہوں میں برابر ہوں گے۔ بس اس "منافست" کو بھی حسد کہیں گے۔ البتہ اس میں دوسرے کی نعمت سے کراہت موجود نہیں ہے۔ کراہت کسی مقام میں درست نہیں ہے البتہ اس مال میں کسی ظالم اور فاسق کو ملا ہو اور وہ اس کو ظلم و فساد میں صرف کر رہا ہے تو اس مال کا زوال چاہنا درست و روا ہے کہ اس صورت میں حقیقتاً ظلم و فسق کا زوال چاہتا ہے نہ کہ زوال نعمت! اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ظلم و فسق سے توبہ کر لی تو پھر یہ شخص اس کی دولت سے کراہت نہیں کرے گا یہاں ایک بہت ہی باریک و لطیف نکتہ ہے، کسی کو خداوند تعالیٰ نے نعمت عطا فرمائی ہے اور یہ شخص ایسی ہی نعمت اپنے واسطے چاہتا ہے لیکن اس کو نہیں ملتی تو ممکن ہے کہ وہ اس تفاوت پر خاموش رہے پس دوسرے کی نعمت کے زوال سے یہ فرق اس کے لئے آسانی مٹ جائے گا لیکن یہ خوف ضرور ہے کہ اس شخص کی طبیعت اس صفت سے خالی نہ رہے۔ لیکن جب اس سے کراہت کرے گا۔ تو ایسا ہوگا کہ اگر اس کا کام اس کے حوالے کر دیں تو نعمت اس سے نہ چھین لیں تو دل میں اگر یہ بات رہے گی (کہ اس شخص جیسا مال اگر مجھے مل جائے تو اس سے نعمت نہ چھینی جائے) تب بھی خداوند تعالیٰ کے نزدیک وہ ماخوذ ہوگا۔

حسد کا علاج

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ حسد دل کی عظیم بیماری ہے اور اس کا علاج علمی اور عملی معجون سے ہوگا۔ تدبیر علمی یا علاج علمی یہ ہے کہ انسان غور کرے کہ حسد دارین میں حاسد کے نقصان اور محسود کے نفع کا موجب ہے حاسد کا دنیا کا نقصان تو اس طرح پر ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ کوئی وقت بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں خداوند تعالیٰ کا فضل و کرم کسی بندے کے شامل حال نہ ہو اور حاسد چاہتا ہے کہ اس کا دشمن مبتلائے

رنج وغم رہے لیکن اس کے برعکس وہ خود گرفتارِ رنج وغم رہتا ہے۔ اس طرح جو برائی اور مصیبت وہ دشمن کے لئے چاہتا ہے وہ خود اس کے حصے میں آئی اور حسد سب سے بڑی برائی ہے اور اس غم سے عظیم کوئی اور غم نہیں ہے بس اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوگی کہ دشمن کے سبب سے انسان خود رنجیدہ رہے۔ حسد سے دشمن کا نقصان کچھ نہیں ہوتا کہ تقدیر الٰہی میں اس کو ملنے والی نعمت کی ایک مدت متعین ہے اس میں پس وپیش اور بیش وکم کا دخل نہیں ہے کہ سرنوشتِ ازلی یہی تھی۔ بعض اسکو طالع نیک سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال کچھ کہہ لیں لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس سرنوشت میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ایک نبی اللہ کسی عورت سے بہت عاجز تھے وہ ان پر غالب ہوگئی تھی وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے باب میں عرض کرتے اور شکایت کرتے تو ایک روز وحی نازل ہوئی۔ فِرَّ مِنْ قُدَّامِهَا حَتّٰى تَنْقَضِي اَيَّامُهَا (اس کے سامنے سے بھاگ جا تاکہ اس کی مدت گزر جائے) کیونکہ وہ مدت جس کا اندازہ ازل میں ہو چکا ہے ہرگز تبدیل نہیں ہوگی۔ ایک اور نبی کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بہت کچھ دعا وزاری کی، تب وحی نازل ہوئی کہ جس دن زمین اور آسمان پیدا کئے گئے تھے تمہاری قسمت لکھ دی گئی تھی کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری قسمت پھر سے لکھی جائے۔

اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کے حسد کرنے سے ایک کی نعمت کا زوال ہو تو اس کا بھی نقصان ہوگا۔ ایسا ہوگا کہ دوسرے پر حسد کر کے اپنی نعمت بھی کھودی۔ اور کافروں کے حسد کرنے سے اس کے ایمان کی نعمت بھی فوت ہوگئی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ	اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں (آل عمران)

پس حسد سے بالفعل حاسد کا نقصان ہے اور آخرت کا ضرر تو (۳) سے کہیں زیادہ ہوگا کیونکہ وہ تقدیر الٰہی سے ناراض ہوا ہے اور اس قسمت کا انکار کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے کمال حکمت سے مقرر کیا ہے اور کوئی اس راز سے آگاہ نہیں ہے پس بارگاہ ایزدی میں اس سے زیادہ اور کیا تقصیر ہوگی۔ علاوہ ازیں حسد سے مسلمانوں کے ساتھ بھی نامہربانی کا اظہار ہوتا ہے کہ اس حاسد نے اس کی بدخواہی اور اس خواہش میں ابلیس کا شریک ہوا اور اس سے زیادہ کیا شامت ہوگی۔ دنیا میں حاسد کا نقصان یہ تھا اور محسود کا نفع یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ حاسد ہمیشہ دکھ میں ہے اور ظاہر ہے کہ حسد سے زیادہ دکھ اور غم کیا ہوگا۔ کیونکہ حاسد کے سوا کوئی اور ظالم ایسا نہیں ہے جو مظلوم سے مشابہت رکھے اور اگر محسود سنے گا کہ حاسد مر گیا اور اس کو معلوم ہوگا کہ حسد کے عذاب سے اس رہائی مل گئی تو غمگین ہوگا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا کہ نعمت کے باعث ہمیشہ محسود رہے اور حاسد حسد کے رنج میں گرفتار رہے

محسود کی اپنی مظلومیت یہ ہے کہ حاسد کے حسد کے سبب سے وہ مظلوم ہوا اور ممکن ہے کہ زبان یا معاملات سے بھی اس پر ظلم کیا جائے اس صورت میں اے حاسد تیری نیکیاں اس کے دفتر میں لکھ دی جائیں گی۔ اور اس کے گناہ تیری گردن پر رکھ دیئے جائیں گے پس تو نے چاہا تھا کہ دنیا کی نعمت اس سے زائل ہو جائے لیکن اس کو زوال نہیں ہوا اور اس کی آخرت کی نعمت میں بھی اضافہ ہوا اور دنیا میں تیرا عذاب بالفعل ہوا۔ اور اپنے عذاب آخرت کی بنیاد بھی تو نے رکھ دی۔

تجھے تو بس اتنا خیال تھا کہ تو اپنا دوست ہے اور اس (محسود) کا دشمن ہے لیکن جب تو غور کرے گا تو اس کے برعکس ہے۔ یعنی تو اس کا دوست ہے اور اپنا دشمن ہے تو خود کو غمگین رکھتا ہے اور ابلیس کو جو تیرا عظیم دشمن ہے شاد کام کرتا ہے کیونکہ شیطان نے جب دیکھا کہ تیرے پاس نعمت علم، زور اور مال و جاہ نہیں ہے تو اس کو اندیشہ ہوا کہ ثواب آخرت تجھے کہیں حاصل نہ ہو جائے پس اس نے چاہا کہ یہ ثواب آخرت بھی تجھے نہ ملے اور جیسا ابلیس نے چاہا ویسا ہی ہوا کیونکہ جو شخص عالموں اور دینداروں کو دوست رکھتا ہے اور ان کی جاہ و حشمت سے خوش ہوتا ہے وہ کل قیامت میں ان کے ساتھ رہے گا۔ کہا گیا ہے کہ مرد وہ ہے جو عالم، متعلم یا ان کو دوست رکھنے والا ہو اور حاسد ان تینوں خوبیوں سے محروم ہے۔ حاسد کی مثال اس شخص کی ہے جو دشمن کو مارنے کے لئے پتھر پھینکے لیکن پتھر دشمن کو لگنے کی بجائے پلٹ کر پھینکنے والے شخص کی سیدھی آنکھ پر لگے اور وہ پھوٹ جائے اب غصہ اور زیادہ ہوا دوسری بار اور زور سے پتھر پھینکا لیکن اس بار بھی دشمن کو نہ لگا اور پلٹ کر اسی کو لگا اور دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی، تیسری بار پھر پھینکا اس مرتبہ سر ہی پھٹ گیا اور دشمن سلامت رہا۔ اس کے دوسرے دشمن اس کو دیکھتے ہیں اور اس کے حال پر ہنستے ہیں، حاسد کا بھی یہی حال ہے شیطان اس سے اسی طرح مذاق کرتا ہے۔ یہ سب آفتیں حسد کی ہیں اگر حسد اس بات پر کرے کہ ہاتھ اور زبان سے ستم کرے، غیبت کرے، جھوٹ بولے، حق بات کا انکار کرے تو اس کا مظلمہ (ظلم کا بدلہ) بہت عظیم ہوگا پس جو شخص یہ جان لے کہ حسد زہر قاتل ہے، تو اگر وہ عاقل ہے تو ضرور اس کو دفع کرے گا۔

حسد کا عملی علاج یہ ہے کہ مجاہدے سے حسد کے اسباب کو باطن سے نکال کر پھینک دے کیونکہ حسد کا سبب تکبر، غرور، عداوت، مال و جاہ کی دوستی ہے جیسا کہ ہم خشم کے سلسلہ میں بیان کریں گے پس ان تمام اسباب کو مجاہدے کے ذریعہ دل سے نکال دے یہ گویا مسہل ہے کہ حسد باقی ہی نہ رہے پھر جب حسد ظاہر ہو تو اس کی تسکین اس طرح کرے کہ جو بات بنالے، حسد ہو اس کے خلاف کرے مثلاً جذبہ حسد اس بات پر آمادہ کرے کہ تم محسود کی مذمت کرو تو تم اس کی ثنا کرو اور جب تکبر پر آمادہ کرے تو تم تواضع اختیار کرو اور حسد کا جذبہ چاہے کہ محسود کی نعمت کے زوال میں کوشش کرو تو تم محسود کی مدد کرو (تاکہ اس کی دولت زوال سے محفوظ رہے) اور بڑا علاج

یہ ہے کہ غیبت میں اس کی تعریف کرے اور اس کے کام کی ترقی میں کوشاں ہو تا کہ وہ سن کر خوش ہو جب محمود خوش ہو گا تو اس کا پرتو تمہارے دل پر بھی پڑے گا۔ اور اس عکس اور پرتو سے تمہارا دل بھی خوش ہو گا اور باہمی عداوت باقی نہ رہے گی چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝

یعنی اے سننے والے! ان کو بھلائی سے ٹال۔ جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی۔ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست (پارہ ۲۴)

اس موقع پر شیطان تم سے کہے گا کہ اگر تم دشمن کی ثنا کرو گے اور تواضع اختیار کرو گے تو یہ تمہاری عاجزی کی دلیل ہو گی پس تم کو اختیار ہے کہ تم حق کے فرمانبردار بن جاؤ یا ابلیس کا کہا مانو! یہ دوا اور علاج جو ہم نے پیش کیا ہے بہت مفید ہے لیکن یہ دوا کڑوی ہے اس پر وہی شخص صبر کرے گا جو قوتِ علم رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ دارین کی نجات اسی میں ہے اور حسد میں دونوں جہانوں کی خرابی ہے۔ اور کوئی دوا ایسی نہیں ہے جس میں کڑواپن نہ ہو اور زحمت نہ اٹھانی پڑے پس تم اس بات کا خیال اور پرواہ نہ کرنا اور بیماری میں دوا کی تکلیف تو ضرور اٹھانا پڑتی ہے تاکہ شفا حاصل ہو نہیں تو مرض مہلک بن جائے گا پھر یہ محنت بالضرور اور زیادہ ہو جائے گی۔

اے عزیز! اگر تم بہت ہی مجاہدہ کرو گے تو تم ضرور اس شخص میں جس نے تم کو ستایا ہے اور اس میں جو تمہارا دوست ہے، ضرور فرق پاؤ گے ان دونوں کی محنت اور نعمت تمہارے نزدیک برابر نہ ہو گی بلکہ تم دشمن کی نعمت سے بالطبع کراہت کرو گے اور طبیعت کا بدلنا تمہارے اختیار میں نہیں رکھا گیا ہے کہ یہ بات تمہاری قدرت سے باہر ہے اور نہ ان چیزوں کے لئے تم مکلف ہو ایک یہ کہ قول و فعل سے اسباب کو ظاہر نہ کرو، دوسرے یہ کہ عقل کی مدد سے حسد سے بیزار رہو اور کوشش کرو کہ تم سے حسد رفع ہو جائے جب تم اتنا کام کرو گے تو حسد کے اُبال سے چھوٹ جاؤ گے اگر قول و فعل سے اظہار نہیں کیا اور دل میں کراہت نہ رکھی تو بقول بعض اس کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کے حضور میں ماخوذ ہو گئے کیونکہ حسد حرام ہے اور یہ دل کا عمل ہے جسم کا عمل نہیں ہے اور جو کوئی ایک مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے تو ضرور ماخوذ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس صفت (حسد) سے کراہت کرے تب اس کے اُبال سے بچ سکتا ہے لیکن حسد سے بالکل وہ شخص چھوٹ سکتا ہے جس پر توحید غالب ہو اور وہ کسی کو دوست اور دشمن نہ سمجھے۔ بلکہ بندگی کی آنکھ سے سب کو دیکھے اور تمام کاموں کا فاعل (حقیقی) خدا کو سمجھے یہ صفت نادر ہے برق کی طرح ظاہر ہوتی ہے اور چلی جاتی ہے اکثر قائم نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصل پنجم

حُبِّ دنیا کا علاج

دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ بے وفا دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کی دوستی تمام مصیبتوں کی بنیاد ہے، اس سے زیادہ کون بد بخت ہوگا جو خدا کے دشمن، خدا کے دوستوں کی دشمن اور ان کے دشمنوں کی دشمن ہے۔ خدا کی دشمن تو اس طرح ہے کہ حُبِّ دنیا خدا کے بندوں کو اللہ کے راستے سے روکتی ہے اور دوستانِ خدا کی دشمن اس طرح ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنا سنوار کے ان کے سامنے آتی ہے کہ وہ اس پر صبر کریں اور شربت تلخ نوش کریں اور اس کا دکھ برداشت کریں اور دشمنانِ خدا کی دشمن اس طرح ہے کہ مکر و حیلہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور جب وہ اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان سے دور ہو جاتی ہے اور ان کے دشمنوں سے جا ملتی ہے یہ اس نابکار رنڈی کی طرح ہے کہ ایک فرد کو چھوڑ کر دوسرے فرد کے پاس جاتی ہے۔

انسان اس دنیا میں کبھی اس کے رنج میں، کبھی اس کے فراق میں اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضمندی کو دیکھتا ہے۔ دنیا کے دامِ فریب سے وہی شخص چھوٹتا ہے جو حقیقت میں اس کی آفتوں کو پہچانتا ہے اور اس سے گریز کرتا ہے جیسے جادو سے بچا جاتا ہے اور پرہیز کیا جاتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا سے پرہیز کرو کہ وہ ہاروت و ماروت سے بڑھ کر جادوگر ہے۔"

اس کتاب کے تیسرے عنوان میں دنیا کی حقیقت اور اس کے مکر و آفت کا بیان کیا جا چکا ہے ہم یہاں ان حدیثوں کو بیان کریں گے جو دنیا کی مذمت میں آئی ہیں. قرآن پاک کی آیات بھی اس باب میں بہت ہیں، قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں کے نزول اور رسولوں کی بعثت سے مقصود یہی ہے کہ بندوں کو دنیا سے الگ کر کے آخرت کی طرف بلائیں اور دنیا کی آفت اور حقیقت سے خلائق کو آگاہ کریں تاکہ لوگ اس سے حذر کریں۔

دنیا کی مذمت میں احادیث

ایک روز حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردار بکری پر ہوا، آپ نے فرمایا، دیکھتے ہو! یہ مردار کیسا ذلیل و خوار ہے کوئی اس کو دیکھنا بھی نہیں! قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک اس مردار سے بھی زیادہ ذلیل ہے اگر خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کی حیثیت ایک پریشہ کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیتا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں وہ بھی ملعون ہے سوائے ان چیزوں کے جو خدا کے واسطے ہوں" اور ارشاد فرمایا ہے" دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے"

ایک اور ارشاد ہے. جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے اس کی آخرت ضائع ہوئی اور جو آخرت کو دوست رکھتا ہے اس کی دنیا خراب ہوتی ہے پس تم ناپائیدار کو چھوڑ کر پائیدار کو اختیار کرو" حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا، آپ کے پاس ایسا پانی لایا گیا جس میں شہد پڑا تھا جب آپ اس کو اپنے منہ کے قریب لے گئے تاکہ پئیں لیکن آپ نے اس کو نہیں پیا اور آپ رونے لگے، حاضرین بھی رونے لگے کچھ دیر کے بعد آپ پھر روئے اور کسی شخص کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ آپ سے رونے کا سبب دریافت کرے، جب آپ نے آنکھوں سے آنسو صاف کئے تب حاضرین میں سے بعض اصحاب نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے رونے کا کیا سبب تھا، آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ آپ اپنے دستِ مبارک سے کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی! میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا چیز ہے جس کو آپ دستِ مبارک سے ہٹا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے پاس آنا چاہتی ہے، میں نے اس کو دفع کر دیا تھا وہ پھر آئی اور کہا کہ اگر آپ نے مجھ کو چھوڑ دیا ہے تو کیا ہوا آپ کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ مجھ کو نہیں چھوڑیں گے! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس وقت مجھے خوف آیا کہ میں کہیں اس کے ہاتھ نہ پڑ جاؤں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ" دنیا، حق تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے اور جب سے دنیا کو پیدا فرمایا ہے کبھی اس پر نظر نہیں کی ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے" دنیا خانہ بدوشوں کا گھر ہے اور مفلسوں کا مال ہے، دنیا وہ جمع کرے جس کو عقل نہ ہو اور اس کی طلب میں کسی سے دشمنی وہ رکھے جو بے علم ہو اور دنیا پہ حسد وہ کرے جو فقہ سے بے خبر ہو اور دنیا طلبی وہ شخص کرے جس کو یقین کا علم حاصل نہ ہوا ہو!

ایک اور ارشاد گرامی ہے جو کوئی صبح کو اٹھے اور اس کا مقصود زیادہ تر دنیا ہو تو وہ مردانِ الٰہی سے نہیں ہے کیونکہ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ چار چیزیں ہمیشہ اس کے دل میں رہیں گی، ایسا غم جو کبھی دور نہ ہو سکے، ایسی مصروفیت جو کبھی ختم نہ ہو اور ایسی مفلسی جو کبھی تونگری کا منہ نہ دیکھے اور ایسی امید جس کو ہرگز ثبات نہ ہو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا کا راز تم کو بتلا دوں تب آپ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مرتبہ (گھوڑی) پر لے گئے جس پر لوگوں کے سروں بکریوں کے سروں کی ہڈیاں پڑی تھیں اور غلاظت کے ڈھیر تھے، آپ نے ارشاد فرمایا! ابوہریرہؓ! یہ سر جو تم دیکھ رہے ہو میرے اور تمہارے سروں کے مانند تھے اور آج ان کی صرف ہڈیاں باقی ہیں اور یہ ہڈیاں عنقریب گل کر مٹی ہو جائیں گی اور یہ غلاظت و نجاست رنگ برنگ کے کھانے ہیں جو بڑی تگ و دو سے حاصل کیے گئے تھے ان کا یہ انجام ہوا کہ سب لوگ ان سے کراہت کر رہے ہیں اور کپڑوں کی دھجیاں ان شاندار کپڑوں کی ہیں جن کو ہوا اڑاتی تھی اور یہ ہڈیاں ان چار پایوں کی ہیں جن کی پشت پر سوار ہو کر لوگ دنیا کی سیر کرتے تھے۔ دنیا کی حقیقت بس یہی ہے، جو کوئی چاہتا ہے کہ دنیا پر روئے اس کو رونے دو کہ رونے ہی کا مقام ہے، پس جتنے لوگ اس وقت موجود تھے رونے لگے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ جب سے دنیا کو پیدا کیا گیا ہے آسمان اور زمین کے درمیان ٹنگی ہوئی ہے اور اللہ تعالے نے اس پر نظر نہیں فرمائی ہے، قیامت میں وہ عرض کرے گی، الٰہی! مجھے اپنے کسی کمترین بندے کے حوالے فرما دے، حق تعالے ارشاد فرمائے گا اے ناچیز خاموش ہو جا! جب میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ تو دنیا میں کسی کی ملک ہو تو کیا آج میں اس بات کو پسند کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے، چند لوگ قیامت میں ایسے آئیں گے جن کے اعمال تہامہ کے پہاڑوں کے مانند ہوں گے ان سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے ہوں گے؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہ ہاں نماز پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور رات کو بیدار رہتے تھے لیکن دنیا کے مال و متاع پر فریفتہ تھے

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ وسلم کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام سے خطاب فرمایا کہ تم میں سے ایسا کون ہے جو اندھا ہے اور حق تعالیٰ اس کو بینا فرما دے، معلوم ہونا چاہئے کہ جو کوئی دنیا کی طرف رغبت کرے اور طول آمل سے کام لے حق تعالے اس کے دل کو اسی کے بقدر اندھا کر دیتا ہے اور جو کوئی دنیا میں زاہد ہوا اور طول آمل سے کام نہ لے (طول آمل سے محفوظ رہے) حق تعالے اس کو علم عطا فرمائے گا بغیر اس کے کہ وہ کسی سے سیکھے اور بغیر راہبر کے اس کی راہنمائی فرمائے گا۔

ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد نبوی میں تشریف لائے تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

نے بحرین سے جو مال بھیجا تھا، انصار کو اس کی خبر ہو گئی، صبح کی نماز کے وقت ان حضرات کا ہجوم ہو گیا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ آپ کے روبرو کھڑے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور دریافت کیا کہ شاید تم نے سن لیا ہے کہ کچھ رقم آئی ہے! لوگوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے! آپ نے فرمایا تم کو بشارت ہو تم کو آئندہ ایسے معاملات پیش آئیں گے جن سے تم کو مسرت اور خوشی ہو اور میں تمہارے معاملہ میں فقر اور تنگدستی سے نہیں ڈرتا ہوں، مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ تم کو بھی دنیا کا مال کثرت سے دیا جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دیا گیا اور تم اس پر اس طرح فخر کرنے لگو جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جیسے پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" دل کو کسی طرح بھی دنیا کی یاد سے نہ لگاؤ

غور کرو کہ حضور علیہ التحیۃ الثناء نے دنیا کے ذکر سے بھی منع فرمایا ہے اس کی جستجو اور محبت کا بھلا کیا ذکر!

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضبا تھا یہ تمام اونٹوں سے زیادہ تیز رفتار تھی ایک دن ایک اعرابی ایک اونٹ لے کر آیا دونوں کو دوڑایا گیا، اس اعرابی کا اونٹ عضبا سے آگے نکل گیا، مسلمان بہت غمگین ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کسی چیز کو سرفرازی نہیں دی تا جو اس کو پست نہ کرے (جس کو سرفرازی دی ہے اس کو پستی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے) اور فرمایا کہ اس کے بعد دنیا تمہاری طرف متوجہ ہو گی اور تمہارے دین کو تلف کر دے گی بالکل اس طرح جیسے آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے" دنیا کو مصاحب نہ بناؤ تا کہ وہ تم کو غلام نہ بنائے خزانہ ایسا رکھو کہ تلف نہ ہو اور ایسے شخص کے پاس رکھو کہ ضائع نہ کر دے کیونکہ دنیا کا خزانہ آفت سے خالی نہیں ہے اور جو خزانہ خدا کے واسطے رکھا جائے گا وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور فرمایا ہے کہ" دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں جتنا اس کو کوئی شخص خوش کرے گا وہ ناخوش ہو گی، آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ میں نے تمہارے سامنے دنیا کو خاک پر پھینک دیا ہے اس کو تم پھر مت اٹھا لینا کیونکہ دنیا کی ایک خباثت یہی بہت اور کافی ہے کہ حق تعالیٰ کی اس میں معصیت ہوتی ہے، اس کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ انسان جب تک اس کو ترک نہ کرے اس وقت تک دولتِ آخرت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ پس دنیا سے درگزر و اور اس کی وفاداری میں مشغول نہ ہو۔

سب سے بڑی تقصیر

معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام تقصیروں میں سب سے بڑی تقصیر دنیا کی محبت اور شہوت پرستی ہے اور اس کا ثمرہ غم ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح آگ اور پانی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں اسی طرح دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع نہیں ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ایک گھر رہنے کے لیے بنا لیں تو کیا حرج ہے! آپ نے جواب دیا کہ دوسروں کے پرانے گھر ہمارے لیے کافی ہیں۔ ایک دن برق باراں کا طوفان آپ کے سر پر آ گیا، آپ بھاگنے لگے تا کہ کوئی پناہ کی جگہ مل جائے آپ کو ایک جھونپڑی نظر آیا۔ آپ وہاں پہنچے لیکن اس میں ایک عورت موجود تھی لہٰذا آپ وہاں سے

آگے بڑھ گئے وہاں ایک غار نظر آیا آپ نے اس غار میں پناہ لینا چاہی، دیکھا کہ وہاں ایک شیر موجود ہے آپ وہاں بھی پناہ نہ لے سکے اور بھاگ گئے! تب آپ نے فرمایا الٰہی! جس کو تو نے پیدا کیا ہے اس کو تو نے ایک آرام کی جگہ بھی عطا کی ہے لیکن میرے لیے کوئی آرام گاہ نہیں ہے، آپ پر وحی نازل ہوئی کہ تمہارا ٹھکانہ میری رحمت کا گھر (بہشت) ہے میں سو حوریں ایسی تم کو عطا کروں گا جن کو میں نے اپنے دست لطف وکرم سے پیدا کیا ہے اور چار ہزار سال تک تمہاری شادی کا جشن برپا ہوگا جس کا ہر دن دنیا کی عمر کے برابر ہوگا اور منادی کو میں حکم دوں گا کہ منادی کرے کہ دنیا کے زاہدو! یہاں آؤ! تم سب عیسٰی علیہ السلام کی شادی میں شرکت کرو اور وہ سب تمہاری شادی میں شرکت کریں گے۔"

ایک بار حضرت عیسٰی علیہ السلام حواریوں کے ساتھ ایک شہر میں پہنچے، حواریوں نے وہاں کے تمام لوگوں کو مردہ پایا آپ نے حواریوں سے فرمایا کہ اے دوستو، یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے غضب سے ہلاک ہوئے ہیں ورنہ یہ سب زمین کی تہ میں ہوتے آپ کے حواریوں نے کہا کہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب کیوں نازل ہوا! جب یہ سب لوگ رات کو شہر میں مقیم ہوئے حضرت علیہ السلام ایک بلندی پر تشریف لے گئے اور پکار کر کہا! اے شہر والو! ان مردوں میں سے ایک نے جواب دیا لبیک یا روح اللہ! آپ نے فرمایا! تمہارا کیا قصہ ہے؟ (یہ عذاب کیوں نازل ہوا) اس نے جواب دیا کہ رات کو ہم آرام سے سو رہے تھے لیکن صبح کے وقت ہم نے خود کو دوزخ میں پایا، آپ نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا، اس نے کہا کہ اس وجہ سے ہوا کہ ہم دنیا کو دوست رکھتے تھے! اور اہل معصیت کے اطاعت گزار تھے، آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو کس طرح دوست رکھتے تھے اس شخص نے کہا کہ جس طرح بچہ ماں کو دوست رکھتا ہے! بالکل اسی طرح کہ جب وہ آتی ہے تو بے حد خوش ہوتا ہے اور جب چلی جاتی ہے تو غمگین ہوتا ہے! آپ نے فرمایا کہ یہ دوسرے لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس شخص نے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے منہ پر آگ کی لگام چڑھی ہے آپ نے فرمایا کہ پھر تم کس طرح بول رہے ہو! اس نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں میں موجود تو تھا لیکن میں ان کی معصیت میں شریک نہیں تھا جب عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس کی لپیٹ میں آگیا اور اب دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ رہائی ملے گی یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا۔" تب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا اے حواریو! جو کی روٹی نمک سے کھانا، موٹا کپڑا پہننا اور مزبلہ (گھورہ) پر پڑ کر سو رہنا دین و دنیا کی عافیت کے ساتھ، اس سے کہیں بہتر ہے! اے لوگو! تھوڑی دنیا پر قناعت کرو دین کی سلامتی کے ساتھ، جس طرح ان لوگوں نے دنیا کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے دین پر قناعت کی، تم اس کے برعکس کرو! اور فرمایا کہ، کتنے لوگ جو ثواب کی خاطر دنیا طلبی کرتے ہیں اگر یہ دنیا کو ترک کر دیں تو زیادہ ثواب پائیں گے۔"

روایت ہے کہ ایک دن سلیمان علیہ السلام تخت رواں پر سوار جا رہے تھے پرندے اور جن و پری آپ کے جلو میں تھے اتفاقاً بنی اسرائیل کے ایک عابد کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، عابد نے کہا کہ اے ابن داؤد (علیہما السلام)

حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی شان و شوکت دی ہے: آپ نے فرمایا کہ مومن کے نامۂ اعمال میں ایک تسبیح کا ثواب سلیمان کی اس بادشاہی سے بہتر ہے کیونکہ وہ تسبیح باقی رہے گی اور یہ مملکت باقی نہ رہے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے گیہوں کا دانہ کھایا تو آپ کو جائے ضرور (بیت الخلاء) کی تلاش ہوئی ادھر ادھر جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے حق تعالیٰ نے فرشتے کو آپ پاس بھیجا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ کیا تلاش کرتے ہو آپ نے فرشتہ کو جواب دیا کہ قضائے حاجت کے لیے جگہ تلاش کر رہا ہوں فرشتہ نے کہا کہ دانہ گندم کے سوا اور کسی میں یہ خاصیت نہیں ہے (کہ اس کے کھانے کے بعد قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئے) اے آدم (علیہ السلام) اب تم کہاں قضائے حاجت کرو گے، جنت کی نہروں میں یا بہشت کے درختوں کے نیچے! دنیا میں جاؤ کہ ایسی نجاستوں کی جگہ وہی ہے دیکھئے سعادت صفحہ نمبر ۵۲۵ سطر نمبر ۱۵ طبع ایران)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس طویل عمر میں آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا کہ دو دروازے والے گھر کی طرح کہ ایک دروازے سے اس میں گیا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا (عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے التماس کی کہ ہم کو ایسی چیز سکھلایئے جس سے حق تعالیٰ ہم سے پیار کرے) آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو اپنا دشمن سمجھو! حق تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا، بس دنیا کی مذمت میں اتنی احادیث اور اخبار کافی ہیں:

صحابۂ کرام کے اقوال

دنیا کی مذمت میں صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے اقوال بہت ہیں، چند ان میں سے یہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے یہ چھ کام کر لیئے اس نے بہشت طلب کرنے اور دوزخ سے بچنے کا کوئی کام باقی نہیں چھوڑا ایک یہ کہ حق تعالیٰ کو جانا اور اس کا حکم بجالایا، دوسرے شیطان کو جانا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوا تیسرے یہ حق بات سمجھ کر اس پر مضبوطی سے قائم رہا، چوتھے یہ کہ ناحق کو سمجھا اور اس سے دست بردار ہوا پانچویں یہ کہ دنیا کو پہچانا اور اس کو ترک کیا، چھٹے یہ کہ آخرت کو پہچانا اور اس کی طلب میں قائم رہا۔

کسی دانشمند نے کہا کہ دنیا کا جو کچھ مال تجھے دیں وہ کسی دوسرے کا ہوگا اور تیرے بعد بھی وہ کسی دوسرے کو ملے گا، دل اس سے مت لگا کہ دنیا سے تیرا حصہ صبح و شام کے کھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس اتنے کے لیے خود کو تباہ مت کر، دنیا کو بالکل ترک کر دے تا کہ آخرت میں تجھ کو مقام حاصل ہو کیونکہ دنیا اور دنیا کا سرمایہ حرص و ہوا ہے اور اس کا فائدہ نار جہنم ہے۔

شیخ ابوحازمؒ سے کسی نے پوچھا کہ میں دنیا کو دوست رکھتا ہوں کیا تدبیر کروں کہ اس کی دوستی میرے دل سے نکل جائے، انھوں نے کہا کہ کسب حلال میں مشغول ہو پھر اس مال کو ہر جگہ صرف کر ایسی دنیا دوستی سے تجھے نقصان نہیں

پہنچے گا، فی الواقع انہوں نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ انہوں نے سمجھا کہ جب ایسا کرے گا تو دنیا کی محبت اس کے دل میں نہیں رہے گی۔ شیخ یحییٰ بن معاذؒ نے کہا ہے کہ دنیا شیطان کی دوکان ہے اس کی دوکان سے کچھ مت چرا اور نہ کچھ سے اگر چھوے گا تو بے شک وہ تجھ کو پکڑے گی۔ شیخ فضیلؒ نے کہا ہے کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی مگر فانی اور آخرت مٹی کی ہوتی اور باقی تو عقل کا یہی تقاضہ تھا کہ تم اس باقی مٹی کو اس فانی سونے سے زیادہ عزیز رکھو! لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان باقی رہنے والے سونے کو چھوڑ کر فنا ہونے والی، مٹی کو دوست رکھتا ہے۔ شیخ ابوحازم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے حذر کرو! کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جس نے دنیا کو بزرگ جانا قیامت میں اس کو کھڑا کیا جائے گا اور منادی کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ نے حقیر کیا تھا اس کو جس نے بزرگ سمجھا! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو دنیا میں آیا ہے وہ مہمان ہے اور جو چیز اس کے پاس ہے وہ عاریتہً ہے پس مہمان کا جانا اور عاریتاً دی ہوئی چیز کا واپس لینا ضروری ہے۔

جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے بیٹے! دنیا کو بیچ کر آخرت خرید تو تاکہ دوہرا منافع حاصل ہو، آخرت کو بیچ کر دنیا مت خرید واس میں دوہرا (دین کا) نقصان ہے۔" حضرت ابوامامہ باہلیؒ نے کہا ہے کہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس کے لشکری اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایسے نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔" اب ہم کیا کریں، ابلیس نے دریافت کیا کہ آیا وہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! تب اس نے جواب دیا کہ کچھ اندیشہ مت کرو اگر وہ بت پرستی نہیں کرتے تو کیا ہے میں دنیا پرستی پر سے ان لوگوں کو اسباب پہ لے آؤں گا کہ وہ جو کچھ بھی لیں ناحق لیں اور جو کچھ دیں وہ ناحق دیں اور جو کچھ چھوڑیں وہ ناحق رکھ چھوڑیں، تمام خرابیاں اور برائیاں انہی تین باتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

شیخ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے بے ملال اور بے حساب دیں تب بھی ہیں اس سے ننگ روا رکھوں گا، اسی طرح جیسے تم مردار سے ننگ و عار رکھتے ہو۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے عامل تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے، تو ان کے مکان میں کچھ ساز و سامان نہ تھا ایک ڈھال، ایک تلوار اور ایک کجاوہ موجود تھا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اگر آپ نے گھر میں مال کوٹھری بھی نہ بنوالی! انہوں نے جواب دیا کہ مجھے جہاں جانا ہے، وہاں کے لیے بس یہ کافی ہے (یعنی قبر کے لیے) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن العزیز رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ آپ وہ روز آیا سمجھئے کہ بازپسیں جس کی اجل آنی تھی وہ مرگیا (یعنی قیامت) انہوں نے جواب میں لکھا کہ تم وہ دن آیا سمجھو کہ کبھی دنیا ہرگز موجود نہیں ہے اور آخرت لدام ہے۔ کسی صحابی کا ارشاد ہے کہ جو شخص جانتا ہے کہ موت برحق ہے اس کا مسرور و شادماں ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اور جو شخص جانتا ہے کہ تقدیر برحق ہے اور روزی کی فکر میں اس کا دل مشغول رہے عجیب بات ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان توبہ اور طاعت کو ہر روز پیچھے ڈال دیتا ہے اور راست گوئی کو

بیکار کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا فائدہ دوسرے کو حاصل ہوتا ہے۔ شیخ ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر تو شاد ہو اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تو غمگین ہو، غم کے بغیر دنیا میں خوشی نہیں ہے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ موت کے وقت آدمی کے دل میں یہ تین حسرتیں رہتی ہیں ایک یہ کہ جو جمع کیا تھا اس سے سیر نہ ہوا اور دل کی جو آرزو تھی وہ حاصل نہیں ہوئی اور آخرت کا کام جیسا کرنا چاہیئے تھا ویسا نہیں کیا۔

جناب محمد بن المنکدرؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام عمر دن کے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے، حج اور جہاد کرے اور تمام محرمات سے بچے لیکن دنیا اس کے پاس بہت زیادہ ہو تو قیامت میں اس کی نسبت کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو حق تعالےٰ کی حقیر کی ہوئی چیز کو دنیا میں بزرگ و عظیم سمجھتا تھا۔ پس اے عزیز! ایسے شخص کا بھی کیا حال ہوگا اور ہم میں کون ایسا ہے جو اس کا مصداق نہ ہو ہم بہت گنہگار ہیں اور فرائض کی بجا آوری میں تقصیر کرتے ہیں اور علماء نے فرمایا ہے کہ دنیا ویران گھر ہے۔ اور اس سے زیادہ ویران اس شخص کا دل ہے جو دنیا طلبی کرتا ہے، جنت ایک آباد گھر ہے اور اس سے زیادہ آباد اس شخص کا دل ہے جو جنت کی طلب کرتا ہے اور اس کو ڈھونڈھتا ہے۔

شیخ ابراہیم ادھمؒ نے کسی سے پوچھا کہ خواب میں تم کو ایک درم ملے وہ اچھا ہے یا بیداری میں ملنا اچھا ہے وہ بولے کہ اگر بیداری میں ملے تو زیادہ اچھا ہے اور مجھے پسند ہے۔ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عاقل وہ ہے جو یہ تین کام کرے۔ دنیا کو ترک کردے قبل اس کے کہ دنیا اس کو چھوڑے اور وہ قبر کو آباد کرے، قبر میں جانے سے پہلے اور حق تعالےٰ کے دیدار سے پہلے اس کو خوشنود اور راضی کرے۔ ان کا ہی یہ قول بھی ہے کہ دنیا کی شامت اتنی ہے کہ اس کا شوق آدمی کو حق تعالےٰ سے ردگرداں کردیتا ہے اور اگر اس کو یہ مل جائے تو پھر وہ کیا کچھ نہ کرے۔

شیخ بکر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ دنیا میں خود کو دنیا سے بے نیاز بنا دے تو وہ اس شخص کے مانند ہوگا جو آگ بجھانا چاہتا ہے لیکن سوکھی لکڑیاں آگ میں ڈالتا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے دنیا چھ چیزوں سے عبارت ہے، کھانا، پینا پہننا، سونگھنا، سواری اور نکاح؛ اور سب ماکولات میں بہترین چیز شہد ہے اور وہ مکھی کا لعاب ہے۔ اور سب سے اچھا کپڑا حریر ہے اور وہ کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے، سونگھنے کی چیزوں میں سب سے بہتر مشک ہے تو وہ ہرن کا خون ہے اور پینے کی سب چیزوں میں پانی بہتر ہے لیکن دنیا کے تمام لوگ اس سے نفع اندوزی میں برابر ہیں، سواریوں میں سب سے بہتر گھوڑا ہے، لوگ اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر دوسروں کو قتل کرتے ہیں اور سب شہوتوں میں عظیم تر عورت سے محبت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک پیشاب دان دوسرے پیشاب دان میں پہنچتا ہے اور بس اور جو عورت نیک ہے اس کو اپنے بدن سے سنوارتی ہے اور تو اس سے جو بدتر ہے (فرج) چاہتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا ہے کہ اے لوگو! تم ایک کام کے واسطے پیدا کئے گئے ہو، اگر اس پر ایمان نہ لائیں تو کافر ہو جائیں اور اگر ایمان لائیں تو پھر اس کو آسان سمجھتے ہو لیکن تم احمق اور نادان ہو کہ ہمیشہ رہنے کے واسطے تم کو پیدا کیا ہے لیکن ایک گھر سے نکال کر دوسرے گھر میں لے جائیں گے!

دنیائے مذموم کی حقیقت معلوم کرنا

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کا کچھ حال "معرفت دنیا" کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے، یہاں پر تم اتنی بات معلوم کرو کہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِیْھَا۔ (دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں موجود ہے وہ بھی ملعون ہے) یعنی دنیا میں اس کی تمام چیزیں لعنت کے قابل ہیں مگر وہ چیز جو اللہ کے لیے ہو پس یہاں یہ پہچاننا ضروری ہو کا کہ وہ کیا چیز ہے جو خدا کے لیے ہے اور وہ مذموم نہ ہو، اور جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ ملعون ہے اور اس کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے پس معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کچھ دنیا میں ہے تین قسم پر ہو گا ایک قسم یہ کہ ظاہر و باطن دونوں دنیا سے علاقہ رکھیں (رکھتے ہوں) اور خدا کے لیے نہ ہو سکیں یہ تمام گناہوں میں داخل ہے، مباح چیزوں میں افراط سے کام لینا بھی اسی قسم کے تحت آتا ہے کیونکہ محض دنیا تکبر اور غفلت کا بیج ہے اور تمام گناہوں کا سرمایہ ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ عمل بظاہر خدا کے واسطے ہو پھر ممکن ہے کہ نیت کے باعث وہ دنیا داری میں داخل ہو جائے اور تین چیزیں ہیں، فکر و ذکر و مخالفت، شہوت، کیونکہ اگر ان تینوں چیزوں سے آدمی کا مطلب آخرت اور رحمت الٰہی کا حصول ہے تو اگرچہ دنیا میں کرے لیکن وہ خدا کے واسطے ہوں گی، ہاں اگر فکر سے غرض طلب علم ہو تاکہ اس سے مرتبۂ جاہ حاصل کرے اور ذکر الٰہی سے غرض یہ ہو کہ لوگ اس کو پارسا سمجھیں اور ترک دنیا سے مطلب یہ ہو کہ لوگ اس کو زاہد خیال کریں تو دنیا میں یہ عمل دنیا کے لیے ہوئے اور لعنت کے قابل ہیں، اگرچہ بظاہر ایسا نظر آتا ہو کہ خدا کے واسطے ہیں تیسری قسم یہ ہے کہ ظاہر میں خط نفسانی کے لیے یہ عمل نظر آتا ہو لیکن نیت کی بدولت وہ عمل خدا کے لیے مخصوص ہو جائے اور دنیا سے علاقہ نہ رہے جیسے کھانا کھانا کہ اس سے آدمی کی غرض یہ ہو کہ عبادت کے لیے طاقت اور قوت اس میں پیدا ہو اور نکاح سے مقصود یہ ہو کہ اولاد پیدا ہو تھوڑا مال کمانے (کسب) سے مقصود یہ ہو کہ طمانیت قلب حاصل ہو اور مخلوق سے بے نیاز رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بڑائی اور فخر کی خاطر دنیا طلب کی حق تعالیٰ اسی پر ناخوش ہو گا اور اگر وہ خلق سے بے نیاز رہے کہ بقدر ضرورت طلب کرے تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن ہو گا پس دنیا داری عبارت اس سے ہے کہ آدمی حظوظ نفسانی میں گھر جائے کیونکہ آخرت کے لیے اس کی حاجت نہیں ہے اور وہ چیز جس کی آخرت کے لیے حاجت ہے وہ آخرت سے علاقہ رکھتی ہے دنیا سے اس کا تعلق نہیں ہے جیسا کہ جانور کا دانہ اور چارا جو حج کے راستے میں اس کو دیا جاتا ہے یہ زاد حج میں داخل ہے اور یہ چیز دنیا کی ہے اس کو حق تعالیٰ نے "ھَوَا" فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے۔

وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ — اور نفس کو خواہش سے روکا، تو بیشک جنت ہی ٹھکانہ ہے

ایک اور ارشاد ہے: وَزُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمَالِ وَالْبَنُوْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ — جان کہ دنیا کی زندگی تو یہی کھیل کود ہے اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

یعنی دنیاداری عبارت ہے پانچ چیزوں سے کھیل اور خوش فعلی اپنے تئیں سنوانا، اور مال و اولاد کی زیادتی کا خواہاں ہونا اور دوسروں پر تفاخر اور باہم جھگڑنا اس ایک ارشاد میں ان پانچ چیزوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے۔

یعنی خلائق کے دل میں زن، فرزند، مال و زر، گھوڑے، اونٹ، گائے، بیل وغیرہ کی محبت اور الفت سنواری گئی ہے ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگانی کی پونجی بس یہی ہے۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ ان تمام چیزوں سے ہر وہ چیز جو کار آخرت کے لیے ہے وہ زادِ آخرت میں داخل ہے اور جو ناز و نعم اور قدرِ حیات سے زیادہ ہے وہ آخرت کے لیے نہیں ہے (یعنی بقدرِ ضرورت ان چیزوں کا ہونا آخرت کے لیے ہے اور اس سے زیادہ چونکہ ضرورت سے زیادہ ہے اس لیے وہ آخرت کے متعلق نہیں ہو سکتی)

دنیا کے درجے

معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کے تین درجے ہیں، ایک کھانے، کپڑے، مکان وغیرہ سے بقدرِ ضرورت کا ہے، دوسرا درجہ مقدارِ حاجت کا، تیسرا درجہ مقدارِ زینت کا اور شان و شوکت کا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ درجۂ حاجت (اور بقدرِ ضرورت) پر ہی بس کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ حاجت کے دو رُخ اور دو پہلو ہیں ایک تو ضرورت سے وابستہ ہے اور دوسرا پہلو اور رُخ ناز و نعمت سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جو درجۂ اعتدال ہے اس کا پہنچانا بہت دشوار ہے ہو سکتا ہے کہ آدمی اس زیادتی اور فراوانی کو جس کی اس کو حاجت نہیں ہے اپنی حاجت ہی سمجھ بیٹھے اور مواخذہ میں گرفتار ہو۔ اسی واسطے بزرگانِ دین نے قدرِ ضرورت پر اکتفا کی ہے اور اس باب میں لوگوں کے پیشوا اور امام حضرت اویس قرنیؒ ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ دنیا سے اس طرح [illegible] ہوئے تھے کہ لوگ ان کو دیوانہ سمجھنے لگے تھے۔ کبھی سال دو سال تک ان کی صورت نظر نہیں آتی تھی، کبھی ایسا ہوتا کہ علی الصبح اذان کے وقت باہر چلے جاتے اور عشا کی نماز کے بعد پلٹ کر آتے کھجور کی گٹھلیاں جو راستے میں پڑی ہوئی مل جاتیں ان کو کھا کر گذارہ کر لیتے اور اگر کبھی کبھار خرمے مل جاتے تو ان کی گٹھلیاں خیرات کر دیتے یا ان سے اتنے خرمے مول لے لیتے کہ روزہ کھولنے کے وقت کام آجاتیں، گھورے پر جو چیتھڑے پڑے ہوتے مل جاتے ان کو پہنتے۔ بچے دیوانہ سمجھ کر ان کو پتھروں سے مارتے تو ان سے فرماتے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مجھے مارو تاکہ میری طہارت اور نماز میں خلل نہ پڑے، یہی وہ شرف تھا کہ باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا لیکن آپ کی بہت تعریف کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے بارے میں وصیت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنی خلافت کے زمانے میں) ایک روز منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے حاضرین پر نظر ڈالی دیکھا کہ اہالیانِ عراق بھی موجود ہیں پس آپ نے فرمایا کہ حاضرین میں جو لوگ عراقی ہیں وہ اُٹھ کھڑے ہوں

چنانچہ جتنے عراقی تھے وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تب آپ نے فرمایا کہ صرف اہالیانِ کوفہ کھڑے رہیں باقی لوگ بیٹھ جائیں جو لوگ کوفہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے وہ بیٹھ گئے کوفی حضرات کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا جو قریہ قرن کے رہنے والے ہوں وہ کھڑے رہیں باقی لوگ بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صرف ایک شخص کھڑا رہا (اس کا تعلق قرن سے تھا) آپ نے اس سے فرمایا کیا تم قرنی ہو اس نے کہا جی ہاں میں قرن کا رہنے والا ہوں آپ نے اس شخص سے کہا کہ تم اویس قرنی کو جانتے ہو اس نے کہا جی ہاں میں اُسے جانتا ہوں مگر وہ اس مرتبہ کا شخص تو نہیں ہے کہ آپ اس کا حال دریافت کریں۔ قرن والوں میں تو وہ احمق، دیوانہ، محتاج اور بہت ہی ادنیٰ درجہ کا شخص ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رو دیئے اور فرمایا کہ میں ان کا حال اس لیے دریافت کر رہا ہوں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اس ایک بندے کی سفارش اور شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں کی تعداد کے برابر خدا کے بندے بہشت میں جائیں گے! (ان دونوں قبیلوں کے لوگ بے حساب اور کثیر تعداد تھے)

حضرت اویس قرنیؒ

جناب ہرم ابن حیانؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے یہ سن کر کوفہ کو روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر (حضرت) اویس قرنیؒ کو تلاش کرنے لگا آخرکار تلاش کرتے کرتے میں نے ان کو دریائے فرات کے کنارے پا لیا۔ دیکھا کہ وہ وضو کرتے اور کپڑے دھوتے تھے۔ (آپ نے جو اوصاف سُنے تھے ان کی بنیاد پر ان کو پہچان لیا) میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگے، میں نے چاہا کہ میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لوں لیکن انہوں نے میرے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا اور فرمایا! خدا تمہیں سلامت رکھے! اے ہرم ابن حیان! میرے بھائی تمہارا حال کیسا ہے اور میرا پتہ تم کو کس نے دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ میرا اور میرے باپ کا نام آپ کو کس نے بتایا، اس سے پہلے آپ نے مجھے کبھی نہیں دیکھا پھر آپ نے مجھے کس طرح پہچان لیا؟ انہوں نے فرمایا تمہاری خبر مجھے حق تعالیٰ نے پہنچائی اور میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا کہ مومن کی روح دوسرے مومن کی روح سے واقف اور خبردار ہوتی ہے اگرچہ ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے آگاہ اور باخبر ہوتے ہیں! اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مجھے سُنا دیجئے تاکہ میں اُسے یاد رکھوں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا جسم اور میری جان قربان! مجھے آپؐ سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوا ہے (میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی ہے) لیکن میں نے دوسروں سے آپؐ کی احادیث سُنی ہیں۔ لیکن مجھے یہ منظور نہیں کہ میں احادیث کی روایت کروں اور محدث، مفتی اور واعظ بن جاؤں! بس میرا شغل میرے لیے کافی ہے! میں نے کہا قرآن پاک کی ایک آیت ہی پڑھ دیجیے تاکہ آپ کی زبان مبارک سے سن لوں اور

اور آپ میرے حق میں دعائے خیر کیجئے اور مجھے ایک نصیحت کیجئے تاکہ اس پر عمل کروں کہ میں محض اللہ کے لیے آپ سے محبت رکھتا ہوں، اس وقت انہوں نے دریائے فرات کے کنارے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اور تعوذ پڑھتے ہی رونے لگے پھر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور اس کا ارشاد بالکل حق اور سچ ہے، یہ کہہ کر

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ط اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا لٰعِبِیْنَ ۵

تک پڑھا، اس کے بعد ایک نعرہ بلند کیا میں سمجھا کہ بے ہوش ہو گئے (لیکن ایسا نہیں ہوا) اور مجھ سے کہا کہ اے ابن حبان سنو تمہارے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور تم کو بھی مرنا ہے، بہشت میں جاؤ گے یا جہنم میں! حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، داؤد خلیفۃ اللہ اور محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم نے انتقال فرمایا اور خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو میرے محب اور بھائی تھے ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ پر خدا کی رحمت ہو! حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) تو حیات ہیں! انہوں نے کہا مجھے یہ حق تعالیٰ کے الہام کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا انتقال ہو گیا، اور پھر فرمایا کہ میں اور تم بھی مُردوں میں داخل ہیں، پھر انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا اور جلدی جلدی دعا مانگ کر کہنے لگے کہ اے ابن حیّان وصیت یہ ہے کہ تم خدا کی کتاب اور اہل صلاح (و تقویٰ) کا طریقہ اختیار کرو اور ایک لمحہ بھی موت کی یاد سے غافل نہ رہو۔ جب تم اپنے قبیلہ کے لوگوں میں پہنچو تو ان کو نصیحت کرنا، خلائق کی خیر خواہی ترک نہ کرنا اور جماعت کی موافقت سے کبھی باز نہ رہنا اگر اس کے برعکس کرو گے تو بے دین ہو جاؤ گے اور دوزخ میں گرو گے اس طرح کہ اس کی تم کو خبر بھی نہ ہو گی، پھر دعائیں مانگیں اور کہا کہ اے حزم بن حبان اب آئندہ تم مجھے نہیں دیکھو گے اور نہ میں تم کو دیکھوں گا، میرے حق میں دُعا کرنا میں بھی تمہارے حق میں دعا کروں گا اب تم اس طرف روانہ ہو اور میں دوسری طرف جاتا ہوں۔ میں نے چاہا کہ ایک گھڑی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا، خود بھی روئے اور مجھے بھی رُلایا، اس کے بعد وہ روانہ ہو گئے میں دُور تک ان کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک گلی میں جا کر غائب ہو گئے۔

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ جن لوگوں نے دنیا کی بُرائیوں کو پہچان لیا ہے ان کا طریقہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کا طریقہ ایسا ہی تھا، عاقبت اندیش لوگ یہی ہیں، (جنہوں نے آخرت کے بارے میں سوچا) اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اتنا ہی کرو کہ جس قدر چیز کی ضرورت ہے اس پر اکتفا کرو اور دُنیاوی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام سے احتراز کرو تاکہ بلائے عظیم میں گرفتار نہ ہو

جاؤ۔

اس جگہ دنیا کا احوال صرف اتنا ہی ہم بیان کرتے ہیں دوسرے عنوانات کے تحت بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔

اصلِ ششم

مال کی محبّت اور اس کا علاج

حرص و تجمّل کی آفت

اور سخاوت کی خوبیاں

معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں سے مال و نعمت اور جاہ و حشمت بھی ہیں اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی شاخیں ہیں ان تمام میں مال کا فتنہ سب سے عظیم ہے کیونکہ حق تعالےٰ نے اس کا نام عقبہ رکھا ہے اور فرمایا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ پس کوئی خطرہ اس سے دشوار تر نہیں ہے اور کوئی خطرہ آگ سے زیادہ دشوار اور سخت نہیں ہے اس لیے انسان کے لیے مال ایک ضروری چیز ہے اور اس سے بچنا اس کے لیے دشوار ہے اور احتیاج و ضرورت سے اس لیے مفر نہیں ہے کہ جس طرح عیش و آرام کے لیے مال ایک ذریعہ اور سبب ہے بالکل اُسی طرح وہ زادِ آخرت بھی ہے۔ انسان کو لباس و مکان درکار ہے اس کے بغیر گذارہ نہیں اور یہ چیزیں مال سے میسّر آتی ہیں اگر یہ چیزیں انسان کو نہ ملیں تو اس کا صبر کرنا ناممکن ہے اور جب مال مل گیا تو گناہ اور معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن ہے اور اگر مال نہ رہے تو افلاس اور غربت میں (مبتلا رہنے پر) کفر کا اندیشہ ہے اور اگر مال پاس ہے اور تونگر ہے تو تکبّر اور غرور کا خطرہ ہے۔

فقیری اور تونگری کی حالتیں فقیر اور مفلس دو حال سے خالی نہیں ہوتا اس کی ایک حالت تو حرص ہے اور دوسری قناعت! قناعت ایک اچھی صفت ہے۔ اب رہی حرص تو حرص کی بھی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ دوسرے لوگوں سے مال کی طمع رکھے اور دوسری حالت یہ ہے کہ اپنے زورِ بازو سے کماتے (کسب کرے) اور یہ حالت بہت ہی خوب ہے جس طرح فقیر کی دو حالتیں ہیں اسی طرح تونگر کی بھی دو حالتیں ہیں ایک حال تو اس کا بخل اور مال کو خرچ سے روکنا (امساک) ہے اور یہ بہت ہی بُرا کام ہے اور دوسری حالت

داد و دہش (خوب خرچ کرنا اور دوسروں کو دینا) اس داد و دہش کی بھی دو حالتیں ہیں، ایک تو اسراف (فضول خرچی ہے) اور دوسری حالت میانہ روی (خرچ میں اعتدال) اور ان دونوں میں ایک بُری حالت ہے اور دوسری اچھی لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں اس لیے اس کی شناخت بھی ضروری ہے

بہر حال مال فائدے اور مضرت سے خالی نہیں ہے اور ان دونوں کا پہچاننا اور ان کی معرفت فرض ہے تاکہ انسان مال کی آفت سے بچے اور فائدے کے موافق اس کی جستجو یعنی حصول کی کوشش کرے۔

مال کی کراہت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اے ایمان والو! تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

اس ارشادِ ربانی سے واضح ہے کہ جس شخص کو اس کا مال اور اس کی اولاد خدا کے ذکر (یاد) سے غافل بنا دے وہ نقصان اور خسران والوں میں سے ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مال و جاہ کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح نشو و نما دیتی ہے جس طرح پانی سبزی کو"! حضور علیہ التحیۃ والثناء نے مزید فرمایا ہے "دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں ایسی تباہی نہیں مچاتے جیسی مال و جاہ کی محبت مرد مومن کے دین میں تباہی مچاتی ہے۔"

بعض اصحابؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "آپ کی امت میں بُرے لوگ کون سے ہوں گے" حضورؐ نے فرمایا "مالدار لوگ" ایک اور حدیث شریف ہے کہ میرے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ انواع و اقسام کے لذیذ کھانے کھائیں گے اور طرح طرح کے کپڑے پہنیں گے، خوبصورت عورتیں اور قیمتی گھوڑے رکھیں گے ان کا پیٹ تھوڑے (کھانے) سے سیر نہ ہوگا اور وہ بہت زیادہ مال پر بھی قناعت نہیں کریں گے ان کا ہر ایک عمل دنیا کے واسطے ہوگا! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم دیتا ہوں (تم اپنی اولاد تک یہ بات پہنچانا) کہ جو کوئی تمہاری اولاد میں ان کو دیکھے، اس کو چاہیئے کہ ان کو سلام نہ کرے، بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرے اور اگر کوئی (اس کے خلاف) کرے گا وہ اسلام کو ویران اور برباد کرنے میں ان کا مددگار ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "دنیا کو اہل دنیا کے پاس چھوڑ دو کہ جو کوئی اس کو اپنی حاجت سے زیادہ لے گا وہ اس کی ہلاکت کا باعث بنے گی اور وہ اس سے واقف نہیں ہوگا (اس کو خبر ہی نہ ہوگی) حضور علیہ التحیۃ والثناء فرماتے ہیں کہ "انسان ہمیشہ یہی کہتا ہے میرا مال! میرا مال! اور یہ مال سوائے اس کے تیرا مال کیا ہے کہ اس کو کھائے اور نابود کرے (کپڑے کو) پہنے اور پرانا کر دے یا اس کو خیرات کر دے اور خداوند تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر دے۔"

کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور میں کیا کروں کہ میرے پاس کسی طرح کا توشۂ مرگ (زادِ آخرت) نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ تم اس مال کو اپنے آگے بھیج دو یعنی صدقہ کر دو کہ انسان کا دل مال کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اگر اس نے مال کو چھوڑ دیا تو وہ دنیا میں رہے گا (اس کے لیے ذخیرۂ آخرت نہیں بن سکے گا) اور اگر (صدقہ وخیرات سے) اپنے آگے بھیج دیا ہے تو وہ خدا کے پاس رہے گا۔"

انسان کے دوست تین قسم کے ہیں

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "آدمی کے دوست تین قسم کے ہیں، ایک تو وہ دوست ہے کہ اس کی موت تک اس کے ساتھ وفاداری کرتا ہے، ایک وہ جو لب گور تک اور ایک قیامت تک اس کے ساتھ وفاداری کرے گا، وہ جو موت تک ساتھ رہتا ہے وہ مال ہے اور جو لب گور تک ساتھ رہتا ہے رشتہ دار ہے اور وہ جو قیامت تک ساتھ رہتا ہے، اس کا عمل ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کیا چھوڑا؟ اور فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ اپنے آگے کیا بھیجا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ زمین اور باغات مت لو کہ یہ دنیا کی محبت کا باعث ہوگا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ کے حواریوں نے پوچھا کہ آپ پانی پر چل سکتے ہیں لیکن ہم نہیں چل سکتے (ہم میں یہ طاقت وقدرت نہیں ہے) اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مال وزر تمہاری نظر میں کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری نظر میں خاک اور زر دونوں برابر ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی پر چلنے کی قدرت وقوت عطا کی ہے۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگوں کے اقوال

نقل ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو تکلیف پہنچائی آپ نے کہا بارالٰہا اس شخص کو تندرستی، عمر دراز اور مال کثیر عطا فرما! اس طرح حضرت ابو الدرداء نے اس شخص کو بددعا دی کیونکہ جب یہ چیزیں کسی کو ملتی ہیں تو اس کو تکبر، غفلت، آخرت سے غافل بنا دیتے ہیں اور وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے! (اس کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک درہم دست مبارک پر رکھ کر فرمانے لگے کہ اے درہم تو وہ چیز ہے کہ جب تک میرے پاس سے نہیں جاتے گا مجھے کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتا۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "خدا کی قسم جو مال وزر کو عزیز رکھے گا حق تعالیٰ اس کو خوار وذلیل کرے گا۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب دینار ودرہم کے سکے بنائے گئے تو ابلیس نے ان کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا اور کہا کہ جو تجھے پیار کرے گا اور محبوب رکھے گا وہ میرا غلام ہے۔"

شیخ یحییٰ بن معاذؒ نے کہا ہے کہ درہم و دینار بچھو کی طرح ہیں جب تک بچھو کے کاٹے کا منتر نہ سیکھ لے ان کو ہاتھ نہ لگائیے، ورنہ اس کا زہر ہلاک کر دے گا۔ لوگوں نے پوچھا وہ منتر کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مال حلال کی کمائی کا ہو اور اس کو بجا طور پر خرچ کیا جائے۔

مسلمہ بن عبدالملکؒ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے دم بازپسیں پہنچے اور دریافت کیا کہ اے امیرالمومنین آپ نے ایسا کام کیا ہے جو کسی نے نہ کیا ہو آپ کے تیرہ فرزند ہیں اور آپ نے ان کے لیے ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا ہے یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا اس کے علاوہ میں نے ان کی ملک دوسروں کو اور دوسروں کی ملک ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دی ہے۔ اب اگر میرا بیٹا لائق اور خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار ہوگا۔ اگر وہ لائق اور فرمانبردار ہے تو خداوند تعالےٰ اس کے لیے کافی ہے اور جو نا خلف ہے اس کی نالائقی کا مجھے کچھ غم نہیں (وہ جانے اور اس کا کام)

جناب محمد بن کعب القرظیؒ کے پاس بہت سا مال آیا لوگوں نے ان سے کہا کہ اس کو اپنی اولاد کی خاطر رکھ دو انہوں نے کہا نہیں میں ایسا نہیں کروں گا بلکہ میں اس مال کو اپنے واسطے خدا کے پاس جمع کروں گا میرے بچوں کے لیے خدا کا وسیلہ کافی ہے وہ ان کو نیک بخت بنائے۔

جناب یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ توانگر کے لیے مرتے وقت دو مصیبتیں ہیں (دوسرے لوگ ان سے آزاد ہیں) ایک مصیبت تو یہ کہ سارا مال اس سے چھین لیا جائے گا اور دوسری مصیبت یہ کہ قیامت میں اس مال کی پرسش اس سے کی جائے گی۔

فصل:۔ اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ مال چند وجوہ کے باعث اگرچہ بُرا ہے لیکن ایک وجہ سے اچھا بھی ہے یعنی مال میں بُرائی بھی ہے اور بھلائی بھی، اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس کو "خیر" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ارشاد کیا ہے اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۨالۡوَصِيَّةُ (الآیۃ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح یعنی اچھا مال بہتر چیز ہے اچھے شخص کے حق میں۔ حضور علیہ التحیۃ والثناء نے مزید فرمایا ہے۔ کاد الفقران یکون کفرًا یعنی قریب ہے کہ افلاس اور فقر کفر کا سبب بن جاتے"۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص خود کو (نعمتوں کے حصول کے سلسلہ میں) عاجز پاتا ہے، نانِ شبینہ کو محتاج ہوتا ہے تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے تو اپنے اہل و عیال کو فقر و تنگدستی کی وجہ سے غمگین دیکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کی کوئی کمی نہیں تو اس وقت شیطان اس کو بہکاتا ہے اور کہتا ہے یہ کیسا عدل و انصاف ہے جو خدا نے کیا ہے اور یہ کیسی ناروا تقسیم ہے جو اس نے تیرے حق میں کی ہے، فاسق اور ظالم کو تو اس قدر مال دیا ہے کہ اس کو اپنی دولت کا اندازہ اور مال کا شمار ہی نہیں اور ایک لاچار اور بے بس بھوکوں مر رہا ہے۔

اس کو ایک درہم بھی میسر نہیں! اگر وہ تیری حاجت اور ضرورت سے آگاہ نہیں تو اس طرح اس کا علم ناقص ہے اور اگر وہ ضرورت سے واقف ہے اور مال دے نہیں سکتا تو اس کی قدرت میں خلل ہے اور اگر علم و قدرت کے باوجود نہیں دیتا تو اس کی بخشش و رحمت میں خلل ہے، اور اگر وہ اس واسطے تجھے مال نہیں دیتا کہ دنیا کے بجائے آخرت میں تجھے ثواب ملے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ فقر و فاقہ کی مصیبت کے بغیر بھی ثواب عطا فرما سکتا ہے پھر وہ مال کیوں نہیں دیتا کہ فقر و فاقہ دور ہو، اگر ثواب اس طرح نہیں دے سکتا تو اس کی قدرت کامل نہیں ہے، ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ وہ رحیم، جواد اور کریم بھی ہے تو اس کی ان صفات پر اس صورت میں کس طرح یقین کیا جائے کہ وہ جواد و کریم ہوتے ہوئے بھی بندوں کو تکلیف میں رکھتا ہے اور اس کا خزانہ نعمتوں سے معمور ہے اور وہ نہیں دیتا! اس طرح شیطان دل میں وسوسے پیدا کر کے قضا و قدر کے مسئلہ کو جس کا راز ہر ایک کو معلوم نہیں ہے اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور شبہات میں مبتلا کر کے اس کو طیش اور غضب میں لاتا ہے تاکہ وہ غصہ میں زمانے کو برا کہے اور گالیاں دے اور کہنے لگے کہ آسمان سخت احمق ہے اور زمانہ میرے خلاف ہو گیا ہے کہ ساری نعمتیں غیر مستحق لوگوں کو دیتا ہے، اس کی اس ناراضی پر جب اس کو سمجھایا جائے کہ آسمان اور زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں اب اگر وہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ کے مسخر اور اس کے دستِ قدرت میں نہیں ہیں تو کافر ہو جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ مسخر ہیں تو پھر جو کچھ اس نے برا کہا ہے اور گالیاں بکی ہیں تو وہ گالیاں حق تعالیٰ کی طرف عائد ہوں گی اور یہ بھی کفر ہے اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ (زمانے کو گالی مت دو کہ اس سے خدا کی ذات مراد ہے) تشریح اس ارشاد کی یہ ہے کہ تم جس چیز کو اپنے کاموں کا کفیل سمجھتے ہو اور تم نے اس کا نام زمانہ رکھا ہے وہ ذات باری تعالیٰ کی ہے پس اسی طرح غریبی اور ناداری سے کفر کی بو آتی ہے۔

مال کا بقدرِ ضرورت ہونا

ایسا شخص جو ایمان پر اتنا ثابت قدم ہو کہ مفلسی اور محتاجی میں بھی وہ خدا سے راضی رہے (شکایت اس کے لب پر نہ آئے) اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس مفلسی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں، تو بہتر یہی ہے کہ مال بقدرِ ضرورت انسان کے پاس موجود ہو، اس لحاظ سے مال کا پاس رہنا محمود اور پسندیدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام بزرگوں کا مقصود و مطلوب آخرت کی سعادت ہے اور اس سعادت کا حصول تین طرح کی نعمتوں سے ممکن ہے ایک نعمت تو دل میں ہے جیسے علم اور اخلاق (حسنہ) اور دوسری نعمت جسمانی ہے یعنی جسم کی صحت اور سلامتی اور تیسری نعمت جسم کے باہر سے متعلق ہے یعنی دنیا داری لیکن صرف ضرورت کے لائق۔

بزرگانِ دین نے مال کو سب سے کم تر درجہ کی نعمت شمار کیا ہے اور مال میں سب سے کم مرتبہ سیم و زر (نقدی)

ہے اور اس میں سوا اس کے اور کچھ منفعت نہیں ہے کہ مال کو غذا اور لباس کی فراہمی پر صرف کیا جائے، کیونکہ کھانا اور کپڑا جسم کی سلامتی کے لیے ہے اور جسم حواس کی نگہداشت کے لیے ہے اور حواس حصول عقل کا ذریعہ ہیں اور عقل دل کا چراغ اور نور ہے تاکہ اس نور کے واسطے سے بارگاہِ الٰہی کا مشاہدہ کرے اور اس کی معرفت حاصل کرے اور معرفت الٰہی سعادت کا تخم ہے (اس کے ذریعہ سعادتِ اخروی جو مقصود ہے حاصل ہو سکتی ہے) پس مقصود ان تمام باتوں کا حق تعالیٰ ہے، اوّل و آخر وہی ہے اور تمام موجودات کی ہستی اس کی ذات سے ہے (ہمہ از دوست) جو یہ بات سمجھ لے گا وہ دنیا کے مال سے صرف اُتنا ہی لے گا جو دین کے راستے میں کام آئے اور باقی مال کو وہ اپنے لیے زہر قاتل سمجھے گا نعم المال الصالح للرجل الصالح "اچھا مال وہی ہے جو مرد صالح کے ہاتھ میں ہو" چنانچہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔

"یا الٰہی! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کی روزی بقدرِ کفایت عطا فرما کہ تجھے معلوم ہے کہ جو چیز قدرِ کفایت (ضرورت) سے زیادہ ہوتی ہے وہ خرابی کا باعث ہوتی ہے اور جو قدرِ کفایت سے کم ہو وہ کفر کی طرف لے جاتی ہے۔ اور یہ بھی باعثِ خرابی ہے"۔

پس جس شخص نے اس بات کو معلوم کر لیا اور اس حقیقت کو پا گیا وہ ہرگز مال کو دوست نہیں رکھے گا کیونکہ جو شخص ایک چیز کو اپنے کسی مطلب یا مقصد کے لیے ڈھونڈتا ہے وہ اس مطلب یا مقصد کو دوست رکھتا ہے نہ کہ اس چیز کو، پس جو شخص نفسِ مال کو دوست رکھتا ہے وہ اندھا ہے اس نے اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"بد بخت ہے بندۂ دینار اور نگونسار ہے بندۂ درہم"

اور جو کوئی کسی چیز کے عشق میں سرشار ہوتا ہے وہ اس چیز کا بندہ ہوتا ہے اور جو کسی چیز کی طاعت میں ہوتا ہے وہ چیز اس کی خداوند اور مالک ہے اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ الٰہی مجھے اور میرے فرزندوں کو بُت پرستی سے بچا، علمائے عظام نے فرمایا ہے کہ یہاں اَصنام سے مراد زر و سیم ہے کیونکہ تمام لوگ اس کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ورنہ پیغمبر علیہ السلام اور اُن کی اولاد کو بُت پرستی سے کیا علاقہ اور کیا تعلق۔

مال کے فائدے اور اُس کی آفتیں

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ مال سانپ کی مانند ہے جس میں زہر ہوتا ہے (ایک زہریلا سانپ ہے) اور تریاق بھی ہے اور جب تک زہر کو تریاق سے جدا نہ کیا جائے اس کا تمام و کمال راز معلوم نہیں ہو سکتا، لہٰذا ہم پہلے مال کے فوائد اور اس کے بعد اس کی آفات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں

مال کے فوائد معلوم ہونا چاہیئے کہ مال کا فائدہ دو قسم کا ہے۔ پہلی قسم تو یہ ہے کہ انسان اس مال کو اپنی عبادت یا ضروریات عبادت میں صرف کرے جیسے حج اور جہاد میں مال کا صرف کرنا یہ خرچ کرنا گویا عین عبادت میں خرچ کرنا ہے، سامان اور ضروریات عبادت سے مقصد یہ ہے کہ مال کو کھانے (غذا) لباس اور ایسی ہی دوسری ضرورتوں میں صرف کیا کیونکہ اس سے عبادت میں تقویت اور اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے (جس کے بغیر عبادت، عبادت نہیں رہتی) پس وہ چیز جس کے واسطے سے عبادت ہو سکے وہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ جس کے پاس مال بقدر حاجت نہیں ہے تمام دن اس کا جسم اور اس کا دل اس کی طلب اور حصول میں مشغول رہے گا اور عبادت سے جس کا خلاصہ ذکر و فکر ہے، محروم رہے گا (اور بقدر ضرورت مال ہونے کی صورت میں اس طلب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی) پس جب عبادت کے لیے مال بقدر ضرورت صرف ہو تو یہ بھی عین عبادت ہے اور فوائد دینی میں داخل ہے اور یہ منجملہ دنیاداری نہیں ہے (اس کو دنیاداری نہیں کہا جائے گا) لیکن اس کا مدار نیت پر ہے کہ اگر دل کا ارادہ اس مال سے راہِ آخرت کی فراغت کا حصول اور دلجمعی ہے تو اس صورت میں یہ مال جو بقدر حاجت ہے توشۂ آخرت اور عین آخرت ہو گا۔

نقل ہے کہ شیخ ابوالقاسم گرگانی رح کی ملکیت میں ایک قطعہ زمین تھا جس سے وہ حلال روزی حاصل کرتے تھے ایک دن اس زمین سے اناج آیا، خواجہ ابوعلی فارمدیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس اناج سے ایک مٹھی اناج لے لیا اور کہا کہ میرا اس اناج کو اگر دنیا بھر کے متوکلین اپنے توکل کے بدلہ میں لینا چاہیں تو میں نہیں دوں گا، حقیقت یہ ہے کہ یہ بات اور یہ رمز وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل مراقبہ میں مشغول ہو کیونکہ اس کو علم ہے کہ معاش کی طرف سے خاطر جمع ہونا راہِ آخرت کے طے کرنے میں بڑی مددگار ہوتی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مال لوگوں کو عطا کرے (یا ان پر صرف کرے) یہ بذل مال چار طریقوں پر ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ تو صدقہ ہے، صدقہ کا ثواب دین و دنیا دونوں میں بہت ہے کہ فقیروں کی دعا کی برکت اور ان کی خوشنودی کا اثر بہت ہوتا ہے جس کے پاس مال نہیں ہے وہ صدقہ و خیرات کر ہی نہیں سکتا۔ دوسرا طریق بطور مروّت مال کا خرچ کرنا

ہے (مثلاً دوسروں کو اپنا مہمان بنائے (میزبان کے فرائض انجام دے)، اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ احسان کرے خواہ وہ مالدار ہوں، ان کو ہدیہ دے اور مال سے ان کی غمخواری کرے لوگوں کے حقوق ادا کرے اور دوسرے جائز رسوم بجالائے یہ عمل اگر توانگروں کے ساتھ بھی کیا جائے تو پسندیدہ ہے، اس سے سخاوت کی صفت پیدا ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ سخاوت بہت ہی عظیم خلق ہے ہم انشاء اللہ آئندہ اوراق میں سخاوت کی تعریف بیان کریں گے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مال کو اپنی آبرو کے تحفظ کے لیے صرف کرے۔ مثلاً کسی شاعر کو انعام کے طور پر دینا یا کسی حریص اور لالچی پر خرچ کرنا کہ ان لوگوں پر اگر خرچ نہیں کرے گا تو شاعر تو ہجو کرے گا اور حریص غیبت کرے گا اور گالیاں دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، وہ چیز جس کے ذریعہ لوگوں سے اپنی آبرو کا تحفظ کیا جائے صدقہ ہے چونکہ مال بدگوئی اور غیبت کا راستہ مخلوق پر بند کرتا ہے اور تشویش و پریشانی کی آفتوں کو روکتا ہے اگر ان لوگوں پر مال خرچ نہ کیا جائے اور وہ ہجو اور غیبت کریں تو صاحبِ مال کے دل میں بھی بدلہ لینے کی خواہش پیدا ہو، اس طرح عداوت اور دشمنی کا سلسلہ جاری ہو جائے گا پس مال ہی اس کام کو کر سکتا ہے۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ مال ایسے لوگوں کو دے جو اس کی خدمت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے تمام کام اپنے آپ ہی انجام دے گا، جیسے دھونا، جھاڑنا، پونچھنا، خریدنا، پکانا وغیرہ تو ان کاموں میں اس کا تمام وقت ضائع ہو جائے گا اور ہر شخص پر ذکر و فکر فرض عین ہے اور اس کا یہ کام کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا پس اس کے جو کام دوسرے انجام دے سکتے ہیں اس میں اپنے وقت کو ضائع کرنا افسوس کی بات ہے اس لیے کہ انسان کی عمر کم ہے موت اس سے قریب ہے، آخرت کا راستہ بہت طویل ہے، اس کے لیے بہت سے توشہ کی ضرورت ہے۔ پس ہر ایک سانس کو غنیمت شمار کرے اور ایسے کام میں جس کو دوسرا شخص اس کے لیے انجام دے سکتا ہے خود مصروف و مشغول ہونا مناسب نہیں ہے اور یہ معاملہ بھی مال کے بغیر انجام نہیں پا سکتا، مال پاس ہو گا تو خدمت گاروں کو دے سکے گا اور وہ خدمت گار اس کو کاموں کی محنت (اور مشغولیت) سے بچائیں گے، اگرچہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرنا بھی ثواب کا موجب ہے لیکن یہ معاملہ اس شخص کا ہے جو جسم سے بندگی میں مشغول ہوتا ہے دل سے نہیں، لیکن جو شخص ذکر و فکر میں مشغول رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے لوگ اس کے کام کریں تاکہ اس کو اطمینانِ قلب میسر ہو اور اس کام کے انجام دینے میں اس کو دلجمعی میسر آسکے جو جسم کی طاعت و بندگی سے بزرگ تر اور عظیم تر ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ ایک معین اور مخصوص شخص سے کو مال نہ دیتا رہے بلکہ ایسی خیرات کرے جس کا فائدہ عمومی ہو۔ جیسے پل بنوانا، سرائے اور مسجد تعمیر کرانا، دارالشفا (شفاخانہ) قائم کرنا یا فقیروں اور درویشوں کے لیے مال کو وقف کر دینا یہ تمام باتیں خیراتِ عمومی میں داخل ہیں اور دیر تک باقی رہنے والی ہیں اس سلسلہ میں دعائیں اور اس کی برکتیں انسان

کے مرنے کے بعد بھی اس تک پہنچتی رہتی ہیں (اس کا نام صدقۂ جاریہ ہے) اس صدقۂ جاریہ اور خیرات عمومی کے لیے بھی مال درکار ہے مال کے دینی فائدے تو یہ تھے جو ہم نے بیان کیے، دنیاوی فائدے ظاہر ہی ہیں کہ اس کے ذریعے انسان مکرم و محترم رہے گا، مخلوق اس کی دست نگر رہے گی اور وہ مخلوق سے بے نیاز رہتے ہوتے بھی بہت سے دوست اور بھائی پیدا کرلے گا ہر ایک کا محبوب و مقبول ہوگا اور کوئی اس کی تحقیر نہیں کر سکے گا۔

مال کی آفتیں

مال کی دینی آفتیں

مال کی آفتوں میں بعض دنیاوی آفات ہیں اور بعض دینی آفات ہیں:
دینی آفات تین قسم کی ہیں:۔

پہلی آفت یہ ہے کہ مال فسق و فجور اور معصیت میں معاون و مددگار ہوتا ہے اور انسانی فطرت ہے کہ وہ معصیت کو پسند کرتی ہے اور ناداری و مفلسی منجملہ اسباب پارسائی ہے، ایسی صورت میں کہ آدمی کو (مال کے ذریعہ) قدرت حاصل ہو تو اگر وہ معصیت میں مبتلا ہو گا تو اس کی ہلاکت کا موجب ہو گا اور اگر اس خواہش اور معصیت پر صبر کرے گا تو بڑا جبر کرنا پڑے گا کیونکہ قدرت رکھتے ہوتے صبر کرنا بہت ہی دشوار ہے۔
دوسری آفت یہ ہے کہ آدمی اگرچہ بڑا دیندار ہے اور معصیت سے خود کو محفوظ رکھتا ہے پھر بھی مباح چیزوں کے ذوق شوق سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے گا، اور کس شخص میں قدرت ہے کہ تو انگری میں جَو کی روٹی پر گذر کرے اور موٹا کپڑا پہنے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کا باوجود سلطنت اور بادشاہت کے معمول تھا کہ موٹا اور معمولی کپڑا پہنتے اور بہت ہی معمولی غذا استعمال کرتے تھے) اور جب آدمی عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے تو جسم اس سے لذت پاتا ہے پھر وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا، دنیا اس کے لیے بہشت کی مانند ہو گی موت سے بیزار رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و عشرت کا یہ سامان حلال روزی سے فراہم نہ کر سکے گا اور مشتبہ ذریعوں اور طریقوں سے کمائے گا، سلاطین کی مدد کا محتاج ہو گا (بادشاہوں کے درباروں کا رُخ کرے گا) ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کی مزاج داری، تملق و ریا، دروغ نفاق اور ان کی خدمت گذاری میں مبتلا ہو گا، ان کا مقرب تو بن جائے گا لیکن یہ خطرہ ضرور رہے گا کہ وہ بادشاہ کا محبوب بن جائے یا کسی وقت بادشاہ اس سے بیزار ہو جائے اگر وہ بادشاہ کا مقرب بن گیا تو دوسرے لوگ اس پر حسد کریں گے اور اس کی ایذا رسانی کے درپے ہوں گے، اس کو ستائیں گے اور وہ بھی ان سے بدلہ لینے کے لیے کمر بستہ ہو جائے گا اور خود بھی جھگڑے فساد اور حسد میں مبتلا ہو جاتے گا۔ یہ باتیں تمام مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں۔ کیونکہ ان برائیوں کی بدولت اس سے دروغ، غیبت، بدخواہی اور دل اور زبان سے دوسرے معاصی پیدا ہوں گے اور

حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ کے یہی معنی ہیں (کہ دنیا تمام خطاؤں کا سر ہے) معاصی اور برائیوں کی یہ تمام شاخیں اسی سے پھوٹی ہیں اور دنیا نہ ایک آفت ہے نہ دس نہ سو بلکہ بیحساب آفتوں کا نام دنیا ہے، یہ ایک ایسا غار ہے جس کی تھاہ نہیں ہے جس طرح دوزخ کا گڑھا جو ایسے ہی لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔

تیسری آفت یہ تیسری آفت ایسی آفت ہے کہ اس سے بس وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس کو خدا بچائے اور وہ یہ ہے کہ انسان معصیت سے بچے۔ عیش و عشرت میں مشغول نہ ہو، مشتبہ مال سے بھی محفوظ رہے اور وہ حقیقت میں پارسا ہے، حلال مال حاصل کرتا ہے اور اس کو راہِ خدا میں خرچ بھی کرتا ہے پھر بھی اس مال کا رکھنا تعلق خاطر کا سبب ہوگا (دل کسی نہ کسی طرح اس مال کی طرف لگا رہے گا) اور یہ تعلق خاطر جو اس کو مال سے ہے وہ اس کو خدا کے ذکر اور اور اس کی عظمت کے خیال سے باز رکھے گا (ذکر و فکر سے غافل بنا دے گا) حالانکہ تمام عبادتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ذکر الٰہی انسان پر غالب ہو اور اس ذکر کے سوا کسی چیز سے اس کو نسبت نہ ہو اور ماسوی اللہ سے بے نیاز اور مستغنی رہے، ان چیزوں کے لیے خاطر جمعی اور طمانیت قلب درکار ہے کہ کسی طرف مشغول نہ ہو۔ ایسا مالدار آدمی اگر زمین کا مالک ہے تو بسا اوقات وہ اس زمین کی آبادانی کے خیال میں، اس زمین میں جو دوسرے لوگ شریک ہیں اُن کی خصومت اور عداوت کی فکر میں رہے گا، خراج دینے اور رعایا (کاشتکاروں) سے حساب کتاب (مالگذاری) لینے میں مصروف رہے گا اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تجارت کرتا ہے تو تجارت اور کاروبار میں دوسرے شریکوں مال تجارت کے گھاٹے، سفر کی تدابیر اور نفع بخش کاروبار کی فکر میں لگا رہے گا، اگر یہ نہیں بلکہ جانور پالے ہوئے ہیں اور ان کی تجارت کرتا ہے تو اس تجارت کا بھی یہی حال ہوگا (ایسی ہی مصروفیات اور وسوسے پیدا ہوں گے) بظاہر وہ مال جو گنج کی شکل میں دفن ہے آدمی کو بخیل بنانے والا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے نکال کر خرچ کرتا رہتا ہے۔ لیکن یہ مال بھی اس کو مصروف رکھنے والا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی فکر میں رہتا ہے اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی اس کو چرا کر نہ لے جائے یا کوئی شخص اس کا کھوج لگائے (کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے) غرضکہ دنیا والوں کی فکر کا میدان بہت وسیع ہے اس کا اور چھور نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیا داری کے ساتھ ساتھ طمانیت قلب اور خاطر جمعی کو حاصل کرے تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو پانی میں گھس کر یہ چاہتا ہے کہ بھیگنے سے محفوظ رہے (جو ناممکن ہے) پس مال کے فائدے اور اس کی آفتیں یہی ہیں جو ہم نے بیان کیں تاکہ عقلمند لوگ ان آفتوں کو سمجھ لیں اور جان لیں کہ مال بقدر ضرورت تریاق ہے اور اس سے زیادہ زہر کا خاصہ رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے لیے اسی مال بقدر ضرورت کی خواہش فرمائی اور مختصر طور پر یہ فرمایا کہ "جو کوئی مال کو قدر حاجت سے زیادہ لیتا ہے اس نے اپنی خرابی اور بربادی کی چیز کو خود پسند کیا۔" اسی طرح یکبارگی مال کو اڑا دینا (صرف کر دینا (خرچ کر دینا) کہ کچھ باقی نہ رہے اور ضرورت کے وقت پریشانی لاحق نہ ہو، شریعت میں

درست نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ — اور (ہاتھ کو) نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔

طمع وحرص کی آفت اور قناعت کا فائدہ

معلوم ہونا چاہیے کہ طمع بُرے اخلاق (اخلاق رذیلہ) میں داخل ہے اور اس میں بالفعل ذلت وخواری موجود ہے اور خجالت اس کا نتیجہ ہے جب آدمی میں طمع پیدا ہوتی ہے تو اس سے خود بخود بہت سے بُرے اخلاق، (اخلاق رذیلہ) پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے طمع کرتا ہے تو اس کے ساتھ دو روئی اور نفاق سے پیش آئے گا۔ عبادات میں بھی ریا پیدا ہو جائے گا۔ جس سے طمع رکھتا ہے جب وہ طامع اور حریص کی تحقیر کرے گا تو وہ اس کو برداشت کرے گا اور بُرے کاموں میں سہل انگاری کا اظہار کرے گا (برے کام اس کی نظر میں بہت معمولی نظر آئیں گے)

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

انسان فطرۃً اور بالطبع حریص ہے جو کچھ اس کے پاس ہے ہرگز اس پر قناعت نہیں کرتا اور حرص وطمع سے سوائے قناعت کے بچنا ناممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر انسان کے پاس دو وادیوں سے بھرا ہوا مال ہو تو وہ تیسری وادی مال سے بھری ہوئی چاہے گا، خاک کے سوا آدمی کے دل کو سیر کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں جو توبہ کرے اور حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔" حضور علیہ التحیۃ والثناء نے مزید فرمایا:

"انسان کی تمام چیزوں میں بڑھاپا آتا ہے لیکن اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں، ایک تو طویل عمر کی آرزو دوسرے مال کی محبت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ہے:

"آسودہ ہے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی راہ دکھائی اور بقدر حاجت اس کو مال دیا اور اس نے اس مال پر قناعت کی۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"رُوح القدس نے میرے دل میں اس بات کا القا کیا کہ جب تک بندے کا رزق پورا نہیں ہوتا وہ نہیں

مرتا پس حق تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا کا مال بہت نہ ڈھونڈو اور بہت حرص مت کرو۔"

ایک اور ارشاد ہے کہ:

"مال مشتبہ سے بچو تاکہ تم سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر قناعت کرو تاکہ سب سے زیادہ شاکر تم بنو اور دوسرے لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تاکہ مومن بن جاؤ۔"

حضرت عوف ابن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (ہم سب لوگ سات یا آٹھ یا نو افراد تھے) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کرو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایک بار بیعت نہیں کر چکے ہیں؟ آپؐ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کے رسول سے بیعت کرو آپ کا دوبارہ ارشادِ گرامی سن کر ہم لوگوں نے۔ اپنے ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے اور دریافت کیا کہ حضور ہم کس بات پر بیعت کریں آپؐ نے فرمایا خدا کی بندگی کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو اور جو کچھ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہو اس کو دل و جان سے بجا لاؤ اور پھر آہستہ سے فرمایا کہ" اور کسی سے کچھ نہ مانگو"۔

اس واقعہ کے بعد سے ان حضرات صحابہؓ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اگر کسی کے ہاتھ سے تازیانہ زمین پر گر جاتا تھا تو وہ کسی دوسرے سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ تازیانہ اُٹھا دو"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں سب سے زیادہ تونگر کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ شخص جو اس چیز پر قناعت کرے جو اس کو میں عطا کروں انہوں نے پھر عرض کیا کہ الٰہی سب سے زیادہ عادل بندہ کون سا ہے فرمایا وہ ہے جو ہر ایک کام میں انصاف کرنے سے نہ چوکے۔"

اقوالِ بزرگاں

جناب ابن وسیعؒ سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے اور فرماتے جو اس پر قناعت کرے گا وہ مخلوق سے بے نیاز رہے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہر روز فرشتہ یہ منادی کرتا ہے کہ اے فرزندِ آدم کہ وہ تھوڑا مال جو تجھے کفایت کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس سے بے اندازہ مسرت اور غفلت پیدا ہو۔

جناب سمیط ابن عجلان کہتے ہیں کہ تیرا سارا شکم ایک بالشت سے زیادہ طول و عرض میں نہیں ہے (بہر شکم تو وجہے در وجہے بیش نیست) اور یہ ذرا سی چیز تجھے دوزخ میں ڈال دے تو عجیب سی بات ہو گی۔"

حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر میں تجھے ساری دنیا دے دوں تب بھی تو اس سے صرف اپنی روزی (مقسوم کے مطابق) کھائے گا اور جب میں تجھے تیری خوراک سے زیادہ دوں اور اس کے حساب کا شغل دوسروں کے سپرد کر دوں (دنیا کے دوسرے لوگ دولت کثیر کا حساب کتاب

کرنے میں مشغول رہیں) تو تجھ پر یہ میرا بہت بڑا احسان ہے ۔"

کسی دانشمند کا قول ہے حریص اور طامع سب سے زیادہ غمگین رہے گا اور قانع ہمیشہ خوش رہے گا اور حاسد کے غم کی تو انتہا ہی نہیں ہے ، اور تارکِ دنیا ہمیشہ سبکدوش اور سبکبار رہتا ہے اور وہ عالم جو بدکار ہے سب سے زیادہ پشیمان رہتا ہے ۔"

حکایت جناب شعبیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک چڑیا کو پکڑ لیا ، اس چڑیا نے اس سے پوچھا کہ مجھے تو نے کس لیے پکڑا ہے ؟ اس شخص نے کہا کہ میں تجھے ذبح کر کے کھاؤں گا اس نے کہا کہ مجھ سے تو تیرا پیٹ نہیں بھرے گا ، البتہ میں تجھے تین باتیں بتاتی ہوں وہ تجھ کو میرے کھانے سے زیادہ نفع دیں گی سُن ان میں سے ایک بات تو تیرے ہاتھ میں رہتے ہوئے بتاؤں گی اور دوسری بات اس وقت کہوں گی جب تو مجھے آزاد کر دے گا اور میں درخت پر بیٹھ جاؤں گی ، اور تیسری بات اس وقت کہوں گی جب درخت سے اُڑ کر اس پہاڑ پر جا بیٹھوں گی : اس شخص نے کہا پہلی بات کونسی ہے ؟ چڑیا نے کہا وہ یہ ہے کہ " جو چیز ہاتھ سے جاتے اس کا غم نہ کرنا ، یہ سُن کر اس شخص نے اس چڑیا کو چھوڑ دیا وہ درخت پر جا کر بیٹھ گئی ، اس وقت اس شخص نے کہا اب دوسری بات بتا اس نے کہا کہ محال بات کو باور نہ کرنا ۔ یہ کہہ کر وہ درخت سے اڑ کر قریب کے پہاڑ پر جا بیٹھی اور وہاں بیٹھ کر کہنے لگی کہ تو بہت بدقسمت ہے اگر تو مجھے ذبح کرتا تو مالا مال ہو جاتا کیونکہ میرے پیٹ میں دو لعل ہیں ، ہر ایک لعل کا وزن بیس مثقال ہے ، یہ سن کر وہ شخص بہت افسوس کرنے لگا اور کہا خیر اب تیسری بات تو بتا دے ۔ چڑیا نے کہا اب میں تیسری بات کیا بتاؤں کہ تو نے پہلی دو باتوں ہی کو یاد نہیں رکھا ، میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ گذری بات کا غم نہ کرنا اور محال بات کو باور نہ کرنا ! سن میں جب تیرے ہاتھ میں تھی تو تمام گوشت و پوست اور پر سمیت میرا وزن دس مثقال بھی نہ تھا ، میرے پیٹ میں ایسے دو لعل کسطرح ہو سکتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا وزن بیس مثقال ہو ۔ یہ کہہ کر وہ چڑیا پہاڑ سے اڑ گئی ۔ اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ جب طمع ظاہر ہوتی ہے تو آدمی ہر محال بات کو باور کر لیتا ہے ۔

ابن سماکؒ نے کہا ہے کہ " طمع ایک رسّی ہے جو تیری گردن میں بندھی ہے اور ایک ڈوری ہے جو تیرے پاؤں میں بندھی ہے گردن کی رسی کو نکال تا کہ پاؤں کی ڈوری کھل سکے ۔"

حرص اور طمع کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مرض کی دوا ایک معجون ہے جو صبر کی تلخی، علم کی شیرینی اور عمل کی دشواری سے مرکب ہے اور دل کی بیماریوں کا علاج ان ہی اجزاء سے ہوتا ہے، حرص اور طمع کا علاج ان پانچ چیزوں سے ہوگا، پہلی چیز عمل ہے، عمل سے علاج اس طرح ہوگا کہ آدمی اپنے خرچ کو کم کرے، موٹا سادہ لباس پہنے اور سوکھی روٹی پر قناعت کرے۔ سالن کا استعمال کبھی کبھی کرنا چاہیئے۔ یہ ضروریات انسان کی بغیر طمع اور حرص کے آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں اگر اخراجات بہت ہوں گے تو قناعت اختیار نہیں کر سکے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ یعنی جس کا خرچ متوسط درجہ کا ہوگا وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے۔ "تین چیزیں ہیں جن میں خلائق کی نجات ہے (۱) خلوت وجلوت میں خدا سے ڈرنا (۲) درویشی اور توانگری کی حالت میں اعتدال سے خرچ کرنا (۳) خوشی اور غم میں انصاف سے گریز نہ کرنا۔ کسی شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھجور کی گٹھلیاں چن رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ روزی میں اعتدال کو مدنظر رکھنا انسان کی دانشمندی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے " جو کوئی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں سے بے نیاز کردے گا اور جو کوئی خرچ میں اسراف (فضول خرچی) کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو افلاس میں رکھے گا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اندازے کے ساتھ خرچ کرنا نصف روزی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جب ایک دن کی روزی میسر آئے تو آئندہ کی روزی کی فکر نہ کرے کیونکہ اس طرح شیطان اس سے کہتا ہے کہ شاید تیری عمر دراز ہو اور کل کی روزی میسر نہ آئے پس آج ہی اس کی جستجو کر اور بے فکر ہو کر مت بیٹھ، اور جہاں کہیں سے بھی مال ملے اُسے حاصل کرے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بیحیائی کا۔

وہ چاہتا ہے کہ تجھے کل کی تنگدستی سے آج کے دن تشویش وپریشانی میں رکھے اور فقیر بنا دے اور وہ تجھ پر ہنستا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ تیرے لیے کل کا دن نہ آئے، اور اگر آئے بھی تو اس دن کی محنت اور مشقت اس سے زیادہ تو نہ ہوگی جس میں تو نے آج خود کو ڈالا ہے۔ اس خطرے سے اس طرح بچنا ممکن ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ رزق حرص کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو روزی نصیب میں ہے وہ بہر حال مل کر رہے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو نہایت فکر مند پایا۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا؛

فکر مت کرو جو مقدور میں ہے وُہ ہوگا اور جو تمہاری روزی ہے وہ یقیناً تم کو ملے گی۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ یہ بات خیال میں رکھے کہ روزی ایسی جگہ سے پہنچتی ہے جو اس کے خیال میں بھی نہیں ہوتی حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

جو کوئی پرہیزگار ہو اس کی روزی ایسی جگہ سے ملے گی جس کا اس کو خیال بھی نہ ہو۔

حضرت ابوسفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے "پرہیزگار رہ کیونکہ پرہیزگار کبھی بھوک سے نہیں مرے گا" یعنی خداوند تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس قدر رحم ڈالے گا کہ بغیر مانگے اس کی روزی اس کے پاس پہنچے گی اور لوگ اس کے پاس پہنچائیں گے۔ حضرت ابوحازم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رزق کی دو قسمیں ہیں، جو کچھ میری روزی میں ہوگا وُہ مجھے جلد پہنچ جائے گی اور وُہ جو دوسرے کی روزی میں ہے وہ تمام اہلِ زمین و اہلِ آسمان کی کوشش سے بھی مجھے نہیں ملے گی پس اس کی فکر میں میری بیقراری کس کام آسکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ آدمی کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ طمع نہ کرے اور صبر کرے تو صرف غمگین ہوگا اور اگر طمع کرے اور صبر کرے تو غمگین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ذلیل اور خوار بھی ہوگا، طمع کے باعث لوگ اس کو ملامت بھی کریں گے اور آخرت کے عذاب کے خطرے میں بھی پڑے گا اور اگر صبر کرے گا تو ثواب بھی حاصل ہوگا، نیک کاموں میں وُہ شمار کیا جائے گا اور لوگ بھی تعریف کریں گے، اس طرح وہ رنج جس کے ساتھ ثوابِ آخرت تعریف اور عزت بھی ہے وہ اس رنج سے کہیں اولیٰ اور بہتر ہے جس کے ساتھ عذاب کا خطرہ، ذلت اور ملامت ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی عزت اس بات میں ہے کہ وُہ خلائق سے بے نیاز ہو۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "جس کے ساتھ تیری کوئی حاجت ہے تو اس کا تو قیدی اور اسیر ہے اور جو شخص تیرا محتاج ہو تو اس کا امیر ہے اور وہ تیرا اسیر ہے)

چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی کو غور کرنا چاہیے کہ وہ حرص و طمع کس لیے کر رہا ہے اگر وہ شکم پروری کے لیے کر رہا ہے تو بیل اور گدھے اس سے زیادہ کماتے ہیں (وہ بیل اور گدھے سے بھی کمتر ہے) اور اگر شہوت، مباشرت اور جماع کی قوت کے لیے کر رہا ہے تو خنزیر اور ریچھ اس سے زیادہ شہوت رکھتے ہیں، اگر شان و شوکت اور عمدہ لباس کے لیے یہ حرص و طمع ہے تو اس معاملہ میں وہ یہود و نصاریٰ کو اپنے سے برتر پائے گا۔ اور اگر طمع چھوڑ کے درماندگی پر قناعت اختیار کرے گا تو اولیاء اور انبیاء کی طرح ہوگا (اگر طمع ببرود تاندگی قناعت کند خود را ہیچ نظیر نہ بیند مگر انبیا و اولیاء (یعنی اگر درماندگی اور مفلسی پر قناعت کرے تو اپنی نظیر انبیا اور اولیاء کے سوا نہ پائے گا) اور ان حضرات کی نظیر و مانند ہونا دوسروں کے مانند ہونے سے کہیں بہتر ہے۔

پانچویں چیز یہ کہ آدمی مال کی آفت پر غور کرے کہ مال جب بہت ہو جائے گا تو دنیا میں اس کے باعث بہت سی آفتوں میں مبتلا ہو گا اور آخرت میں درویشوں اور فقیروں کے پانچسو برس بعد بہشت میں داخل ہو گا، آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ ایسے شخص پر نظر کرے جو مال و متاع میں اس سے کم درجے پر ہو تاکہ (اپنی اچھی حالت پر) شکر الٰہی بجا لائے[1] اور دوسرے مالداروں کو نہ دیکھے تاکہ اس کے پاس حق تعالیٰ کی جو نعمت موجود ہے اس کی نظروں میں حقیر معلوم نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ایسے شخص کو دیکھو جو مال و ثروت میں تم سے کم ہے۔" اور ابلیس تو ہمیشہ تجھ سے یہی کہتا رہے گا کہ فلاں فلاں شخص تو اس قدر مالدار ہے تو ہی کیوں قناعت کر رہا ہے اور جب تم مال سے پرہیز کرو گے تو شیطان یہ کہہ کر تم کو بہکائے گا کہ تم ہی کیوں پرہیز کرتے ہو جو فلاں عالم اور فلاں امام تو پرہیز نہیں کرتا اور حرام مال کھا رہا ہے، شیطان ہمیشہ ایسے شخص کو جو دنیا داری میں تم سے زیادہ اور دین میں تم سے کم ہو گا تمہارے سامنے پیش کرتا رہتا ہے (تاکہ مصیبت میں مبتلا کرے اور دنیاداری میں پھنسا رکھے) سعادت اور نیکی کا طریقہ وہی ہے جو اس کے خلاف ہو۔ پس تم کو لازم ہے کہ دین کے بارے میں بزرگوں پر نظر رکھو تاکہ تم کو اپنی کوتاہی اور خامی نظر آئے اور دنیاوی مال و منال کے سلسلہ میں ناداروں اور فقیروں پر نظر کرو تاکہ ان کے مقابلہ میں تم خود کو مالدار اور توانگر پاؤ۔

سخاوت کی فضیلت اور اس کا ثواب

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اس کو قناعت اختیار کرنا اور حرص سے بچنا چاہیے اور اگر توانگر اور مالدار ہو تو سخاوت اختیار کرے اور بخل سے بچے۔

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹک رہی ہیں، جو کوئی مرد سخی ہے وہ اُن ڈالیوں میں سے ایک ڈالی کو پکڑے گا اور اس کے ذریعہ بہشت میں پہنچ جائے گا اور بخل دوزخ کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹک رہی ہیں جو مرد بخیل ہو گا وہ اس کی ایک شاخ پکڑے گا اور وہ اس کو دوزخ میں پہنچا دے گی۔

---

[1] بقول شاعر:- غافل مقام رشک نہیں جائے شکر ہے ۔۔۔ سو سے بُرا تو ایک سے بہتر بنا دیا۔

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے دو خلق ایسے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے ایک سخاوت اور دوسری نیک خوئی، اور دو خلق ایسے ہیں جن کو وہ ناپسند فرماتا ہے ایک بخل دوسری بدخوئی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "سخی کی تقصیر معاف کردو کہ جب وہ تنگ دست ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔"

نقل ہے: کہ ایک بار ایک غزوہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ایک اسیر کے سب کو قتل کرا دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس شخص کو قتل کیوں نہیں کرایا گیا جبکہ دین ایک گناہ ایک اور خدا ایک ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین (علیہ السلام) نازل ہوئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس شخص کو قتل نہ کرو کیونکہ یہ سخی ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سخی کا کھانا دوا کا حکم رکھتا ہے اور بخیل کا کھانا مرض ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ" سخی اللہ کے نزدیک ہے اسی طرح وہ بہشت سے اور دوسرے لوگوں سے نزدیک ہے اور دوزخ سے دور ہے اور مرد بخیل خدا سے بہشت سے اور لوگوں سے دور ہے لیکن دوزخ سے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سخی جاہل کو بخیل عابد سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور تمام بیماریوں میں بخل بڑی بیماری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے ابدال نماز روزے کے باعث بہشت میں نہیں جائیں گے، بلکہ سخاوت، پاکیزگی قلب اور اس نصیحت و شفقت کے باعث بہشت میں جائیں گے جو ان کو خلقِ خدا سے تھی، ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ سامری کو مت مارو کیونکہ وہ سخی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے اقوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "جب دنیا تمہارے سامنے (پاس) آئے تو خرچ کرو کیونکہ وہ تم کو ہی پہنچے گی اور جب وہ تم سے منہ موڑے تب بھی خرچ کرو کہ آخر کار وہ رہنے والی نہیں ہے"۔

کسی شخص نے حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی کیفیت اور حالت لکھ کر پیش کی آپ نے وہ خط لیا اور جواب دیا کہ میں نے تمہاری حاجت پوری کر دی! لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس شخص کے مکتوب کو تو پڑھا نہیں! آپ نے جواب دیا کہ مجھے یہ ڈر پیدا ہوا کہ اس کو ذلت کے ساتھ اگر میں اپنے سامنے کھڑا رکھوں گا تو حق تعالےٰ اس باب میں مجھ سے پرسش فرمائے گا۔ جناب محمد بن المنکدر نے ام درہ سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں، یہ روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دو تھیلیاں (بدرہ) چاندی اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے وہ تمام

مال ایک سینی (طبق) میں رکھ کر تقسیم کر دیا۔ شام کے وقت آپ نے مجھ سے کھانا مانگا تا کہ روزہ افطار کریں میں روٹی اور روغن زیتون آپ کے پاس لے گئی (کہ اس کے سوا اس وقت کھانے کے لیے کچھ اور موجود نہ تھا) گوشت بھی نہ تھا، میں نے عرض کیا کہ اتنی رقم آپ کے پاس آئی تھی اور آپ نے وہ تمام رقم خرچ کر دی آپ نے ایک درم کا گوشت ہی ہمارے لیے منگا لیا ہوتا! ام المومنینؓ نے فرمایا اگر تم یاد دلاتیں تو میں ضرور منگا لیتی!

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آتے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کے سلام کو نہ جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم مقروض ہیں چنانچہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے واپس ہونے لگے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور اپنے مقروض ہونے کا حال ان سے بیان کیا۔ امیرؓ کے پیچھے ایک اونٹ آ رہا تھا جس پر بیت المال کا روپیہ بار کیا ہوا تھا امیر معاویہؓ نے دریافت کیا کہ اس اونٹ پر کیا ہے؟ عمال نے کہا روپیہ ہے! اسی ہزار دینار ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تمام روپیہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دے دو تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر دیں۔

حکایت

شیخ ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں حضرات حسین و حسن اور عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہم تینوں حج کے لیے جا رہے تھے، توشہ اور زاد راہ کا اونٹ بہت پیچھے رہ گیا تھا بھوک اور پیاس سے بیتاب ہو کر یہ حضرات راستہ میں ایک بڑھیا کے خیمہ میں گئے اور اس سے کہا کہ ہم کو بہت پیاس لگی ہے کچھ پینے کو دو اس نے ایک بکری کا دودھ نکال کر ان حضرات کو پیش کیا۔ دودھ پی کر انہوں نے کہا کہ کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔ پیر زال نے کہا کہ کھانے کو تو کچھ موجود نہیں ہے تم اسی بکری کو ذبح کر کے کھا لو ان حضرات نے ایسا ہی کیا، کھانے پینے سے فارغ ہو کر انہوں نے کہا کہ ہم قریشی ہیں جب سفر سے واپس آئیں گے تو تم ہمارے پاس آنا ہم تمہاری اس مہربانی کا عوض دیں گے یہ کہہ کر یہ حضرات آگے روانہ ہو گئے، جب اس پیر زن کا شوہر آیا تو ناراض ہوا کہ تو نے بکری ایسے لوگوں کی خاطر ذبح کرا دی جن سے نہ ہماری واقفیت تھی اور نہ دوستی! اس واقعہ کو کچھ مدت گزر گئی! اس پیر زال اور اس کے خاوند کو ناداری نے پریشان کیا۔ یہ تباہ حال خاندان مدینہ منورہ پہنچا! یہ لوگ اونٹ کی لید چن چن کر بیچنے لگے (تاکہ اپنا پیٹ بھر سکیں) ایک دن یہ عورت کہیں جا رہی تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے مکان کی ڈیوڑھی پر کھڑے تھے آپ نے اس پیر زال کو پہچان لیا اور اس عورت کو روک کر فرمایا اے بڑھیا! تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں میں آپ کو نہیں جانتی! آپ نے فرمایا کہ میں وہی ہوں جو فلاں روز تیرا مہمان ہوا تھا، اس نے کہا اچھا آپ وہ ہیں؟ اس کے بعد آپ نے اس عورت کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار مرحمت کئے اور اپنے غلام کے ہمراہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا! آپ نے عورت سے پوچھا کہ اے پیر زال میرے بھائی صاحب نے تجھے کیا دیا اس نے کہا ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قدر انعام اس کو دیا

اور اپنے غلام کے ہمراہ اپنے بھائی عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس بوڑھی عورت سے دریافت کیا کہ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تجھے کتنا مال دیا ہے اس عورت نے کہا کہ دونوں حضرات نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عنایت فرمائے۔ جناب عبداللہ نے بھی اس کو دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں عطا فرمائیں اور کہا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آتی ہوتی تو میں تجھ کو اتنا دیتا کہ یہ دونوں اتنا تجھ کو نہ دے سکتے الغرض وہ پیر زال چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی۔

نقل ہے کہ عرب میں ایک شخص سخاوت میں مشہور تھا، اس کا انتقال ہو گیا، ایک قافلہ کہیں سفر سے آ رہا تھا اور قافلہ کے سب لوگ بھوکے تھے، قافلہ والے اس مرد سخی کی قبر کے پاس اترے (اور پڑاؤ ڈال دیا) اور سب لوگ اسی طرح بھوکے سو گئے، ان قافلہ والوں میں ایک شخص کے پاس اونٹ موجود تھا۔ اس اونٹ والے نے اس متوفی کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس اونٹ والے سے کہہ رہا ہے کہ اپنا یہ اونٹ میرے اعلیٰ اونٹ کے بدلے میں بیچ ڈال، اس نے کہا اچھا! اور خواب ہی میں اس کاروانی نے اپنا اونٹ اس متوفی کے ہاتھ بدلہ میں بیچ دیا جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے اونٹ کو ذبح کر ڈالا دوسرے لوگ بھی جاگ گئے، دیکھا کہ اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے، سب لوگوں نے اس کو پکا کر کھایا۔ کھانا کھا کر جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستہ میں ایک شخص اس قافلہ سے ملا اور اس قافلہ کے ایک شخص نے اس شخص کا نام لے کر پکارا جس نے خواب میں اونٹ بیچا تھا، قافلہ والے نے اس شخص سے کہا کیا تم نے فلاں شخص سے اپنے اونٹ کے عوض ایک اچھا اونٹ خریدا ہے، اس شخص نے کہا ہاں خریدا تو ہے لیکن یہ خریداری خواب میں ہوئی ہے اور پھر اس نے اپنا خواب اس قافلہ والے کو سنایا، قافلہ والے نے کہا کہ تم نے خواب میں جو اونٹ خریدا ہے وہ یہی اونٹ ہے اس کو تم لے لو۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میرے اس اونٹ کو فلاں شخص کے حوالے کر دے۔

روایت شیخ ابو سعید خرکوشیؒ سے روایت ہے کہ مصر میں ایک شخص فقیروں پر خرچ کرنے کے لیے کچھ جمع کرتا رہتا تھا۔ ایک شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوا یہ شخص بالکل نادار تھا، یہ نادار شخص اس فقیر دوست شخص کے پاس آیا کہ اس سے کچھ مل جائے وہ اس باپ کے ساتھ ہو گیا اور ہر ایک سے سوال کیا لیکن کچھ بھی نہیں مل سکا پھر وہ مجھے ایک قبر پر لے گیا اور کہا کہ حق تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے تم فقیروں کے لیے تکلیف اٹھاتے تھے اور جو کچھ ان کو ضرورت ہوتی تھی وہ تم پوری کرتے تھے، آج کے دن اس شخص کے بچے کے لیے میں نے بہت کوشش کی کہ کہیں سے کچھ مل جائے لیکن کچھ نہیں ملا یہ کہہ کر وہ شخص اٹھا اور اس نے ایک دینار نکالا اور اس کے دو حصے کیے نصف دینار مجھے دیا اور کہا کہ میں تجھے یہ نصف دینار قرض دیتا ہوں تاکہ تیرا کچھ کام ہو جائے جس شخص نے

یہ نصف دینار دیا تھا اس کو محتسب کہتے تھے۔ شخص نادار کا کہنا ہے کہ میں نے وہ نصف دینار لے لیا اور بچہ کا کچھ کام نکالا۔ محتسب نے اس مرحوم کو جس کی قبر پر وہ گیا تھا خواب میں دیکھا اور محتسب سے اس مرد سخی نے کہا کہ تم نے میری قبر پر آکر جو کچھ کہا میں نے وہ سنا لیکن ہم مردوں کو جواب دینے کی اجازت نہیں ہے، اب تم میرے گھر جاؤ اور میرے بچوں سے کہو کہ گھر میں چولہے کے پاس کھودیں وہاں پانچسو دینار گڑے ہیں وہ نکال کر اس شخص کو دے دو جس شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے، محتسب بیدار ہو کر اس سخی کے گھر پہنچا اور خواب کی بات بتائی چولہے کے پاس کھودا گیا تو پانچسو دینار نکلے۔ محتسب نے کہا کہ میری خواب کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ روپیہ تمہاری ملک ہے تم ہی اس کو رکھو انہوں نے جواب دیا کہ وہ شخص جو مر چکا ہے وہ تو سخاوت کر رہا ہے تو کیا ہم زندہ بخل سے کام لیں (اور بخیلی کریں) تم اس روپے کو لے جاؤ اور اس شخص کو دے دو جس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے، محتسب وہ نقدی لے کر اس کے پاس گیا (جس کو نصف دینار قرض دیا تھا) اس نے ان پانچسو دیناروں میں سے صرف ایک دینار لے لیا اور اس کے دو حصے کیے اور نصف دینار قرض کے عوض مجھے دے کر کہنے لگا یہ تم لو اور یہ نصف دینار فقیروں میں تقسیم کر دو کہ مجھے اس سے زیادہ درکار نہیں جو کل تم نے مجھے دیا تھا! شیخ ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ان سب لوگوں میں سب سے بڑا سخی کون تھا! وہ کہتے ہیں جب میں مصر گیا تو میں نے اس مرحوم کا مکان تلاش کیا (جس کے چولہے کے نیچے سے پانچسو دینار نکلے تھے) اور اس کی اولاد کو دیکھا ان کے چہروں سے نیکی اور بھلائی جھلک رہی تھی اس وقت مجھے یہ آیت یاد آئی وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (اور ان کا باپ ایک مرد صالح تھا)

اے عزیز اگر سخاوت کی برکتیں موت کے بعد بھی ظاہر ہوں اور ان کو خواب کے طور پر بیان کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے آج تک ان کے مزار مبارک کے قرب میں یہ برکتیں جاری و ساری ہیں۔ ربیع بن سلمان کہتے ہیں کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں پہنچے تو دس ہزار دینار ان کے ساتھ تھے وہاں پہنچ کر مکہ کے باہر آپ نے پڑاؤ کیا اور وہ تمام دینار انہوں نے ایک چادر پر ڈال دیئے جو کوئی ان کے سلام کو آتا ایک مٹھی بھر کر دینار اس کو دیتے، ظہر کی نماز تک وہ تمام دینار تقسیم کر دیئے اور اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا ایک بار کسی شخص نے ان کے سوار ہوتے ہی ان کی رکاب کو پکڑ لیا آپ نے ربیع کو حکم دیا کہ چار سو دینار اس شخص کو دیدو اور زیادہ نہ دینے پر معذرت کرو۔

ایک دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں آپ نے فرمایا اس لیے رو رہا ہوں کہ سات دن سے کوئی مہمان میرے گھر نہیں آیا ہے۔

حکایت

ایک شخص کسی دوست کے پاس گیا اور کہا کہ مجھ پر سو درہم قرض ہے، اس دوست نے اس کا قرض ادا کر دیا وہ دوست رخصت ہو گیا تو یہ شخص رونے لگا اس کی بیوی نے کہا کہ روتے کیوں ہو یہ روپیہ

دے کر رونا تھا تو روپیہ دینا ہی کیا ضرور تھا، اس نے جواب دیا کہ روپیہ دینے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں اپنے دوست کے حال سے اس قدر غافل رہا کہ اس کو مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

بُخل کی مذمّت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب رہا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے ہرگز اُسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بُخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ بخل ہی سے ہلاک ہوئے اور بخل ہی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کو قتل کریں اور حرام کو حلال سمجھیں"۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا "تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں ایک وہ بخل جس کا تو فرمانبردار رہے اور اس کی تو مخالفت نہ کرے۔ دوسری خواہش باطل جس کی تو پیروی کرے تیسری چیز خود پسندی"۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک اونٹ کی قیمت حضورؐ سے مانگی (تاکہ اس سے اونٹ خریدیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی رقم ان کو دلوا دی جب وہ روپیہ لے کر وہاں سے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اظہارِ شکر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے شکریہ کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا فلاں شخص نے تو اس سے زیادہ رقم لی تھی لیکن اس نے شکر ادا نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص میرے پاس آئے اور مجھے تنگ اور پریشان کر کے مجھ سے کچھ لے تو وہ رقم آگ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور جب وہ آگ ہے تو آپ دیتے ہی کیوں ہیں حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ لوگ مجھے بہت تنگ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ میں بخل کروں اور

ان کو نہ دوں"!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے "کہ تم سمجھتے ہو کہ بخیل کی تقصیر معاف کر دی جائے گی اور ظالم کی تقصیر معاف نہ ہوگی حالانکہ ظلم حق تعالے کے نزدیک بخل سے بہتر ہے۔ حق تعالے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کسی بخیل کو بہشت میں نہیں جانے دوں گا۔

روایت: روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کعبہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر کہہ رہا تھا، یا الٰہی! اس گھر کی برکت سے میرے گناہ بخش دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تیرا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا میرا گناہ اتنا عظیم ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تیرا گناہ بڑا ہے یا زمین؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے! حضور نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے! آپ نے پھر دریافت کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش؟ اس نے کہا میرا گناہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا حق تعالے؟ اس نے کہا حق تعالے سب سے بڑا ہے، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کر تیرا ایسا کونسا گناہ ہے، اس نے کہا میں بڑا مالدار ہوں لیکن جب کوئی درویش دور سے مجھے نظر آتا ہے کہ میری طرف آرہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آگ آرہی ہے جو مجھے جلا دے گی (یعنی میں بخیل ہوں) تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا میرے قریب سے دُور ہو کہیں تیری آگ مجھے نہ جلا دے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے ہدایت کے لیے بھیجا ہے کہ اگر تو رکن ومقام (رکن یمانی اور مقام ابراہیم) کے درمیان ہزار برس بھی نماز پڑھے گا اور اس قدر روئے کہ تیرے آنسوؤں سے ندیاں بہہ جائیں اور ان سے درخت اُگ آئیں اور تو بخل ہی کی حالت میں مر جاتے تو تیرا مقام دوزخ ہوگا، بخل کفر کی علامت ہے اور کفر کا ٹھکانا جہنم ہے! افسوس کیا تو نے نہیں سُنا

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ط	اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے
اور فرمایا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) (پ ۲۶)	اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب رہا۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ ہر روز ہر شخص پر دو فرشتے موکل رہا کرتے ہیں اور وہ منادی کرتے ہیں کہ یا الٰہی جو ممسک (بخیل) ہو اس کا مال تلف فرما دے اور جو سخی ہو اس کے مال میں اضافہ فرما دے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں بخیل کو عادل نہیں کہوں گا اور اس کی گواہی نہ سنوں گا کیونکہ بخل نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ جو چیز اس کے حق سے زیادہ ہو اس کو حاصل کرلے (یہ عدل کے خلاف ہے)

نقل ہے کہ حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے پوچھا تیرا بڑا دشمن کون ہے اور

زیادہ دوست کون ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ زاہد بخیل میرا سب سے بڑا دوست ہے کیونکہ وہ محنت برداشت کرتا ہے اور بندگی بجا لاتا ہے لیکن اس کا بخل اس کی عبادت کو برباد اور ناچیز بنا دیتا ہے اور فاسق سخی میرا سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ وہ اچھا کھاتا ہے اور اچھا پہنتا ہے اور اچھی طرح زندگی بسر کرتا ہے مجھے یہ ڈر ہے کہ اللہ اس کی سخاوت کے باعث اس پر رحم فرمائے اور اس کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

سَخاوتُ اور ایثار

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ ایثار کا اجر و ثواب سخاوت سے بہت زیادہ ہے کیونکہ سخاوت تو یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کی خود کو ضرورت نہ ہو وہ دوسرے کو دیدے اور ایثار یہ ہے کہ اپنی ضرورت کی چیز دوسرے کی حاجت پوری کرنے میں صرف کر دے (خواہ اس چیز کا ضرورت مند ہے لیکن اپنی ضرورت پوری نہ کرے اور دوسرے کی ضرورت پوری کر دے) جس طرح سخاوت کا کمال یہ ہے کہ اپنی حاجت کے باوجود دوسرے کو دیدے (یعنی ایثار سخاوت کا کمال ہے) اسی طرح بخل کا کمال یہ ہے کہ حاجت کے باوجود ایک چیز رکھتے ہوتے اس کو اپنے صرف میں نہ لاتے یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہو جائے تو اپنا علاج نہ کرے (کہ پیسہ خرچ ہوگا) بخیل کے دل میں بہت سے ارمان اور آرزوئیں ہوتی ہیں وہ کسی سے بھیک مانگنا گوارا کر لیتا ہے لیکن اپنی پونجی اس چیز کے حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا نہیں چاہتا، مختصراً یہ کہ ایثار کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، حق تعالیٰ نے ایثار کی تعریف اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط

اور وہ اپنے نفس پر ایثار کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کسی کو ایک ایسی چیز حاصل ہو اور اس کو اس کی ضرورت ہو اور اس کا شوق رکھتا ہو تو اپنے شوق اور آرزو کو ترک کر کے دوسرے کو دیدے تو حق تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن (مسلسل) سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حالانکہ ہم کھا سکتے تھے لیکن ہم ایثار کیا کرتے تھے۔" ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اس وقت آپ کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا (کہ اس مہمان کو کھلایا جاتا) ایک انصاری اس شخص کو اپنے گھر لے گئے وہاں بھی کھانا تھوڑا سا موجود تھا انہوں نے چراغ بجھا کے کھانا مہمان کے

آگے رکھ دیا اور خود ہاتھ ہلاتے اور منہ چلاتے رہے تاکہ مہمان خود اچھی طرح کھالے اور خود کچھ نہیں کھایا (ہاتھ ہلاتے رہے اور منہ یوں چلاتے رہے کہ مہمان کو معلوم ہو کہ میزبان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے) دوسرے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اخلاص اور یہ سخاوت جو اس مہمان کے لیے اس انصاری سے ظہور میں آئی اللہ تعالٰی کو بہت پسند آئی ہے اور یہ آیت نازل ہوتی ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الآیۃ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ الٰہی! محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج مجھ کو بتا دے اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا تم ان تمام مدارج کو نہیں دیکھ سکو گے البتہ ان کے مدارج میں سے ایک درجہ تم کو دکھلاتا ہوں جب اللہ تعالٰی نے وہ درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تو وہ اس کے نور اور اس کی عظمت کی تاب نہ لاکر بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالٰہا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درجہ کس عمل کے عوض میں دیا جائے گا حق تعالٰی نے ارشاد فرمایا، ایثار کے بدلے میں! اے موسیٰ علیہ السلام جو بندہ ساری عمر میں ایک بار ایثار کرے تو مجھے اس کا مواخذہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور اس کی جگہ بہشت میں ہو گی، جہاں اس کا دل چاہے گا وہ رہے گا۔"

حکایت:- حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہما ایک بار اثنائے سفر میں ایک نخلستان (کھجور کے باغ) میں پہنچے، ایک حبشی غلام اس باغ کا نگہبان تھا، تین روٹیاں اس کے کھانے کے لیے اسکو دی گئیں اتفاقاً ایک کتا وہاں آ پہنچا غلام نے اس کے آگے ایک روٹی ڈال دی وہ اس نے کھالی پھر اس نے دوسری روٹی ڈال دی وہ بھی اس نے کھالی اور پھر انتظار کرنے لگا غلام نے تیسری روٹی بھی اس کو کھلادی۔ جناب عبداللہؓ نے اس سے کہا کہ ہر روز تجھے کھانے کو کتنا ملتا ہے غلام نے کہا یہی تین روٹیاں جو آپ نے دیکھیں، انہوں نے کہا کہ پھر تو نے اپنی تمام خوراک اس کتے کو کھلا دی؟ غلام نے کہا کہ یہاں تو کتا ہوتا نہیں ہے اب جو یہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ کہیں دور سے آیا ہے بس میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ یہاں سے بھوکا جائے، جناب عبداللہ نے کہا کہ اب آج تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا کچھ نہیں آج میں صبر کروں گا، یہ سنکر آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کہ لوگ تو سخاوت کے وصف سے مجھے ملامت کرتے ہیں (یعنی میری سخاوت کی تعریف کرتے ہیں) یہ غلام تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر آپ نے اس غلام کو خرید کر اُسے آزاد کر دیا اور وہ نخلستان بھی اس کو خرید کر دیدیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بحکم خداوندی) کفار کی ایذارسانی سے بچنے کے لیے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس رات) آپ کی جگہ سو گئے تاکہ اگر کفار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کریں (آمادۂ قتل ہوں) تو ان کی جان عزیز حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر قربان ہو جائے۔ حق تعالٰی نے جبریل علیہ السلام

اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بناتا ہوں اور ایک کی عمر دوسرے سے درازتر کر رہا ہوں تم میں کون ایسا ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دیدے اس وقت ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی درازیٔ عمر کی خواہش کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو دشمنوں سے محفوظ رکھو تب یہ دونوں مقرب فرشتے زمین پر آئے اور حضرت جبریل علیہ السلام حفاظت کے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل علیہ السلام ان کے پائیں پر کھڑے ہوئے اور کہتے تھے واہ واہ! اے ابوطالب کے فرزند! حق تعالیٰ ملائکہ میں آپ کا ذکر بطورِ فخر کرتا ہے، اس آیت کی شانِ نزول یہی ہے[ل]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (الآیۃ) اور لوگوں میں سے وُہ جو اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں۔

حکایت! شیخ حسن انطاکی مشائخ کرام میں سے گذرے ہیں ایک بار ان کے مریدوں میں سے انتالیس افراد جمع ہوئے۔ اس قدر کھانا موجود نہیں تھا جو سب کے لیے کافی ہوتا، چند روٹیاں موجود تھیں ان کے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر رکھ دیتے گئے اور چراغ بجھا دیا گیا، تمام لوگ دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھے کچھ دیر کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے اور چراغ دوبارہ جلایا گیا تو روٹیوں کے وہ ٹکڑے اسی طرح دسترخوان پر موجود تھے ہر شخص نے ایثار کی نیّت سے خود کچھ بھی نہیں کھایا تاکہ دوسرا ساتھی کھائے!

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک میں بہت سے مسلمان شہید ہوگئے (میرا برادرِ عم بھی اس جنگ میں شریک تھا) میں اپنے بھائی کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا وہ دم توڑ رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ پانی پیو گے اس نے کہا کہ پیوں گا۔ پھر ایک دوسرے زخمی مسلمان کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے اس کو پانی پلاؤ میں جب اس زخمی کے پاس پہنچا تو وہ ہشام ابن عاصؓ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ پانی پی لو، ہشام نے میرے چچازاد بھائی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پہلے اس کو پلاؤ جب میں واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ جان جان آفریں کے سپرد کرچکا تھا میں وہاں سے پلٹ کر ہشام کے پاس آیا (کہ اس کو ہی پانی پلادوں) لیکن اتنی دیر میں وہ بھی مرچکا تھا دونوں نے ایثار سے کام لیا)

بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بالکل آزاد اور بے تعلق سوائے شیخ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی اور رخصت نہیں ہوا، جب بشر حافی پر نزع کا عالم طاری تھا اس وقت ان کے پاس ایک سائل آیا اور ان سے سوال کیا۔ ان کے پاس اسوقت اس پیراہن کے سوا کچھ نہیں تھا انھوں نے وہی اپنے جسم سے اتروا کر اس سائل کو دے دیا اور خود کسی شخص سے عاریتاً لباس لے کر پہنا اور واصل بحق ہوگئے۔

ل کیمیائے سعادت مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۳ء صفحہ ۳۳۵ سطر ۹ اور ۱۰)

سخاوت اور بخل

کون بخیل ہے اور کون سخی ہے؟

اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک شخص خود کو سخی خیال کرتا ہو لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ دوسرے لوگ اس کو بخیل خیال کرتے ہوں اسلئے اس بخل کی حقیقت کو سمجھنا اور پہچاننا ضروری ہے تاکہ لوگ اس بڑے اور عظیم مرض کو سمجھ سکیں۔

جاننا چاہیے کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جو کچھ اس سے طلب کیا جاتے وہ دیدے پس اگر اس سبب سے اس کو بخیل خیال کیا جاتا ہے تو پھر تو دنیا کے تمام لوگ بخیل ہوتے۔ اس سلسلہ میں علمائے کرام نے بہت کچھ کہا ہے، اکثر حضرات کا یہ خیال ہے اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص اس چیز کو جو شرعاً واجب ہوتی ہے نہ دے تو وہ بخیل ہے۔ اور اگر دے لیکن بغیر تقاضے کے نہ دے تو وہ بھی بخیل ہے۔ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ہمارا مذہب (نظریہ اور مسلک) یہ ہے کہ جو شخص نان پز کو روٹی اور قصاب کو گوشت محض اس لیے پھیر دے کہ وہ وزن میں کم ہے وہ بخیل ہے اور جو کوئی زن و فرزند کا نفقہ جو قاضی نے مقرر کیا ہے صرف اتنی ہی مقدار میں دے اور اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی روا نہ رکھے وہ بخیل ہے اسی طرح ایک شخص کے سامنے ایک روٹی رکھی ہے اور دور سے ایک فقیر نمودار ہوا اور اس نے اس روٹی کو (محض فقیر کی وجہ سے) چھپادیا وہ بھی بخیل ہے کیونکہ شرعاً اتنا دینا ہی (سائل کو) ثابت ہے جسے بخیل بھی دے سکے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْهَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ (سورۃ محمدؐ پارہ ۲۶)

اگر تمہارے مال تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے، تم بخل کروگے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کردے گا۔

پس حقیقت میں بخیل وہ ہے کہ جو شے دینے کے لائق ہو اس کو نہ دے (بر وقت طلب) حق تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت کی خاطر پیدا کیا ہے۔ جب حکمتِ الٰہی کا منشا ہے کہ دیا جائے تو نہ دینا بخل کی نشانی ہے۔ اور دینے کے لائق وہ چیز ہے جس کو دینے کا شرع یا مروت حکم دے، شرعی واجبات تو معلوم (اور معین) ہیں لیکن مروت کے واجبات اور مروت کے تقاضے لوگوں کے احوال اور مقدار اور بخل کے لحاظ سے مختلف ہیں کہ بہت سی نیکیاں ایسی ہیں کہ وہ عادتاً تونگر کے ساتھ بری ہیں، لیکن وہی نیکیاں اگر نادار اور درویش کے ساتھ کی جائیں تو پسندیدہ ہیں، زن و فرزند کے ساتھ نامناسب ہیں اور دوسروں کے ساتھ پسندیدہ ہیں، دوستوں کے ساتھ ناروا ہیں اور بیگانوں اور غیروں کے ساتھ نامناسب ہیں، بعض نیکیاں مردوں کے ساتھ نادرست اور ناروا ہیں، لیکن وہی عورتوں کے ساتھ مناسب ہیں اور تشریح

اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص مال جمع کرنا چاہے اور ایک ایسی ضرورت پیش آجائے کہ وہ مال جمع کرنے سے زیادہ اہم ہو تو اس صورت میں مال خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جب مال جمع کرنا یا اس کا روکنا ضروری ہو تو اس وقت اس کا صرف کرنا اسراف (فضول خرچی) ہے اور یہ دونوں صورتیں بُری ہیں (یعنی بخل اور اسراف) یا کوئی مہمان آگیا اور اس کے ساتھ مروت سے پیش آنا مال کو صرف نہ کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ عذر کرنا کہ زکوٰۃ کا مال ادا کر دیا ہے، مہمان کی میزبانی نہ کرنا، نامناسب اور بخل کی علامت قرار پائے گا۔ اسی طرح جب پڑوسی بھوکا ہے اور اس شخص کے پاس کھانا وافر مقدار میں موجود ہے تو پڑوسی کو کھانا نہ کھلانا بخل ہے۔

ثواب آخرت کی طلب: جب کوئی شخص شرعی واجبات ادا کر چکے اور واجباتِ مروّت کی ادائیگی سے بھی فارغ ہو جائے اور اب بھی اس کے پاس مال کافی موجود ہے تو اس وقت خیرات اور صدقات کر کے ثواب آخرت کا حاصل کرنا ضروری ہے، اگرچہ آفات کے لحاظ سے مال کا پاس رکھنا بھی ضروری ہے۔ لیکن حصولِ ثواب اور طلب ثواب کے مقابلہ میں مال کو خرچ نہ کرنا بزرگانِ دین کے نزدیک بخل کی علامت ہے اگرچہ عوام کے نزدیک یہ بخل نہیں۔ کیونکہ عوام الناس کی نظر اکثر دنیاوی معاملات پر رہتی ہے اور یہ بات ہر ایک نقطۂ نظر سے مختلف ہوگی۔

پس اگر کسی شخص نے واجباتِ شرعیہ اور واجباتِ مروّت کو پورا کرنا ہی کافی سمجھا تو وہ بخل سے تو بچ گیا لیکن سخاوت کا درجہ حاصل نہیں ہوا یہ درجہ اس وقت ملے گا کہ واجباتِ مروّت زیادہ خرچ کرے، اور اس میں وہ جتنا زیادہ خرچ کرے گا اسی قدر اس کا مرتبہ سخاوت میں بڑھے گا اور اجر پائے گا۔ خواہ مقدار کے اعتبار سے وہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس کو سخی کہیں گے۔ بالفاظِ دیگر سخی اس کو کہیں گے جس کو دوسرے پر صرف کرنا اور دینا دشوار نہ ہو اور اگر وہ تکلف اور بناوٹ کے ساتھ خرچ کر رہا ہے تو وہ سخی نہیں ہے اگر وہ خرچ کر کے تعریف شکر اور عوض کی امید رکھے گا تب بھی اس کو سخی نہیں کہا جائے گا۔

سخی اور کریم حقیقت میں وہ شخص ہے کہ بغیر کسی مطلب اور غرض کے دوسرے کو مال دے اور یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ صفت خداوند تعالیٰ کی ہے۔ البتہ جب انسان ثوابِ آخرت اور نیک نامی پر اکتفا کرے (یعنی عوض اور بدلہ نہ چاہے) تو مجازاً اس کو سخی کہا جا سکتا ہے کیونکہ بالفعل وہ اپنے مال کے خرچ کرنے کا کچھ عوض نہیں چاہتا ہے۔ دنیاوی سخاوت اسی کو کہتے ہیں، دینی سخاوت یہ ہے کہ خدا کی محبت میں اپنی جان نثار کرے اور ثوابِ آخرت کا اس کے عوض طالب اور امیدوار نہ ہو بلکہ صرف حق تعالیٰ کی محبت اس جانسپاری کا باعث ہو اور خود کو فدا کرنا اپنا فرض عین سمجھے اور اسکو ایک بڑی نعمت اور لذت سمجھے کیونکہ جب کسی بات کی امید رکھی جائے گی تو وہ معاوضہ ہو گا سخاوت نہیں ہو گی۔

بخل کا علاج

معلوم ہونا چاہیئے کہ بخل کا علاج بھی علم وعمل سے مرکب ہے۔ عملی علاج یہ ہے کہ پہلے بخل کا سبب پہچانا جائے۔ (سبب معلوم کیا جائے) کیونکہ جب تک مرض کا سبب معلوم نہ ہو اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں بخل کا سبب نفسانی خواہش کی محبت ہے کہ اس کے بغیر انسان مال کے حصول میں تگ و دو نہیں کر سکتا اور اسی کے ساتھ مدتوں تک جینے اور زندہ رہنے کی آرزو اور امید بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر بخیل یہ سمجھ لے کہ اس کی عمر ایک دن یا ایک سال سے زیادہ باقی نہیں ہے تو اس صورت میں مال کا خرچ کرنا اس پر آسان ہو جائے گا۔ البتہ اگر صاحب اولاد ہے تو پھر اولاد کی زندگی ہی کو وہ اپنی زندگی کے مانند سمجھے گا اور پھر اس کے بخل میں اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "فرزند بخل، بزدلی اور جہل کا سبب ہوتا ہے۔"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت سے ایک بڑی خواہش پیدا ہو یا مال کی محبت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ خواہش نفس نہ رہے بلکہ مال اس کا محبوب بن جائے۔ ہم نے بہت سے ایسے بوڑھے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کی جتنی عمر بڑھتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ مال فراہم کرتے ہیں حالانکہ ان کو زمین سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، زمینداری کی آمدنی ہے اس مال کے علاوہ جو انہوں نے جمع کیا ہے اتنی ہے کہ وہ ان کے اہل وعیال کو قیامت تک کے لیے کافی ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ بیمار پڑتے ہیں تو دوا دارو تک نہیں کرتے، نہ مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں، زر و مال کو زمین میں دفن کر کے رکھتے ہیں، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخر کار مر جائیں گے اور اس مال کو دشمن اپنے قبضے میں رکھ لیں گے لیکن ان کا بخل ان کو خرچ کرنے سے روکتا ہے، یہ ایک ایسا بڑا مرض ہے کہ اس کا علاج ہو ہی نہیں سکتا

بخل کا علاج جب تم کو بخل کا یہ سبب معلوم ہو گیا تو اس خواہش نفس کی محبت کا علاج، قناعت اور ترک آرزو کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے تاکہ آدمی مال سے بے پرواہ ہو جائے۔ اب رہی زندگی ورازی کی امید! تو اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی ہر وقت موت کو یاد کرے اور اپنے ہم جنسوں پر نظر کرے کہ وہ بھی اسی کی طرح غافل تھے اور اچانک ان کو موت نے آدبایا اور حسرت اپنے ساتھ لے گئے اور اس کے مال کو اس کے دشمنوں نے بڑے مزے اور خوشی کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لیا۔

اولاد کے غربت میں گرفتار ہو جانے کے خطرے کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ یقین رکھے کہ جس خالق نے ان کو پیدا کیا ہے اس نے ان کا رزق بھی مقرر کر دیا ہے۔ اب اگر ان کے نصیب میں مفلسی ہے تو بخل کر کے ان کو تو انگر نہیں بنایا جا سکتا بلکہ وہ اس دولت کو برباد کر ڈالیں گے (کہ وہ ان کے نصیب میں تو ہے نہیں) اور اگر مالدار ہونا ان کی

قسمت میں ہے تو کہیں نہ کہیں سے مال ان کو مل جائے گا اور وہ تو انگر بن جائیں گے، اور تم نے یہ بات مشاہدہ کی ہوگی کہ بہت سے ایسے مالدار لوگ موجود ہیں جو باپ سے میراث میں کچھ بھی نہیں پا سکے تھے اور بہت سے ایسے لوگوں کو تم نے دیکھا ہوگا کہ باپ سے ترکہ اور میراث میں بہت کچھ پایا لیکن سب کا سب مال برباد کر دیا اور محتاج کے محتاج ہی رہے) یہاں ایک بات یہ بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ اولاد اگر خداوند تعالیٰ کی فرمانبردار ہے تو وہ کارساز خود ان کی کارسازی کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ درویشی اور محتاجگی ہی میں اس کی بھلائی پوشیدہ ہو اور اسی میں اس کی دین و دنیا کی مصلحت ہو کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ خدا کی نافرمانی اور معصیت میں اس کو اڑا دیتا۔

ایک اور عملی علاج

آدمی کو چاہیئے کہ بخل کے عملی علاج کے لیے ان حدیثوں کو پڑھے اور ان پر غور کرے جو بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں وارد ہوئی ہیں تاکہ اس کو معلوم ہو کہ بخیل خواہ کتنا بڑا عابد ہی کیوں نہ ہو وہ دوزخ میں جائے گا۔

مال کا فائدہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ مال اس کو آتش دوزخ اور غضب الٰہی سے بچاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بخیلوں کے حالات پر نظر کرے کہ کس طرح لوگوں کے دل ان سے بیزار ہیں اور لوگ کس طرح ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کی مذمت کرتے رہتے ہیں اور ان کے اس احوال پر نظر کر کے خیال کرے کہ "میں اگر بخل اختیار کروں گا تو ان لوگوں کی طرح میں بھی مخلوق کی نظر میں ذلیل و خوار بنوں گا" یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ بخل کا عملی علاج ہے جب ان تمام باتوں پر غور کرنے سے۔ بیماری رفع ہو جائے اور مال خرچ کرنے کا شوق پیدا ہو تو پھر فوراً اس پر عمل شروع کر دینا چاہیئے اور دل میں جیسے ہی یہ خیال آئے مال کو خرچ کرنے لگے۔

حکایت

شیخ ابوالحسن سنجہ غسلخانے میں تھے، انہوں نے وہیں سے اپنے مرید کو پکارا اور کہا کہ میرا پیراہن لو اور جاؤ فلاں درویش کو دے دو! مرید نے کہا کہ غسلخانے سے باہر آنے تک ٹھہر جاتے (اس کے بعد فرماتے میں حکم کی تعمیل کرتا) انہوں نے کہا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ باہر آنے تک کہیں دوسرا خیال دل میں پیدا نہ ہو جائے اور اس کار خیر سے مجھے روک دے۔ حقیقت یہ ہے کہ بخل اسی وقت دور ہو سکتا ہے جبکہ مال خرچ کیا جائے جسطرح ایک عاشق عشق کے پنجے سے اسی وقت چھوٹ سکتا ہے جبکہ وہ اس سے دوری اختیار کرے بس مال کی محبت اور عشق کا بھی یہی علاج ہے کہ اس کو اپنے سے جدا کر دے اگر مال کی محبت سے آزاد ہونے کے لیے مال کو دریا ہی میں ڈالنا پڑے تو اس کا دریا میں تمام کا تمام ڈال دینا ہی اولی اور افضل ہے بمقابلہ اس کے کہ بخل سے اس کو روک کر رکھے۔

اس سلسلہ میں ایک حکمت عملی بھی ہے (ایک ترکیب سے کام لیا جا سکتا ہے) وہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو

نیکنامی کا خواہاں اور فریفتہ بنائے اور کہے کہ مال خرچ کرنا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور تیری تعریف کریں اس تحریص اور ترغیب سے مال خرچ کرنے لگے گا اس طرح ریا کا شوق مال کے شوق پر غالب آجائے گا۔ جب بخل کی بلا سے رہائی مل جائے اس وقت اس ریا کا بھی فرار واقعی علاج کرے! اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح بچہ کا دودھ چھڑانا منظور ہوتا ہے تو اولاً اس کو کھانے کی کچھ چیز دے کر اسی کی تسلی کرتے ہیں تاکہ وہ کھانے کے مشغلہ میں لگ کر دودھ کو بھول جائے، برے اخلاق کو دور کرنے میں یہ خاص ترکیب ہے کہ ایک صفت کو دوسری صفت پر غالب کر دے تاکہ وہ اس غلبہ کی بدولت اس پہلی بری صفت سے چھٹکارا حاصل کرے الخ یہ ایسا ہی ہے کہ جب خون کپڑے سے دریا پانی سے صاف نہ ہو تو اس کو پیشاب سے دھو ڈالیں تاکہ پیشاب کی شوریت اور نمکینی اس کو کپڑے سے زائل کر دے بعد میں پیشاب کو پانی سے دھو کر کپڑے کو پاک کر لیں۔ پس جو کوئی بخل کو ریا کے شوق اور ریا کے طریقے سے زائل کرے گا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک نجاست کو دوسری نجاست سے زائل کیا بشرطیکہ ریا پر قائم نہ رہے اس کا بھی بعد کو ازالہ کرے تب ہی اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے اگر بخل اور ریا دونوں تقاضائے بشریت ہیں لیکن اس بشریت کے کوچے میں بہار اور باغ دونوں ہیں، بخل گلخن (بہاڑ) ہے اور سخاوت گلشن ہے۔ ریا اور نیکنامی کے حاصل کرنے کے لیے سخاوت کرنا حرام نہیں ہے۔

ریا عبادت میں حرام ہے:

کیونکہ ریا عبادت میں حرام ہے اور ایسا دینا اور مال کو جمع رکھنا جو محض اللہ کے لیے ہو یعنی مال کو محض اللہ کے لیے خرچ کرنا یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس رکھنا دائرۂ بشریت سے خارج ہے اور یہ دونوں باتیں پسندیدہ اور محمود ہیں پس اگر کوئی بخیل کسی شخص پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ فلاں شخص ریا کے واسطے اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے، اس کو زیبا نہیں ہے (اس کا یہ اعتراض لچر اور پوچ ہے) کیونکہ ریا کے طور پر دینا بہر حال کنجوسی سے مال کو جمع کرنا اور بخل سے خرچ نہ کرنے سے کہیں اولیٰ اور افضل ہے، جس طرح گلشن میں رہنا، گلخن (بہاڑ) میں رہنے سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

پس بخل کا یہی علاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا یعنی جب طبیعت میں سخاوت کا ذوق پیدا ہو تو اس وقت خرچ کرنا خواہ وہ لچر ہی کیوں نہ ہو۔

بعض مشائخ کا طریقۂ علاج

بعض مشائخ نے اپنے مریدوں کے بخل کا علاج اس طرح پر کیا ہے کہ وہ کسی مرید کو عبادت و ریاضت کے لیے ایک مخصوص گوشہ دے دیتے اور جب دیکھتے کہ وہ اس گوشہ سے مانوس ہو گیا اور دل لگ گیا ہے تو اس کو دوسرے گوشہ میں بھیج دیتے اور اس کا گوشہ کسی اور مرید کو دے دیتے! اگر وہ دیکھتے کہ ایک مرید نے نئی جوتیاں پہنی ہیں اور ان کو پہن کر غرور کرتا ہے تو حکم دیتے کہ یہ جوتیاں کسی دوسرے کے حوالے کر دو۔

ایک دفعہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نعلین مبارک میں نئے تسمے ڈالتے تھے، نماز میں آپ کی نظر ان نئے تسموں پر پڑ گئی تو نماز سے فراغت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ پُرانے تسمے لاؤ اور نئے تسمے نکال کر یہ پُرانے تسمے ہی ان میں ڈال دو" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاکیزہ عمل سے یہ معلوم ہوا کہ دل سے مال کی محبت منقطع کرنے کا طریقہ اور تدبیر یہی ہے کہ اس مال کو جس سے دِلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اپنے پاس سے جدا کر دے کیونکہ جب تک ہاتھ خالی نہ ہو گا دل فارغ اور مطمئن نہیں ہو گا۔

نقل ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس کسی امیر نے فیروزے کا ایک پیالہ جس میں جواہر جڑے تھے بطور ہدیہ کے بھیجا۔ اس کاسہ کی نظیر دنیا میں ممکن نہ تھی (اس جیسا دوسرا کاسہ دنیا میں نہ تھا) ایک دانشمند شاہی مجلس میں موجود تھا، بادشاہ نے وہ کاسہ اس کو دکھا کر پوچھا کہ یہ پیالہ کیسا ہے؟ دانشمند نے کہا یہ پیالہ آپ کے لیے یا تو غم کا سبب ہو گا یا مفلسی کا یعنی اس پیالہ کے آنے سے پہلے آپ ان دونوں باتوں سے بے فکر تھے اگر یہ ٹوٹ جائے تو بڑی مصیبت ہو گی، اور آپ سخت فکرمند ہوں گے کیونکہ اس کا ثانی اور مثل موجود نہیں ہے اور دوسرا ہاتھ آنا محال ہے اور اگر یہ چوری چلا جائے تو جب تک دوسرا نہ ملے آپ (اس پیالہ کے اعتبار سے) مفلس اور قلاش ہوں گے، اتفاقاً وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور بادشاہ اس کے ٹوٹ جانے سے بہت غمگین ہوا اس وقت اس نے کہا کہ فلاں دانشمند نے ٹھیک کہا تھا۔

مال کے زہر کا تریاق

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ مال سانپ کی طرح ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی! اور جو شخص سانپ کے کاٹے کا منتر نہ جانتا ہو، اس کا سانپ پر ہاتھ ڈالنا (سانپ پکڑنا) اس کی ہلاکت کا سبب ہو گا، کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں بہت سے حضرات تو انگر بھی تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ، پس تو انگری عیب نہیں ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے کہ کسی لڑکے نے ایک افسوں گر کو دیکھا کہ وہ سانپ کو پکڑ رہا ہے اس نے خیال کیا کہ نرم اور ملائم ہونے کے سبب سے افسوں گر نے اس کو پکڑ لیا ہے (یہ نہیں سمجھا کہ افسوں اور منتر کے زور سے پکڑا ہے) چنانچہ اس کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ایک سانپ کو پکڑ لیا سانپ نے اس کو ڈس لیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

مال کے منتر (افسوں) پانچ ہیں، ایک یہ کہ خیال کرے اور اس بات پر غور کرے کہ مال کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اور اس بارے میں ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مال سے غرض خوراک، لباس اور مکان کا حاصل کرنا ہے جو جسم

کی پرورش اور حفاظت کے لیے ضروری ہے بدن کی حفاظت حواس کی بقا کے لیے ہے اور حواس عقل کی خاطر ہیں اور عقل دل کے لیے ہے تاکہ دل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ جب آدمی اس بات کو سمجھ لے گا تو پھر وہ مال سے بقدر ضرورت تک محبت والفت رکھے گا اور نیک کاموں میں اس کو صرف کرے گا۔ دوسرا منتر یہ ہے کہ مال کی آمد پر کڑی نظر رکھے تاکہ اس کی آمد حرام اور شبہ سے نہ ہو (مال حرام اور مشتبہ ذرائع سے حاصل نہ ہو) اور نہ ایسا مال قبول کرے جو مروّت کے برخلاف ہو۔ جیسے رشوت، گدائی اور حمامی کی اجرت وغیرہ! تیسرا منتر یہ ہے کہ مال کی مقدار پر نظر رکھے اور جتنا حاجت سے زیادہ ہو اس کو جمع نہ کرے، حاجت سے اس زیادہ مال کو جو توشہ زادِ آخرت کے بچ رہے وہ مساکین کا حق ہے[1] جب کوئی محتاج سامنے آئے جب کوئی محتاج نظر آئے تو اس کو جو اپنی حاجت سے زیادہ ہے دیدے اگر ایثار کی قدرت نہیں رکھتا تو حاجت کی جگہ پر اس کو صرف کرے۔ چوتھا یہ کہ خرچ پر نظر رکھے اور فضول خرچی نہ کرے اور اچھے کاموں میں اُس مال کو صرف کرے کیونکہ بیجا صرف کرنا ایسا ہے جیسے بُرے طریقے سے کمانا، پانچواں یہ کہ آمد و خرچ اور جمع کرنے میں اپنی نیت درست رکھے اور یہی سمجھے کہ جو کچھ کماتا ہے وہ عبادت میں دلجمعی کے واسطے کماتا ہے اور وہ جو چھوڑ دیا ہے زہد اور مال کو حقیر سمجھنے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے اور اس لیے کہ دل دنیا کے خیال سے محفوظ رہے اور خدا کی یاد میں مشغول ہو سکے اور وہ جو کچھ جمع کر رکھا ہے وہ دین کی کسی اہم ضرورت اور خاطر جمعی کے واسطے رکھا ہے اور اس مال کو خرچ کرنے کی حاجت اور ضرورت کا ہر وقت منتظر رہے اگر ایسا کرے گا تو وہ مال اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور یہ حصّہ جو مال سے اس کو ملا ہے وہ اس کے حق میں زہر نہیں بلکہ تریاق ہی تریاق ہے چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص سارے جہان کا مال محض خدا کے لیے حاصل کرے تب بھی وہ زاہد ہے اگرچہ وہ تونگر ہوگا اور اس کے برعکس اگر کوئی شخص دنیا سے دست بردار ہو جائے لیکن اس میں للّٰہیت مفقود ہو (اس کا یہ زہد اللہ کے واسطے نہ ہو) تو وہ زاہد نہیں ہوگا،

پس چاہیئے کہ آدمی کا دلی مقصد خدا کی عبادت اور زادِ آخرت ہو اس وقت اس کی ہر حرکت اور ہر فعل خواہ وہ قضائے حاجت یا کھانا کھانا ہی کیوں نہ ہو وہ داخلِ عبادت ہے اور اس کو ہر ایک کام کا اجر ملے گا کیونکہ دین کے راستے کے لیے ان سب چیزوں کی ضرورت ہے، شرط صرف حسنِ نیت ہے، چونکہ اکثر لوگ یہ کام نہیں کر سکتے اور ان منتروں سے بھی واقف نہیں ہیں یا اگر جانتے ہیں تو ان پر عمل نہیں کر سکتے تو پھر اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ مال کثیر سے دور رہیں کہ اگر مال کی یہ کثرت غرور اور تکبر کا سبب نہ بھی بنے تب بھی آخرت میں اس کے درجہ میں کمی کا

---

[1] مال کثیر سے راہِ الٰہی اور امور خیر اور سخاوت وغیرہ کے بعد بھی بچ رہے وہ مساکین کا حق ہے، مصنف علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں "وہر چہ زیادت از حاجت است کہ نہ برائے زادِ راہِ دین باشد حاجت است حق اہل حاجت شناسد" (کیمیائے سعادت نسخہ نولکشوری ص۳۳ سطر ۲۴، ۲۵، مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

باعث ہوگا (آخرت میں اس کا درجہ کم ہو جائے گا) اس میں انسان کا بڑا نقصان ہے۔

روایت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو بہت مال انہوں نے چھوڑا۔ بعض اصحاب (رضی اللہ عنہم) نے اس موقع پر کہا کہ اس قدر کثیر مال چھوڑ جانے کے باعث ہم کو اُن کے خاتمہ بالخیر ہونے کا ڈر ہے (اندیشہ ہے کہ ان سے بازپُرس ہو) یہ سن کر کعب احبار رضی اللہ عنہ نے کہا۔ سبحان اللہ! تم لوگ ایسا کیوں خیال کرتے ہو جبکہ انہوں نے جتنا مال کمایا وہ وجہ حلال سے کمایا اور نیک کاموں میں صرف کیا۔ اور اب جو کچھ انہوں نے چھوڑا ہے وہ بھی حلال کی کمائی ہے، ان کے حسنِ خاتمہ میں کیا شک ہو سکتا ہے، جب یہ گفتگو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پہنچی (کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں اور کعب احبار رضی اللہ عنہ اس طرح کہتے ہیں) تو وہ اونٹ کی ایک ہڈی ہاتھ میں لے کر کعب احبار رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے ان کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے، کعب احبار ان کے غصہ سے بچنے کے لیے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں جا کر ان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے اور ان سے کہا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے؟ کہ جو مال عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے چھوڑا ہے اس سے کچھ نقصان نہیں! حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز کوہِ احد کی جانب تشریف لیے جا رہے تھے اور میں آپ کی خدمت میں موجود تھا تو آپ نے ارشاد کیا اے ابوذر رضی اللہ عنہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (میں حاضر ہوں) آپ نے فرمایا مالدار لوگ قیامت کے دن سب سے آخر میں جنت میں جائیں گے، سوائے اس شخص کے جو مال کو دائیں بائیں آگے اور پیچھے پھینکے ہر وقت اور ہر موقع پر نیک کاموں میں خرچ کرے اور تمام مال صرف کر دے، اے ابوذر رضی اللہ عنہ سُن لو! اگر مجھے کوہِ احد کے برابر سونا ملے تو سب کو خداوند کریم کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور یہ نہیں چاہوں گا کہ اپنے بعد دو قیراط سونا بھی باقی چھوڑ جاؤں"۔ تو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو تم نے ایسا کہنے کی کس طرح جرأت کی! تم جھوٹے ہو، کعب احبار رضی اللہ عنہ نے ان کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔

نقل ہے کہ ایک بار یمن سے حضرت عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کے اونٹوں کا کارواں آیا تمام مدینہ میں ایک شور برپا ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا یہ شور کیسا ہے آپ کو بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا کارواں آیا ہے یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر بہت متفکر ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ مجھے بہشت دکھائی گئی، آپ نے اپنے اصحاب میں سے ان لوگوں کو جو درویش (غریب و نادار) تھے دیکھا کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس کی طرف دوڑ رہے تھے، ان میں سے کسی تونگر (صحابی) کو میں نے سوائے عبدالرحمن کے نہیں دیکھا مگر وہ بھی گرتے پڑتے (اُفتاں وخیزاں) بہشت کے

دروازے تک پہنچ سکے"۔ یہ سن کر حضرت عبدالرحمنؓ نے ان تمام اونٹوں کو مع سامان کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ کے پاس جتنے بھی غلام تھے ان سب کو آزاد کر دیا تا کہ وُہ بھی درویشوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میری امت کے تونگروں میں تم پہلے بہشت میں جاؤ گے لیکن جد وجہد کے بعد اس میں داخل ہو سکو گے! صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے ایک صحابی کا ارشاد ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں ہر روز ہزار دینار حلال روزی سے کماؤں اور خدا کی راہ میں صرف کر دوں، ہر چند کہ اس کے باعث میری نماز میں خلل بھی واقع نہ ہو، لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس مال کے باعث موقف سوال میں مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ اے بندے! تو نے مال کہاں سے کمایا اور کس کام میں صرف کیا! مجھ میں اس سوال وجواب کی طاقت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے مال حرام کمایا اور حرام کاموں میں اس کو صرف کیا۔ اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر ایسے دوسرے شخص کو لائیں گے جس نے مال کسب حلال سے کمایا لیکن حرام میں خرچ کیا اس کو بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر تیسرے ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے مالِ حرام جمع کیا اور اس کو وجہ حلال میں صرف کیا اس کو بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر ایسا چوتھا شخص لایا جائے گا جس نے مال کسبِ حلال سے کمایا اور نیک کام میں صرف کیا اس وقت حکم ہو گا کہ اس شخص کو روکو! کہ اس نے ممکن ہے کہ مال کی تلاش و طلب طہارت میں تقصیر کی ہو، یا رکوع و سجود میں کوتاہی کی ہو یا شرائط کے مطابق وقت پر نماز ادا نہ کی ہو! تب وُہ شخص کہے گا! بارِ الٰہا میں نے یہ مال حلال طریقے پر کمایا اور نیک کام میں اس کو صرف کیا ہے میں نے (اس کی وجہ سے) کسی فرض کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کی ہے نہ میں نے اس مال پر فخر کیا ہے، تب اس سے کہا جائے گا کہ تیرے پاس سواری کا گھوڑا تھا اور زرق برق پوشاک پھر تو نے غرور اور نخوت سے کام لیا ہو گا؟ وہ جواب دے گا یا الٰہی میں نے اس مال پر کبھی فخر نہیں کیا! اس سے کہا جائے گا کہ شاید تو نے کبھی یتیم یا مسکین یا اپنے پڑوسی یا اپنے کسی رشتہ دار کا حق ادا نہ کیا ہو گا وہ کہے گا کہ میں نے ان کے حق میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ تب یہ تمام لوگ آ کر اس کو گھیر لیں گے (اس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گے) اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کریں گے! بارِ الٰہا! ہم میں سے تو نے اس شخص کو اس قدر مال و نعمت عطا فرمایا، اس سے ہمارے حق کا سوال کیا جائے (اس نے ہمارا حق ادا کیا یا نہیں! اس سے پوچھا جائے) تب اس سے ہر ایک کے حق (کی ادائیگی) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر اس سلسلہ میں بھی اس نے کوئی تقصیر نہیں کی ہے تب حکم ہو گا کہ اسی طرح کھڑا رہ! بتلا تو نے ہر اس لقمہ کا شکر ادا کیا جو تو نے کھایا اور ہر اس نعمت کو جو تجھ کو عطا کی گئی اس کا شکر تو نے

کس طرح ادا کیا؟ (اس طرح اس سے سوال کیے جائیں گے) یہی وجہ ہے کہ (ان سوالات اور ان کے جوابات سے بچنے کے لیے) بزرگان دین میں سے کسی کو مالدار بننے کا شوق نہیں تھا کیونکہ اگر عذاب نہ بھی ہو تب بھی اس طرح کے سوالات کیئے جائیں گے! خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشوائے اُمّت ہیں درویشی کو اختیار کیا تاکہ امت بھی درویشی کو بہتر سمجھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عسرت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کا شرف حاصل تھا (ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا) ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو! فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی عیادت کر آئیں۔ جب ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ پر دستک دی اور فرمایا، السلام علیکم! کیا میں اندر آؤں! بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا تشریف لائیے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے۔" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، بابا جان! میرے بدن پر کپڑا نہیں ہے صرف ایک پُرانی کملی ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کملی سے بدن کو ڈھانپ لو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کملی سے بدن چھپا لیا ہے مگر میرا سر ننگا ہے، تب آپ نے ایک پُرانی لنگی حضرت فاطمہ کو سر ڈھانپنے کے لیے دیدی، اس کے بعد گھر کے اندر تشریف لے جا کر فرمایا: اے عزیز بیٹی! تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں بہت بیمار اور دردمند ہوں اور میری بیماری کی شدت کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کے باوجود بھوکی بھی ہوں مجھے کھانے کو کچھ نہیں ملتا، مجھ میں بھوک کی برداشت نہیں ہے، یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار اشکبار ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بے صبری مت کرو خدا کی قسم! تین دن سے مجھے بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا ہے اور میرا مرتبہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں تم سے بڑا ہے اگر میں آسودگی اور فراغت چاہتا تو حق تعالےٰ مجھے عطا فرماتا لیکن میں نے اپنے لیے آخرت کو پسند کیا ہے، اس ارشاد کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر رکھ کر فرمایا اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) تم کو بشارت ہو کہ تم جنت کی بیبیوں کی سردار ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ آسیہ جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم علیہا السلام کا (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں) کیا رتبہ ہو گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں لیکن تم ان سب کی سردار ہو (اور ان سب میں بڑی ہو) یہ سب بیبیاں (جنت کے) آراستہ مکانات میں رہیں گی جہاں نہ شور و غوغا ہے نہ کسی قسم کی تکلیف ہے اور نہ کسی طرح کا کام کاج ہے اے بیٹی! میرے چچا زاد بھائی یعنی اپنے شوہر کے مال پر (جو کچھ میسّر ہے) قناعت کرو کیونکہ میں نے تم کو ایسے شخص کی زوجیت میں دیا ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے دین و دنیا کی سرداری عطا فرمائی ہے۔"

طمع کا انجام:- نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ آپ کی صحبت میں رہوں۔" آپ نے اجازت دیدی، وہ آپ کے ہمراہ کسی سفر پر روانہ ہوا۔ راہ میں ایک دریا کے کنارے جا پہنچے، زادِ راہ میں تین روٹیاں تھیں، دو روٹیاں ان دونوں نے کھائیں ایک روٹی بچ رہی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت سے وہاں سے کچھ دیر کے لیے چلے گئے جب پھر واپس آئے تو وہ روٹی آپ کو نظر نہ آئی آپ نے حواری سے دریافت کیا کہ روٹی کس نے لی، حواری نے کہا مجھے تو کچھ معلوم نہیں، آخرکار وہاں سے آگے روانہ ہوئے اثنائے راہ میں ایک ہرن دو بچوں کو ساتھ لیے ہوئے آرہا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آہو بزہ کو پکارا وہ پکارتے ہی آپ کے نزدیک آگیا آپ نے اس کو پکڑ کر ذبح کیا، بھون کر دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اس کے بعد آپ نے فرمایا اے آہو بچہ! خدا کے حکم سے زندہ ہو جا! وہ جی اٹھا اور اپنے راستہ پر چلا گیا اسوقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حواری سے کہا تجھے اس پروردگار کی قسم جس نے یہ معجزہ دکھلایا اب بتا کہ وہ روٹی کیا ہوتی اس نے کہا مجھے نہیں معلوم، یہ دونوں وہاں سے آگے روانہ ہوئے ایک دوسرے دریا پر پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفیق کا ہاتھ پکڑا اور دونوں پانی پر چل کر دریا سے پار ہو گئے۔ تب پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تجھے اس خدا کی قسم جس نے یہ معجزہ دکھایا مجھے بتا دے کہ وہ روٹی کیا ہوئی اس نے پھر وہی کہا کہ مجھے معلوم نہیں! وہاں سے یہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، ایک ریگستان میں پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی ریت جمع کی اور فرمایا اے ریگ خدا کے حکم سے سونا ہو جا! تمام ریت سونا بن گئی آپ نے اس کے تین حصے کیے اور فرمایا ایک حصہ تمہارا ہے اور ایک میرا اور تیسرا حصہ اس شخص کا ہے جس نے وہ روٹی کھائی اس وقت اس شخص نے محض سونے کے لالچ میں اقرار کر لیا کہ وہ روٹی میرے پاس ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب یہ تینوں حصے تم ہی لے لو!

سونے کا یہ ڈھیر اس کے حوالے کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تنہا وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اتفاقاً دو شخص ادھر آنکلے اور چاہا کہ اس کو مار کر یہ سونا اپنے قبضے میں کر لیں اس نے کہا مجھے مارتے کیوں ہو آؤ ہم تینوں اس کو بانٹ لیں پس انہوں نے ان تینوں میں سے ایک شخص کو شہر میں بھیجا کہ کھانا خرید کر لائے، وہ شخص گیا اور اس نے کھانا خریدا اور اپنے دل میں ٹھانی کہ حیف یہ دونوں شخص اتنا سونا لے جائیں پس مناسب یہ ہے کہ کھانے میں زہر ملا کر دونوں کو ہلاک کر دوں اس وقت سارا سونا میرا ہو گا (اور اس نے کھانے میں زہر ملا دیا) ادھر ان دونوں نے اس تیسرے کی عدم موجودگی میں منصوبہ بنایا کہ تیسرے حصے کا سونا ناحق اس کو کیوں دیں۔ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اس کو مار ڈالیں گے اور سونا اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔ جب وہ تیسرا شخص کھانا لے کر واپس آیا تو ان دونوں نے اس کو مار ڈالا اور پھر کھانا کھایا، کھانا کھاتے ہی یہ دونوں

بھی مر گئے اور وہ تمام سونا اسی طرح وہاں پڑا رہا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب واپس اسی جگہ آئے تو دیکھا کہ سونا جوں کا توں پڑا ہے اور پاس ہی تین شخص مرے پڑے ہیں تب آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا: دیکھو دنیا کا انجام یہ ہے تم اس سے پرہیز کرو!
اس حکایت سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ کیسا ہی استاد اور باکمال ہو بہتر یہ ہے کہ مال پر نظر نہ کرے اور اس کو حاجت سے زیادہ نہ لے کیونکہ سانپ پکڑنے والا آخر کار سانپ کے ڈسنے ہی سے ہلاک ہوتا ہے واللہ اعلم

اصل ہفتم
جاہ وحشم کی مُحبّت اور اُس کی آفتیں
اور
اُن کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سے لوگ جاہ وحشم، نیک نامی اور مخلوق کی زبان سے اپنی تعریف کی آرزو میں ہلاک ہوگئے اور اس کی وجہ سے بہت سے جھگڑوں میں پڑے ہیں، دشمنی اور گناہوں میں مبتلا ہوئے ہیں، جب انسان پر یہ خواہش غالب ہوتی ہے تو دینداری میں خلل پڑتا ہے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور بُرے اخلاق سے تباہ ہو جاتا ہے

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مال وجاہ کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح اُگاتی ہے جیسے پانی سبزہ کو اُگاتا ہے"۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ "دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں ایسی تباہی نہیں مچاتے جیسی مال وجاہ کی محبت مرد مسلمان کے دل میں تباہی برپا کرتی ہے"۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خلق کو دو چیزوں نے ہلاک کیا، ایک خواہشات نفسانی کی پیروی اور دوسری اپنی تعریف وتوصیف کی خواہش، اس کی آفت سے وہ شخص ہی نجات پا سکے گا جو نام اور شہرت کا طالب نہ ہو اور گمنامی پر قناعت کرے"۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا (رپ سورہ قصص)

(ہم آخرت کی سعادت ان کو دیں گے جو دنیا کی بزرگی اور مرتبہ نہ ڈھونڈیں اور نہ فساد برپا کریں)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "بہشتی لوگ وہ ہیں جو خاکسار، بال پریشان اور میلے لباس والے ہیں کوئی ان کی قدر و منزلت نہیں کرتا، وہ اگر امراء کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو اجازت نہ دیں اور اگر نکاح کرنا چاہیں تو کوئی شخص اپنی بیٹی دینے پر تیار نہ ہو اور اگر بات کریں تو لوگ ان کی بات نہ سنیں اور ان کی آرزوئیں ان کے دلوں میں جوش مارتی ہیں، اگر ان کا نور قیامت میں مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے حصے میں آئے گا (سب کو وہ نور پہنچے گا)

ایک اور حدیث شریف میں ہے "بہت سے خاکسار پرانے لباس والے ایسے ہیں کہ اگر وہ خدا سے بہشت کے طالب ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دے اور اگر دنیا کی کوئی چیز مانگیں تو ان کو نہ دی جائے۔"

ایک اور ارشاد گرامی ہے۔ "کہ میری امت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ تم سے دینار یا درہم یا ایک حبہ مانگیں تو تم نہ دو گے۔ لیکن اگر وہ حق تعالیٰ سے بہشت مانگیں تو وہ ان کو عطا کر دے گا، اگر دنیا مانگیں تو نہ دے گا۔ اس کا باعث یہ نہیں ہے کہ وہ شخص ذلیل بے قدر ہے۔"

حکایت:۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (گمنام) پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر وہ گم ہو جائیں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے، ان لوگوں کے قلوب راہِ ہدایت کے چراغ ہیں اور تمام شبہات اور تاریکیوں سے پاک ہیں۔" میں اس ارشاد کو یاد کر کے رو رہا ہوں کہ میں ایسا نہیں ہوں۔"

حضرت ابراہیم ادھمؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص شہرت کا طالب اور نام و ننگ کا خواہاں ہے وہ خدا کے دین میں صادق نہیں ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ "صدق کا نشان یہ ہے کہ انسان یہ نہ چاہے کہ کوئی اس کو جانے اور پہچانے۔" حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے پیچھے ان کے کئی شاگرد چل رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے کئی درے مارے انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس طرح ان لوگوں کے لیے ذلت ہے جو پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور جو ان کے آگے چل رہا ہے اس کے لیے یہ غرور اور نخوت کا سرمایہ ہے (اس سے تمہارے اندر غرور و نخوت پیدا ہو گا۔)

حضرت حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اس نادان شخص کے دل کو کبھی سکون میسر نہیں آئے گا جو یہ دیکھ رہا ہے کچھ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں (اور وہ مقتدی اور پیشوا بنا ہوا آگے آگے چل رہا ہے) حضرت ایوب علیہ السلام کہیں سفر پر جا رہے تھے کچھ لوگ از روئے ادب ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے انہوں نے

فرمایا حق تعالیٰ اس امر سے خوب واقف ہے کہ میں اس بات سے خوش نہیں ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو میں غضبِ الٰہی سے خوف زدہ نہ ہوتا۔

حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلے بزرگوں کو زرق برق لباس سے نفرت تھی خواہ وہ پوشاک نئی ہو یا پرانی، لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص اس کا تذکرہ نہ کرے (یعنی معمولی لباس ہو)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو طالب شہرت ہوا ہو اور اس کا دین نہ برباد ہوا ہو اور اس کے حصے میں رسوائی نہ آئی ہو۔

جاہ کی حقیقت

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ توانگر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے قبضہ اور ملکیت میں مال وزر ہو اور اس پر اس کا تصرف ہو! اسی طرح صاحب حشمت وجاہ وہ شخص ہے کہ لوگوں کے دل اس کے مسخر ہوں اور ان میں وہ اپنا تصرف کر سکے اور جب کسی کا دل کسی کا مسخر ہوتا ہے تو اس کا جسم اور اس کا مال بھی اس کا تابع ہوتا ہے اور دل کے مسخر ہونے کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں اس طرح اچھا خیال رکھے کہ اس کی بزرگی اور بڑائی دل میں سما جائے خواہ یہ بزرگی اس کے کسی کمال کے سبب سے ہو یا علم وعبادت کے باعث، یا اچھے اور اعلیٰ اخلاق کی بنا پر یا قوت کے سبب سے یا اور کسی ایسی چیز کے باعث جس کو لوگ اس شخص کا کمال اور بزرگی سمجھتے ہوں۔ پس جب ایسا خیال دل میں جاگزین ہو گیا تو دل اس کا مسخر ہو گیا اور برضا ورغبت اس کا فرمانبردار بن گیا، زبان سے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کی خدمت بجا لاتا ہے اور اپنا مال اس پر قربان کر رہا ہے اور جس طرح غلام اپنے آقا کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس صاحب جاہ وحشم کا مطیع، مرید اور دوست رہتا ہے بلکہ غلام سے بڑھ کر غلام کی اطاعت تو جبر سے ہوا کرتی ہے اور اس کی اطاعت بخوشی خاطر ہوتی ہے۔

توانگری کے معنی: پس توانگری اور مالداری کے معنی یہ ہیں کہ سیم وزر آدمی کی ملکیت میں ہو اور جاہ کے معنی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے دل اس کے اسیر ہوں اکثر مخلوق کو مال سے زیادہ جاہ ومنزلت عزیز ہوتی ہے اور اس کے تین سبب ہیں، ایک سبب تو یہ ہے کہ مال اس واسطے عزیز ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام حاجتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے، جاہ کا بھی یہی حال ہے بلکہ جو کوئی صاحب

جاہ و منزلت ہوتا ہے اس کے لیے مال حاصل کرنا بھی آسان ہوتا ہے لیکن ایک ادنی اور معمولی شخص چاہے کہ مال و زر سے جاہ کو حاصل کرے تو یہ بہت دشوار ہوگا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مال کے چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے یا خرچ ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے لیکن جاہ میں یہ خطرہ اور اندیشہ نہیں ہے، تیسرا سبب یہ ہے کہ مال بغیر محنت، زراعت اور تجارت کے زیادہ نہیں ہوتا لیکن جاہ و مرتبہ دوسرے کے دلوں میں جگہ کرتا ہے اور بڑھتا ہے، کیونکہ جب تم نے کسی کا دل شکار کر لیا تو وہ دنیا بھر میں پھرے گا اور تمہاری ہر جگہ تعریف کرے گا اور چاہے گا کہ دوسرے لوگ بھی بغیر دیکھے تمہارے شکار ہو جائیں اس طرح جس قدر شہرت زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر جاہ میں اضافہ ہوتا ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے بھی بڑھتے ہیں۔ اگرچہ انسان کو جاہ و مال دونوں مطلوب ہوتے ہیں کیونکہ تمام حاجتیں اور ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود آدمی دل سے چاہتا ہے کہ اس کا نام دور دراز شہروں تک پہنچے کہ اس کا ان دور دراز مقامات تک پہنچنا دشوار اور مشکل ہے انسان چاہتا ہے کہ کسی طرح سارا جہان اس کا مسخر ہو جائے اگرچہ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بذاتِ خود اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے اور اس میں ایک اہم راز پوشیدہ ہے وہ یہ کہ آدمی فرشتوں کے جوہر سے بنا ہے اور خداوند تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ (الآیہ) فرما دیجیے رُوح تو میرے رب کا ایک حکم ہے۔

اس طرح اس کو باوجودیکہ حضرت ربوبیت سے ایک مناسبت ہے اور اس کی خواہش بھی یہی ہے کہ ربوبیت کو تلاش کرے لیکن اس کے اندر انانیت بھی موجود ہے اور ہر ایک کے دل میں وہ بات موجود ہے جو فرعون نے کہی تھی، اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں) اور اس میں سرایت کرتی رہتی ہے اس طرح ہر شخص ربوبیت کو بالطبع دوست رکھتا ہے اور یہاں ربوبیت کے معنی یہ ہیں: کہ میں ہی سب کچھ ہوں اور میری طرح کوئی دوسرا نہ ہو کہ جب مجھ جیسا کوئی دوسرا پیدا ہوگا تو میری ربوبیت کو نقصان پہنچے گا، کیونکہ آفتاب کا کمال اسی وجہ سے قائم ہے کہ وہ ایک ہے (دوسرا اس جیسا نہیں ہے) اور سارے جہان کا نور اسی سے ہے۔ اگر اس جیسا کوئی دوسرا ہوتا تو یہ ناقص قرار پاتا لیکن یہ نہیں سوچتا کہ یہ کمال کہ سب کچھ آپ ہی رہے دوسرا اس کے مثل نہ ہو، یہ خاصّہ صرف الوہیت کا ہے، حقیقت میں ماہیت وہی ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کی ہستی مطلق نہیں ہے اور ہر ایک موجود اسی کی قدرت کا ایک پرتو اور نور ہے اس طرح انسان اس کا تابع ہوا شریک نہیں ہوا جس طرح نورِ آفتاب کا تابع ہے اس کا شریک نہیں ہے، ذاتِ الٰہی کے سوا کوئی دوسرا موجود اس کے مقابلہ کا نہیں ہے جو اس کا شریک بن سکے اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس دوئی کے باعث اس میں نقصان پیدا ہوتا (اور اللہ تعالےٰ نقصان سے منزّہ اور پاک ہے)

انسان کی خواہش

پس آدمی بالطبع تو یہ چاہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہو لیکن یہ بات ممکن نہیں، تو چاہتا ہے کہ کم از کم سارا جہان اس کا مسخر اور فرمانبردار بن جاتے اور اس کے تصرف اور ارادے کے تحت آجاتے لیکن ایسا ہونا بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام موجودات دو قسم پر منقسم ہیں، ایک قسم تو ان موجودات کی ہے جو آدمی کے تصرف سے باہر ہیں، جیسے آسمان، ستارے، ملائکہ، شیاطین اور وہ تمام چیزیں جو زمین کے نیچے ہیں، دریاؤں کی گہرائی اور پہاڑوں کے اندر ہیں۔ پس وہ چاہتا ہے کہ علم کے زور سے ان سب پر غالب ہو جاتے اور یہ سب موجودات اس کی قدرت کے تصرف میں نہیں آتے تو اس کے حکم ہی کے تصرف میں آجائیں، اسی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ ملکوت آسمان و زمین اور بحر و بر کے سب عجائب اس کو معلوم ہو جائیں۔ مثلاً ایک شخص شطرنج کھیلنا نہیں جانتا لیکن چاہتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور اس کی چالیں معلوم کرے یہ بھی اسی قسم کے ایک غلبہ کی آرزو ہے۔

موجودات کی دوسری قسم جن میں آدمی تصرف کر سکتا ہے رُوئے زمین اور اس پر موجود چیزیں ہیں۔ جیسے جمادات، نباتات، حیوانات، تو آدمی چاہتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس کی ملک ہوں یعنی اس کے تصرف میں آئیں تاکہ اس کو ان سب پر کمال قدرت اور غلبہ حاصل ہو۔ جو اشیاء زمین پر ہیں ان سب میں نفیس ترین انسان کا دل ہے۔ پس انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس نفیس ترین چیز کو اپنا مسخر کر لوں اور وہ میرے تصرف میں آجاتے۔ جاہ کے یہی معنی ہیں۔ پس انسان بالطبع ربوبیت یعنی صاحب و مالک بننے کو پسند کرتا ہے اور وہ نسبت اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ "سب کا کمال اس کو حاصل ہو اور کمال بغیر غلبہ کے حاصل نہیں ہوتا اور غلبہ علم و قدرت سے حاصل ہوتا ہے اور قدرت انسان کو بغیر مال و جاہ کے میسر نہیں آسکتی۔ پس جاہ کی آرزو اور محبت کا باعثِ اصلی یہی ہے۔

فصل

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ جاہ بھی مال کی طرح ہے جس طرح تمام مال بُرا نہیں ہے بلکہ اس سے بقدرِ کفایت لے لینا زادِ آخرت ہے اور اگر بہت مال میں انسان کا دل ڈوب جاتے (دل مال کثیر میں لگ جاتے) تو وہ آخرت کا راہزن ہے، جاہ کا بھی یہی حال ہے کیونکہ خادم اور رفیق انسان کے لیے ضروری ہیں کہ ضرورت کے وقت اس کی مدد کریں اور اس کے لیے ایک حاکم یا بادشاہ کی بھی ضرورت ہے جو اس کو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھے۔ پس لوگوں کے دل میں اس کی قدر و منزلت ہونا ضروری ہے لیکن یہ طلب جاہ صرف اسی قدر روا ہے جس سے یہ فوائد حاصل ہو سکیں۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ   بیشک میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔

اسی طرح جب تک شاگرد کے دل میں استاد کی قدر و منزلت نہیں ہوگی وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے گا اور جب تک شاگرد کا لحاظ، پاس اور اس کی اہمیت استاد کے دل میں نہ ہو وہ اس کو تعلیم نہ دے سکے گا، اس اعتبار سے جاہ کی طلب بقدر ضرورت مباح ہے جس طرح بقدر کفایت طلب مال مباح ہے۔ جاہ کو چار طرح سے حاصل کیا جا سکتا ہے، ان میں دو مباح ہیں اور دو حرام ہیں، جو دو طریقے حرام ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت ریائی سے جاہ کی طلب کرے (ریا کے ساتھ محض طلب جاہ کے لیے عبادت کرے) عبادت تو خالص خداوند تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے، جب کسی نے عبادت کے وسیلہ سے جاہ کو طلب کیا تو یہ حرام ہے اور دوسرا حرام طریقہ یہ ہے کہ دھوکا دے اور اپنے میں ایسی صفت بتلائے جو فی الواقع اس میں نہ ہو مثلاً کہے کہ علوی سیّد ہوں یا فلاں بزرگ کی اولاد ہوں یا میں فلاں ہنر جانتا ہوں اور حقیقت میں نہ جانتا ہو یہ باتیں بالکل ایسی ہیں، جیسے کوئی شخص دغا سے مال حاصل کرے۔

وہ دو طریقے جو مباح ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایسی چیز کے ذریعہ سے جاہ طلب کرے جس میں دغا اور فریب نہ ہو اور نہ عبادت کو اس کا وسیلہ ٹھہرایا ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنا عیب پوشیدہ رکھ کر جاہ کو طلب کرے۔ جیسے ایک فاسق اپنی معصیت کو اس لیے چھپائے کہ بادشاہ کے یہاں اس کو کوئی مرتبہ اور درجہ مل جائے اور یہ غرض نہ ہو کہ لوگ اس کو پارسا خیال کریں۔ یہ طریقہ مباح ہے۔

حُبّ جاہ کا علاج

اے عزیز! جب حُبّ جاہ کی محبت دل پر غالب آجائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ دل بیمار ہے اور اس کا علاج کرنا ضروری ہے، کیونکہ حبّ جاہ ہی نفاق، ریا، دروغ، فریب، عداوت، حسد، جنگ و جدل اور طرح طرح کے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ یہی حال مال کی محبت کا ہے لیکن جاہ کی محبت تو اس سے بھی بدتر ہے کیونکہ طبیعت پر اس کا زبردست غلبہ ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے صرف اس قدر جاہ و مال حاصل کیا جس میں دین کی سلامتی ہے اور اس سے زیادہ کا وہ خواہاں نہیں ہے تو اس کے دل کو بیمار نہیں کہیں گے کیونکہ حقیقت میں اس کو مال و جاہ کی محبت نہیں ہے بلکہ دین کے لیے خاطر جمعی درکار ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی شخص جاہ و مال کا اس قدر طالب ہے اور اس کو دوست رکھتا ہے اور یہ دیکھتا رہتا ہے کہ مخلوق اس کو کس قدر چاہتی ہے اور مخلوق کی نظر میں

اس کا کیا مقام ہے اور اس کی لوگ کس طرح تعریف و توصیف کرتے ہیں اور اس کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں تو اس صورت میں وہ جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے اس کا دل لوگوں کی بات چیت اور اس کے بارے میں اُن کے جو خیالات ہیں اسی میں لگا رہتا ہے، ایسے بیمار کا علاج کرنا فرض ہے۔

حُبّ جاہ کا علاج

حُبّ جاہ کا علاج بھی علم و عمل سے مرکب ہے۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ وہ غور کرے اور سوچے کہ دین و دنیا کے لیے جاہ کیسی آفت ہے، دنیا میں تو اس کی آفت یہ ہے کہ طالب جاہ ہمیشہ رنج و خواری (اور خلائق کی خاطر داری میں لگا رہے گا اس وقت اگر وہ کامیاب نہ ہوا اس کو جاہ و منزلت حاصل نہ ہوئی) تو ذلیل و خوار ہو گا اور اگر جاہ و مرتبت حاصل ہو گیا تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور ہر وقت اس کے درپے (آزار) رہیں گے اس طرح صاحب جاہ ہر وقت دشمنوں کی دشمنی کی فکر اور دشمنوں کو دفع کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے گا اور کسی وقت بھی اس کو دشمنوں کے مکر و فریب سے بے فکری نصیب نہیں ہو گی اور اگر کوئی اس کی فکر نہ کرے اور دشمن کی دشمنی سے بچنے کی کوشش نہ کرے تو اگر اس شخص سے مغلوب ہو گیا تو یقیناً اس کی ذلت ہو گی اور اگر دشمن پر غالب آ گیا تو اس غلبہ کو ثبات نہیں ہے کہ جاہ کا تعلق تمام خلائق کے دل سے ہے اور مخلوق کے دلوں کی حالت بدلتی رہتی ہے (ابھی وہ عزت کرتے ہیں اور احترام میں جھکتے ہیں ممکن ہے کہ بعض کی حالت بدل جاتے اور اس کے احترام میں کمی آ جائے) دلوں کے احوال موجِ دریا کی طرح لہر مارتے رہتے ہیں (کبھی کچھ حال ہے کبھی کچھ کیفیت ہے) اور اگر چند ناہنجاروں کے احترام پر جاہ و مرتبت کی بنیاد رکھی ہوئی ہے تو ایسی عزت بیکار ہے کہ ان کے خیالات کے بدلتے ہی اس عزت اور جاہ کو زوال آ جائے گا، خصوصاً جبکہ اس عزت کی بنیاد ایسی سرداری پر ہو (صاحب جاہ سردار ہو یا بادشاہ کا مُقرّب جو ایک خیال سے قائم ہو، بادشاہ کے دل میں خیال پیدا ہو کہ اس سردار کو معزول کر دیا جائے اور وہ معزول کر دیا گیا اور جاہ مرتبہ اسی عہدے اور منصب پر قائم تھا تو اس کے برطرف ہوتے ہی وہ عزت بھی ختم ہو گئی، اس طرح وہ سردار دنیا ہی میں ذلیل ہوا اور آخرت کا دکھ اس کے سوا ہے (اس طرح صاحب جاہ دنیا اور آخرت دونوں میں دُکھ اُٹھائے گا) ان باتوں کو بے خبر لوگ نہیں سمجھ سکتے صرف دانا ہی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر روئے زمین کی بادشاہت (مشرق سے مغرب تک) اس کو مل جاتے اور تمام عالم اس کے سامنے جھک جائے (اس کی عزت و احترام کرے) تب بھی کوئی خوشی کی بات نہیں ہے کیونکہ جب چند دنوں کے بعد وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا تو اس کی یہ بادشاہی باطل ہو جائے گی (یونہی دھری رہ جائے گی) اور تھوڑے دنوں کے بعد نہ یہ احترام کرنے والے رہیں گے، اور میرا حال بھی ان گذرے ہوئے بادشاہوں کی طرح ہو جائے گا جن کو آج کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں اس چند روز کی لذت کے لیے ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کو ہاتھ سے کیوں جانے دوں!

کیونکہ جو کوئی جاہ کا آرزو مند اور طالب رہتا ہے اس کا دل خداوند تعالیٰ کی محبت سے خالی رہتا ہے (خدا کی محبت اس کے دل میں نہیں رہتی) اور دمِ مرگ جس کے دل میں خدا کی محبت کے سوا کسی دوسری چیز کا غلبہ ہو تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ جو کچھ بیان کیا حبِّ جاہ کا علمی علاج تھا۔

حبِّ جاہ کا عملی علاج دو طرح پر ہے ایک تو یہ کہ جس جگہ اس شخص کی عزت اور احترام کیا جاتا ہے، اس جگہ کو چھوڑ دے، اس مقام پر نہ رہے اور کسی اجنبی ملک یا شہر میں چلا جائے تاکہ اس کو وہاں کوئی نہ پہچانے، سب سے زیادہ اچھی بات ہے کیونکہ اگر اپنے ہی شہر اور اپنی ہی بستی میں گوشہ نشینی اختیار کرے گا تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں شخص ترکِ جاہ کر کے عزلت نشین ہو گیا ہے تو محض اس سبب سے لوگ اس کو آزار نہ پہنچائیں گے اور اگر لوگ اس پر اعتراض کریں اور کہیں یہ عزلت نشینی محض نفاق ہے (یہ کام تو نے نفاق کی وجہ سے کیا ہے) تو اس بات سے اس کے دل کو دکھ پہنچے گا اور اس گناہ کی طرف منسوب کرنے والوں سے معذرت طلب کرے گا (کہ میری عزلت نشینی نفاق اور ریا کاری نہیں ہے) اور اگر یہ تمام باتیں محض ایک ڈھونگ ہیں تاکہ لوگ اس سے بدعقیدہ نہ ہوں تو یہ اسباب کی دلیل ہوگی کہ ابھی اس کے دل میں جاہ کی محبت موجود ہے۔

دوسرا عملی علاج یہ ہے کہ ملامتیہ بن جائے اور ایسا کام کرے جس سے مخلوق کی نظر میں حقیر و ذلیل ہو لیکن ایسے بُرے کاموں سے یہ مُراد نہیں ہے کہ شراب وغیرہ پئے۔ جیسا کہ بعض نادان اس قسم کا کام کر کے ملامتی کہلاتے ہیں۔ بلکہ حکمتِ عملی سے کام لے جیسا کہ ایک زاہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شہر کا امیر اس کی ملاقات کو گیا تاکہ اس کی خدمت میں پہنچ کر سعادت حاصل کرے۔ جب زاہد نے دُور سے دیکھا کہ امیر اس کے پاس آ رہا ہے تو روٹی اور ترکاری جلدی جلدی کھانے لگا اور بڑے بڑے نوالے کھانا شروع کر دیئے امیر اس کی یہ حرص دیکھ کر اس سے بدعقیدہ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ ایک اور زاہد کے بارے میں منقول ہے کہ شہر کے لوگ اس کے بہت معتقد تھے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن وہ حمام سے دوسرے کے کپڑے پہن کر باہر نکل آیا اور دیر تک باہر راستہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ لوگوں نے اس کو پکڑ کر خوب پیٹا اور شور مچا دیا کہ یہ چور ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ شراب کے رنگ کا شربت پیالہ میں ڈال کر پینے لگے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ وہ شراب پی رہا ہے۔ غرضکہ ان بزرگوں نے ان ترکیبوں سے جاہ کی حرص کو دل سے نکالا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ستائش سے محبت اور شکایت سے ناگواری

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مخلوق ان کی تعریف کرے اور وہ ہمیشہ اپنی نیک نامی کی فکر میں لگے رہتے ہیں اگرچہ ان کے عمل شریعت کے خلاف ہوتے ہیں (اس پر بھی وہ اس کے خواہاں ہوتے ہیں) اور مخلوق اگر ان کی شاکی ہو تو آزردہ ہوتے ہیں اور ان کی ملامت و مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ ان کی بد نکوہش بجا اور درست ہوتی ہے۔ یہ بھی دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے اور جب تک مدح و ذم سے دل کی خوشی اور ناخوشی کا سبب ظاہر نہ ہو اس بیماری کا علاج معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ستائش و مدح کی پسندیدگی کے چار سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی اپنی بزرگی اور برتری کا ہمیشہ خواہاں رہتا ہے اور اپنا نقصان اس سلسلہ میں گوارا نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کا ستائش کرنا بظاہر کمال کی دلیل ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس کو اپنے کمال میں شک ہوتا ہے اس وجہ سے پورے طور پر محظوظ نہیں ہوتا چنانچہ جب کسی سے اپنی تعریف سنتا ہے تو اس پر یقین کر لیتا ہے اور اس کو سکون میسر آتا ہے اور پورا پورا محظوظ ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنی ذات میں کمال کی بو پاتا ہے تو ربوبیت کے آثار اپنی ذات میں مشاہدہ کرتا ہے اور ربوبیت انسان کو دل سے پسند ہے اور جب وہ اپنی مذمت سنتا ہے تو اپنے نقصان پر آزردہ ہوتا ہے پس اگر وہ اپنی تعریف یا مذمت ایسے شخص سے سنتا ہے جو عاقل ہو اور جھوٹ بولنے والا نہ ہو، جیسے استاد یا مصنف یا عالم، تو مذمت سے یقیناً رنج پہنچتا ہے اور ستائش سے راحت حاصل ہوتی ہے اور جب کوئی نادان تعریف کرتا ہے تو اس وقت دل خوش نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ستائش سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ستائش و ثنا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قائل یا ثنا گو کا دل اس کا اسیر ہے اور ثنا گو کے دل میں ممدوح کی قدر منزلت جاگزین ہے۔ پس اگر تعریف کوئی بڑا شخص (صاحب مرتبہ) کرتا ہے تو بڑی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے اور اگر ثنا گو کم مرتبت والا ہے تو اس قدر لذت حاصل نہیں ہو گی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ کسی کی تعریف اس بات کی بشارت دیتی ہے کہ دوسروں کے دل بھی اس کے اسیر ہو جائیں گے، کیونکہ جب یہ ثنا و ستائش کرے گا تو دوسرے لوگ خود بخود اس کے معتقد ہو جائیں گے اس طرح ہر شخص اس کا معتقد بن جائے گا۔ پس ثنا اگر سب کے سامنے ہو اور معتبر شخص کی زبانی ہو تو بہت مسرت ہوتی ہے اور مذمت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس سمجھنا چاہیے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف و ستائش اس بات کی دلیل ہے کہ ثنا کرنے والا اس کی حشمت کے سامنے سپر انداز

ہوگیا ہے اور حشمت بھی بالطبع انسان کو محبوب ہے اگرچہ وہ بہ جبر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ثنا کے بارے میں اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بھی تعریف کی جارہی ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن وہ تعریف کی احتیاج کو جو اس کے دل کے اندر ہے وہ عزیز اور دوست رکھتا ہے اور اس میں وہ اپنی قدرت کا کمال سمجھتا ہے، پس اگر ثنا خواں ثنا اور ستائش میں اتنا مبالغہ کرے کہ وہ جھوٹ معلوم ہو اور یقین ہو کہ کوئی اس کو باور نہیں کرے گا یا وہ یہ جانتا ہو کہ ستائش کرنے والا یہ ستائش دل سے نہیں نہیں کر رہا ہے یا اس کی قدرت کے ڈر سے نہیں بلکہ از راہِ تمسخر ستائش کر رہا ہے تو اس صورت میں کچھ خوشی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ چیزیں موجود نہیں ہیں جن سے خوشی ہوتی ہے۔

ستائش پسندی کا علاج :-

اب جبکہ ستائش کے یہ اسباب تم کو معلوم ہو گئے تو اس کا علاج آسانی سے تم کر سکتے ہو بشرطیکہ اس سلسلہ میں کوشش کرو! ذوقِ ستائش کے سبب اوّل کا تو علاج یہ ہے کہ ستائش کرنے والے کی ستائش سے خود کو بلند اور کامل سمجھے۔ اس موقع پر چاہیئے کہ وہ اس بات میں غور کرے کہ اگر میری ذات میں علم و زہد کی وہ صفت جو ثناگو بیان کر رہا ہے سچ اور درست ہے تو اس پر وہ خوشی کر سکتا ہے کہ کرمِ الٰہی نے مجھے یہ صفت عطا فرمائی ہے اور ذاتِ باری کے لطف سے یہ صفت مجھے حاصل ہوئی ہے نہ کہ ثناگو کی ثنا و ستائش سے اور کسی کے قول سے یہ صفت نہ زیادہ ہو سکتی ہے نہ کم اور اگر کوئی شخص تمہاری تعریف تمہارے تموّل، امارت اور دوسرے دنیاوی اسباب کی وجہ سے کر رہا ہے تو یہ بات خوش ہونے کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ خوشی کا باعث ہو سکتی ہے تو اس کو اس وصف کے باعث خوش ہونا چاہیئے نہ کہ مداح اور ثناگو کی تعریف سے بلکہ ایک عالم اپنے علم و زہد کو اگر حقیقت میں سمجھتا ہے تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا کیونکہ اس کو اپنے خاتمہ کا خوف ہے اور معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوگا اور جب تک انجام معلوم نہ ہو جائے ساری محنت بیکار ہے اور جب کسی کا انجام اور اس کا مقام دوزخ ہو تو اس کے لیے خوشی کا کیا موقع ہے اور اگر وہ اس صفت کے باعث خوش ہو رہا ہے جو اس کی ذات میں موجود نہیں ہے جیسے زہد و علم تو اگر وہ ان موہوم صفتوں پر خوش ہو تو نرا احمق ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہدے کہ یہ شخص بہت ہی نیک اور لائق ہے اور اس کی تمام آنتیں مشک اور عطر سے بھری ہوئی ہیں (تو اس بات پر کس طرح خوش ہو سکتا ہے) جبکہ خود وہ جانتا ہے کہ اس کی آنتوں میں نجاست اور گندگی بھری ہوئی ہے لہٰذا اس جھوٹی بات سے خوش ہونا کیسا اور اگر یہ سن کر خوش ہوگا تو لوگ اُسے دیوانہ سمجھیں گے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسرے سببوں کا حاصل صرف جاہ و حشمت کی محبت ہے۔

مذمت کرنے والے سے ناراض نہ ہو: اگر کوئی شخص تمہاری مذمت کرے تو اس سے خفا ہونا محض نادانی ہے۔ کیونکہ اگر تمہارے بارے میں وہ سچ کہتا ہے تو وہ فرشتہ صفت انسان ہے اور اگر عمداً وہ جھوٹ بول رہا ہے تو شیطان ہے اور اگر اس کو اپنے جھوٹ کی خبر نہیں تو پھر وہ احمق اور گدھا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کی صورت مسخ کر دے اور اسکو گدھا یا شیطان یا فرشتہ بنا دے تو اس میں تمہارے بُرا ماننے کی کون سی بات ہے ہاں اگر مذمت کرنے والے کی بات سچ ہے تو اس نقصان کے سبب سے جو تمہاری ذات میں موجود ہے تمہارا رنجیدہ اور غمگین ہونا روا اور درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نقص یا کوتاہی دینی ہو۔ اس صورت میں مذمت کرنے والے سے رنجیدہ ہونا عبث ہے۔ رنجیدہ اور غمگین تو اس نقصان پر ہونا چاہیئے اور اگر یہ نقصان دنیاوی ہے تو دینداروں کے نزدیک یہ عیب نہیں بلکہ ہُنر ہے۔ یہ پہلا علاج تھا۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ اگر مذمت کرنے والے نے تمہارے باب میں جو کچھ کہا ہے وہ تین حال سے خالی نہ ہوگا۔ اگر سچ کہا ہے اور از راہ شفقت و محبت کہا ہے تو تم کو اس کا ممنون ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص تم کو اسبابات سے آگاہ کر دے کہ تمہارے کپڑوں میں سانپ ہے اس کو نکالو (اور واقعی ایسا ہی ہے) تو ضرور تم کو اس کا ممنون ہونا چاہیئے۔ اور دین کا عیب تو سانپ سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس سے عاقبت کی ہلاکی اور تباہی ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ اگر تم بادشاہ کی خدمت میں جا رہے ہو اور کسی شخص نے کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں جانے سے پہلے اپنے کپڑوں کی یہ نجاست تو صاف کر لو اور تم نے اپنے لباس کو دیکھا تو واقعی اس پر نجاست لگی تھی، اگر تم اسی طرح اس نجاست کے ساتھ دربارِ شاہی میں چلے جاتے تو بادشاہ سزا دیتا اور عتاب کرتا۔ اس صورت میں تم کو اس شخص کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ تم ایک خطرے سے بچ گئے اور اگر اس نے از راہِ شفقت یہ سب کچھ نہیں کہا بلکہ عیب جوئی کی نیت سے کہا ہے، اس صورت میں بھی تم کو فائدہ پہنچا اور عیب جو کی عیب جوئی اس کی بے دینی کی نشانی ہے۔ پس جب اس مذمت میں تمہارا فائدہ مضمر اور پوشیدہ ہے اور مذمت کرنے والے کے لیے مضرت اور نقصان ہے تو غصہ کرنا بے حاصل ہے۔ ہاں اگر اس نے یہ بات جھوٹ کہی تو اس وقت تامل کرنا چاہیے اور غور کرنا چاہیئے کہ تم اس عیب سے پاک ہو اور نکتہ چین یا مذمت کرنے والے کو تمہارے بہت سے عیوب کی خبر نہیں (ورنہ وہ ان کو بھی بیان کرتا) پس غصہ کی بجائے اس کا شکریہ بجالانا چاہیئے کہ اس شخص نے اپنی نیکیاں تیرے دامن میں ڈال دی ہیں اور اللہ تعالےٰ نے تیرے عیبوں پر پردہ پڑا رہنے دیا۔

بجائے مذمت کے اگر یہ شخص تمہاری جھوٹی تعریف کرتا تو ایسا ہوتا گویا تم کو مار ڈالا۔ اب سوچنا چاہیئے کہ قتل سے شاد ہونا اور نیکیوں کے ہدیہ پر دلگیر ہونا کسطرح درست ہے۔ اور یہ کام تو وہی کرے گا جو ہر ایک شخص کی ظاہری صورت سے کام رکھتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہے (یا حقیقت پر نظر نہ کرے) عاقل و نادان میں

فرق یہی ہے کہ عقلمند حقیقت پر نظر رکھتا ہے اور ظاہری صورت سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور نادان حقیقت سے ہٹ کر صرف ظاہر پر نظر رکھتا ہے، حاصل کلام یہ کہ جب تک آدمی مخلوق سے قطع تعلق نہ کرے دل کی یہ بیماری (جاہ پسندی) جا نہیں سکتی۔

مدح و ذم میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ لوگ اپنی تعریف یا مذمت سننے کے معاملہ میں چار قسم کے ہیں، قسم اوّل میں تو عام لوگ ہیں کہ مدح سے خوش ہو کر شکر الٰہی بجا لاتے ہیں اور مذمت پر خفا ہو کر اس کا بدلہ لیتے ہیں یہ بد ترین قسم ہے۔ دوسری قسم میں وہ پارسا حضرات ہیں جو مدح سے شاد اور مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے دونوں کو بظاہر برابر سمجھتے ہیں لیکن دل میں مدح سے خوش اور مذمّت سے ناخوش ہوتے ہیں، تیسری قسم میں متقی حضرات داخل ہیں کہ یہ حضرات اپنی مدح و ذم کو ظاہر و باطن میں یکساں سمجھتے ہیں، نہ کسی کی مدح سے خوش ہوتے ہیں اور نہ کسی کی مذمّت سے افسردہ اور رنجیدہ، کیونکہ ان حضرات کے دل میں ان باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی اور یہ ایک بہت بڑا درجہ ہے۔ بعض عابد یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ وہ اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس درجہ اور منزل پر جو حضرات پہنچ گئے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ اگر مذمّت کرنے والا ان کی صحبت میں اکثر رہتا ہے (ان کی خدمت میں آتا جاتا ہے) تو وہ اس کو بھی ایسا ہی دوست اور عزیز رکھتے ہیں جیسے اپنی مدح کرنے والے کو! اگر وہ کسی کام میں ان سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو یہ حضرات اس کی مدد سے دریغ نہیں کرتے، البتہ اگر ذم کرنے والا ملاقات کو کم آتا جاتا ہے اور صحبت میں بہت کم شریک ہوتا ہے تو اس کی تمنا اور ملنے کی آرزو مدّاح سے کچھ کم نہیں ہوتی ہے۔ پھر اگر یہ ذم کرنے والا مر جاتا ہے تو یہ حضرات اس کے مرنے پر اتنا ہی غم کرتے ہیں جتنا اپنے مداح کے مرنے کا کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس ذم کرنے والے کو ستاتا ہے تو یہ اسی طرح غمگین ہوتے ہیں جس طرح اپنے مداح کے ستاتے جانے پر غمگین ہوتے ہیں، ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ ذم کرنے والے کی خطا کے مقابلہ میں مدح کرنے والے کی خطا کو کم نہ سمجھے (دونوں کی خطا کو یکساں اور ایک درجہ کا خیال کرے) ان شرطوں کا بجا لانا بہت دشوار۔ ممکن ہے کہ کوئی عابد نفس کے فریب میں مبتلا ہو کر ایسا کہے کہ میں تو مذمت کرنے والے سے اس لیے خفا رہتا ہوں کہ اس نے یہ مذمّت کر کے خود کو مصیبت میں مبتلا کیا۔ یہ حقیقت میں ابلیس کا فریب ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ کبیرہ گناہ بھی کرتے ہیں اور یہ ناخوش ہونے والا مذمّت پر

ان کے کبیرہ گناہوں پر ناخوش نہیں ہوتا (پس یہ شیطان کا ایک مکر ہے) اور اس کو جو غصّہ آتا ہے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بزر بنائے نفس ہے (غصہ نفسانیت کا ہے) دینداری کا نہیں ہے جاہل عابد اس راز کو نہیں پا سکتا۔

چوتھی قسم میں صدّیقین داخل ہیں، یہ حضرات اپنے سراہنے والے سے ناخوش اور مذمت کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ بدگو کی بدگوئی سے ان کو تین فائدے حاصل ہوتے ہیں " ایک یہ کہ اس کی زبان سے عیب سن کر اپنے عیب سے آگاہ ہوتے اور اس نے اپنی نیکیاں اس کو ہدیہ کر دیں اور ان کو اس بات کی طرف راغب کیا کہ وہ ان عیوب سے پاک ہو جائیں (جو اس نے بیان کیے ہیں) حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" اس صائم الدہر و قائم اللیل پر افسوس ہے جو صوف پہنے مگر جبکہ اس کا دل دنیا سے متعلق نہ ہو اور مدح سے بیزار اور مذمت سے خوش ہو۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے[1] (اور واقعتاً یہ حدیث شریف ہے) تب تو بات بہت مشکل ہے کیونکہ اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچنا بہت دشوار ہے بلکہ دوسرا درجہ اور مرحلہ بھی دشوار ہے کہ ظاہراً مدح اور ذم میں فرق نہ کرے خواہ دل میں فرق کرے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جب کوئی معاملہ اور مرحلہ پیش آتا ہے (کوئی حال واقع ہوتا ہے) تو وہ اپنے مرید اور خوشامد گو کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اسی آخری درجہ پر (مدح و ذم میں فرق نہ کرنا) تو وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو نفس سرکش سے بگاڑ پیدا کر کے آپ اپنا دشمن بن گیا ہو، کہ جب کسی شخص سے اپنا عیب سُنے تو اس طرح خوش ہو جس طرح کسی عام آدمی کے سامنے جب اس کے دشمن کا عیب بیان کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، ایسی ہی خوشی اس شخص کو اپنا عیب سُن کر حاصل ہو، ایسا شخص نادر کا حکم رکھتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص تمام عمر جد وجہد کرے، محض اس امر میں کہ اس کے نزدیک ثنا گو اور عیب گو اس کی نظر میں برابر ہوں تب ہی وہ اس درجہ اور مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اس درجہ میں خطرے کا موقع یہ آتا ہے کہ جب مدح و مذمت میں فرق پیش نظر ہو گا تو مدح کی خواہش دل پر غالب آئے گی اور وہ اس کی فکر کرے گا (کوئی صورت ایسی نکلے کہ لوگ مدح کریں) اور بہت ممکن ہے کہ اس کے حصول کے لیے وہ عبادت میں ریا کرنے لگے اور اگر معصیت کے ذریعہ اس مقصد تک پہنچ سکتا ہے تب بھی اس کو حاصل کرے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صائم الدہر اور قائم اللیل پر افسوس کا اظہار فرمایا ہے شاید اس کا باعث یہی امر ہو کہ جب اس کے دل سے (مدح و ذم کے فرق کی) جڑ نہیں اکھڑی تو وہ پھر بہت جلد معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔

---

[1] متن کے الفاظ یہ ہیں " اگر ایں حدیث درست است کارے صعب است " (کیمیائے سعادت ص ۳۴۹ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۳۰۳ھ)

مذمّت سے خفا ہونا اور سچی تعریف سے خوش ہونا اگرچہ فی الواقع حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی فساد برپا نہ ہو۔ (حالانکہ فساد برپا نہ ہونا تو ممکن نہیں ہے یعنی فساد کا برپا ہونا بہت ممکن ہے۔) انسان سے بہت سے گناہ مدح سے محبت اور مذمت سے کراہت ہی کی بنا پر ہوتے ہیں اور تمام مخلوق کا یہی منظور اور مقصود ہوتا ہے۔ ہر ایک (نیک) کام کو لوگوں کے جتانے کے لیے کریں۔ لیکن جب یہ شوق غالب آجاتا ہے تو پھر آدمی سے ناشائستہ کام بھی صادر ہونے لگتے ہیں، ورنہ لوگوں کی دلداری جس میں ریا کا شائبہ نہ ہو مباح ہے۔

اصل ہشتم

ریا کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند قدوس کی بندگی اور طاعت میں ریا کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کے قریب ہے۔ عبادت کرنے والوں کے دلوں پر اس سے زیادہ کوئی اور بیماری غلبہ پانے والی نہیں ہے (عابدوں کا دل بہت جلد اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔) کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ عبادت وہ کریں لوگ اس سے واقف ہو جائیں اور ان کو پارسا اور زاہد سمجھیں اور جب عبادت کا مقصود خلائق بن جائے تو وہ عبادت نہیں رہی بلکہ خلق پرستی ہو گئی، اسی طرح اگر خالق کی عبادت کے ساتھ مخلوق کی خوشنودی بھی مقصود بن جائے تو یہ شرک ہے۔ گویا خداوند کریم کی عبادت میں دوسرے کو شریک بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

جو شخص خداوند تعالیٰ کے دیدار کا آرزومند ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (سورۃ ماعون)

تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں اور جو دکھاوا کرتے ہیں۔

کسی شخص نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نجات کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا کہ "تو خدا کی بندگی کرے اور ریا کے واسطے عمل نہ کرے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "قیامت

کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا طاعت کی! وہ جواب دے گا کہ میں نے خدا کی راہ میں اپنی جان فدا کی اور جہاد میں مارا گیا، اللہ تعالےٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، جہاد تو اس واسطے تو نے کیا تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، پس حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ اس کے بعد دوسرے شخص کو لایا جائے گا، اس سے دریافت کیا جائے گا تو نے کیا اطاعت کی، وہ کہے گا جو کچھ مال میرے پاس تھا وہ میں نے تیری راہ میں خیرات کر دیا، حق تعالےٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس واسطے یہ داد و دہش کی تھی تاکہ لوگ کہیں کہ یہ بہت سخی ہے۔ حکم ہوگا اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر ایک اور شخص لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا اے بندے! تو نے کیا طاعت کی؟ وہ جواب دے گا میں نے علم حاصل کیا علم قرآن سیکھا اور اس کے حاصل کرنے پر بہت محنت کی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے! تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں! اسکو بھی دوزخ میں لے جاؤ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کے معاملہ میں کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ان کے چھوٹے شرک سے! لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ریا ہے اور قیامت کے دن حق تعالےٰ فرمائے گا اے ریاکارو! تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو تم میری عبادت کیا کرتے تھے اور اپنے عمل کی جزا ان ہی سے مانگو۔"

جُبّ الحزن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جُبّ الحزن (غم کے گڑھے) سے خدا کی پناہ مانگو" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبّ الحزن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جہنم کا ایک غار ہے، جو ریاکار عالموں کے لیے بنایا گیا ہے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جس نے عبادت کی اور دوسرے کو میرے ساتھ شریک کر دیا تو میں شریک سے بے نیاز ہو، اسی واسطے میں نے تمام بندوں کو ایک دوسرے کا شریک بنا دیا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" اس عمل کو جس میں ذرہ برابر بھی ریا شامل ہوگا حق تعالےٰ قبول نہیں فرمائے گا۔"

نقل ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روتے دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا ہے کہ تھوڑا ریا بھی شرک ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ریاکار کو قیامت کے دن پکارا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اے ریاکار! اے مکار تیرا عمل ضائع ہوا اور تیرا اجر باطل ہوگیا۔ جا اور اپنا اجر اور اپنی مزدوری اسی سے مانگ جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا!!

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار میں نے اشکبار پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں، حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ میری امت کے لوگ شرک میں مبتلا ہو جائیں گے وہ بُت پرستی یا ستارہ پرستی تو نہیں کریں گے بلکہ عبادت ریا کے ساتھ کریں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے (حدیث شریف میں آیا ہے) کہ "عرش کے سایہ میں، اس روز کہ اس کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا) صرف وہ شخص رہے گا جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا اور اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو زمین کانپنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور پہاڑوں کی میخیں اس میں ٹھونک دیں گئیں، ملائکہ نے کہا کہ حق تعالیٰ ان پہاڑوں سے زیادہ قوی اور کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی، تب اس نے لوہا پیدا کیا اور اس نے پہاڑوں میں شگاف پیدا کر دیئے تب ملائکہ نے کہا کہ لوہا پہاڑوں سے قوی تر ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا فرمایا، آگ نے لوہے کو گلا دیا۔ پھر پانی کو پیدا، پانی نے آگ کو بجھا دیا، پھر باد کو پیدا کیا، باد نے پانی کو ساکن کر دیا، اس پر ملائکہ آپس میں جھگڑنے لگے کہ قوی ترین چیز کونسی ہے، ملائکہ نے کہا کہ خداوند تعالیٰ سے دریافت کرنا چاہیے کہ اس کی مخلوق میں قوی ترین کون ہے؟ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی تمام مخلوق سے زیادہ قوی ہے جو اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو، میں نے اس سے زیادہ کسی مخلوق کو قوی نہیں بنایا ہے۔

سات فرشتے اور سات آسمان:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں کے پیدا فرمانے سے پہلے سات فرشتے پیدا کیے اس کے بعد سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک فرشتے کو ایک ایک آسمان پر موکل فرما دیا اور اس کو اس دربانی سپرد فرما دی۔ جب زمین کے فرشتے جن کا نام حفظہ ہے اور جن کا کام یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک بندوں کے اعمال لکھتے رہیں، جب بندے کے اعمال کو اٹھا کر پہلے آسمان پر لے جاتے ہیں اور اُس بندے کی عبادت کی تعریف کرتے ہیں کہ جس نے ایسی عبادت کی ہو جو آفتاب کے نور کی طرح تاباں اور درخشاں ہو تو وُہ فرشتہ جو پہلے آسماں کا دربان ہے کہتا ہے کہ اس طاعت کو اس کے منہ پر مار دو کہ میں اہل غیبت کا دربان ہوں اور حق تعالیٰ کا مجھے حکم ہے کہ بدگوئی (غیبت) کرنے والے کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں! پھر دوسرے شخص کے عمل کو جو غیبت سے پاک صاف رہا ہے فلک دوم تک لے جاتے ہیں وہاں کا دربان فرشتہ کہتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اور اس کے منہ پر دے مارو۔ کیونکہ اس نے یہ عمل دنیا کے لیے کیا ہے اور اس نے مجلسوں اور محفلوں میں لوگوں کے سامنے اپنے اس عمل پر فخر کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کے عمل کو

کو آگے نہ بڑھنے دوں اس کے بعد اور دوسرے کے عمل اوپر لے جائیں گے، اس میں صدقات نماز اور روزوں کا حساب ہوگا، حفظہ فرشتے اس کے نور سے حیران ہوں گے۔ دوسرے آسمان سے گذر کر جب تیسرے آسمان پر پہنچے گا تو وہاں کا موکل فرشتہ کہتا ہے کہ میں تکبر کا موکل ہوں اور مجھے حکم ہے کہ میں متکبروں کے عمل کو روکوں، یہ شخص لوگوں کے سامنے تکبر کیا کرتا تھا پس تکبر کے باعث تیسرے آسمان سے اس کے عمل کو بھی واپس کردیا جاتا ہے) پھر ایک اور ایسے شخص کا عمل لے جاتے ہیں جو تسبیح و تہلیل، نماز اور حج کے نور سے درخشاں ہوتا ہے۔ یہ چوتھے آسمان تک لے جایا جاتا ہے، وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ یہ عمل اس کے منہ پر مار دو میں غرور و نخوت کا موکل ہوں اس بندے کا یہ عمل غرور کے بغیر نہ تھا میں اس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں گا، پھر اور دوسرے کے عمل کو بلند کریں گے وہ عمل حسن و جمال میں اس دلہن کی طرح آراستہ ہوگا جو سج دھج کے ساتھ شوہر کے گھر جاتی ہے، اس عمل کو پانچویں آسمان تک لے جائیں گے وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ اس شخص کے عمل کو اس کے منہ پر مارو اور اس کی گردن پر ڈال دو کہ میں حسد کا موکل ہوں جو کوئی علم و عمل میں اس شخص کے درجہ تک پہنچتا تھا یہ اس پر حسد کرتا اور اس کو بیان کرتا تھا اور مجھے حکم ہے کہ میں حاسدوں کے عمل کو آگے نہ جانے دوں اب ایک اور دوسرے شخص کے عمل کو اٹھایا جائے گا، اس میں بھی نماز، روزہ، حج وعمرہ وغیرہ درج ہوگا اس کو چھٹے آسمان تک لیجایا جائے گا۔ وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا کہ یہ عمل اس کے منہ پر مارو کیونکہ یہ شخص کسی غریب آفت رسیدہ پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ شاد ہوتا تھا، میں فرشتۂ رحمت ہوں مجھے حکم ہے کہ میں بیرحم و سنگدل کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں، پھر ایک شخص کے عمل کو اٹھایا جائے گا اور اس کو ساتویں آسمان تک لیجائیں گے، نماز، روزہ، نفقہ، جہاد کے سبب سے اس کی روشنی آفتاب کے نور کی مانند ہوگی اور اس کی بزرگی کا شور آسمانوں پر ہر طرف بلند ہوگا، تین ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلیں گے اور ساتویں آسمان تک فرشتے، کسی کو طاقت نہیں ہوگی کہ اس کو روکے جب یہ ساتویں آسمان پر پہنچے گا تو وہاں کا فرشتہ اس عمل کو روک کر کہے گا کہ اس کو صاحب عمل کے منہ پر مار دو اور اس کے دل پر قفل لگا دو کیونکہ اس نے یہ عمل خالصاً للہ نہیں کیا تھا بلکہ ان اعمال سے اس کا مقصد یہ تھا کہ علماء کے نزدیک نام و نشان اور جاہ و حشم پیدا کرے اور سارے جہان میں اس کی شہرت ہو مجھے حکم ہے کہ اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں، کہ جو عمل خالصاً للہ نہ ہو وہ ریا ہے اور خداوند تعالےٰ ریا کے عمل (عمل ریائی) کو قبول نہیں فرماتا، اس کے بعد ایک اور شخص کے عمل کو لیجائیں گے وہ ساتویں آسمان سے گذر جائے گا، اس میں تمام نیک اخلاق ہوں گے، ذکر، تسبیح اور ہر قسم کی عبادات ہوں گی تمام آسمانوں کے فرشتے اس عمل کے جلو میں چلیں گے یہاں تک کہ وہ بارگاہِ الٰہی تک پہنچ جائے گا

اور سب فرشتے گواہی دیں گے کہ یہ عمل پاک اور با اخلاص ہے۔ اس وقت خداوند تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے فرشتو! تم اس کے عمل کے نگہبان تھے اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں، اس نے یہ عمل میرے واسطے نہیں کیا اس کے دل میں نیت کچھ اور ہی تھی، اس پر میری لعنت ہو۔ تب وہ تمام ملائکہ کہیں گے الٰہی! اس پر تیری لعنت ہی ہو اور سب کی لعنت بھی اس پر ہو۔ اس وقت تمام آسمان اور تمام ملائکہ اس پر لعنت کریں گے۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ریا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں (ان میں سے یہ چند ہم نے بیان کردیں)

ریا کے بارے میں صحابہؓ کرام کے اقوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا سر نیچے کیے ہوتے ہے یعنی یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میں پارسا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اے گردن کج کرنے والے! گردن سیدھی کر! تواضع اور خاکساری کا تعلق دل سے ہے گردن سے نہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر سر رکھے ہوئے رو رہا ہے، حضرت ابو امامہؓ نے اس سے کہا کہ اے شخص یہ کام جو تو مسجد میں کر رہا ہے اگر اپنے گھر میں کرتا تو کوئی تجھ جیسا نہ ہوتا (تو بے مثال شخص ہوتا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ریا کار کی تین علامتیں ہیں ایک یہ کہ خلوت میں تو کاہل رہتا ہے (عمل نہیں کرتا) اور لوگوں کے سامنے چست چالاک، دوسرے یہ کہ جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو بڑھ چڑھ کر عبادت کرتا ہے، تیسری یہ کہ ملامت اور سرزنش سے اپنے عمل کو کم کر دیتا ہے۔

کسی شخص نے حضرت سعید بن مسیبؓ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص ثواب کی خاطر اور لوگوں کی تعریف کے لیے اپنا مال کسی کو دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیا اس کا ارادہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی خفگی میں گرفتار ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تو جب وہ یہ کام کرتا ہے تو صرف اللہ کے لیے کرنا چاہیئے (خالصًا للہ ہونا چاہیئے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دُرّے مارے پھر فرمایا اے شخص مجھ سے بدلہ لے اور مجھے مار! اس نے کہا میں نے

لہ دُرّے مارنے کے بعد اس کا بے قصور ہونا آپ پر ظاہر ہو گیا ہوگا جب ہی آپ نے بدلہ لینے کے لیے فرمایا، متن کے الفاظ یہ ہیں:
"یکے را دُرّہ زد۔ وگفت بیا قصاص کن از من۔ مرا باز زن" (کیمیائے سعادت ص۳۵۱)

آپ کی خاطر اور خدا کے واسطے آپ کو معاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات تجھے فائدہ نہ دے گی یا تو صرف میرے واسطے بخش دے تاکہ میں اس کا حق پہچانوں یا بغیر شرکت خدا کے واسطے بخش دے! اس نے کہا کہ میں نے محض خدا کے لیے بخش دیا!

شیخ فضیلؒ نے کہا کہ پچھلے زمانے کے لوگ تو اپنے عمل میں ریا کرتے تھے، اور اب لوگ ان کاموں میں ریا کرتے ہیں جو وہ نہیں کرتے (ریا بے عمل)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مجھ سے کس طرح استہزاء کر رہا ہے۔

وہ کام جن میں لوگ ریا کرتے ہیں

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ ریا کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پارسا ظاہر کرے تاکہ وہ لوگ اس کی عزت کریں اور ان کے دلوں میں اس کی جگہ پیدا ہو اور اس کو نیک مرد سمجھیں اور یہ بات اس طرح سے ہوتی ہے کہ دین میں جو کام پارسائی اور بزرگی کے ہیں ان کو مخلوق کے سامنے کرے اور یہ پانچ صورتوں میں واقع ہوتا ہے، یعنی اس کی پانچ قسمیں ہیں، پہلی قسم کا تعلق بدن کی ظاہری صورت سے ہے۔ مثلاً آدمی اپنا چہرہ زرد بنالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ شب بیدار رہا ہے، یا خود کو دبلا اور کمزور بنالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بہت عبادت کی ہے، یا ہر دم غصہ اور جھنجھلاہٹ میں رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو ہر وقت دین کا غم لگا رہتا ہے اور اس غم کے باعث بے حال ہو گیا ہے، اپنے بالوں میں کنگھی نہ کرے تاکہ لوگ خیال کریں کہ دینی مصروفیت سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ شانہ بھی کر سکے اور خود سے اس قدر غافل ہے، بات کرتا ہے تو بہت آہستہ سے کرتا ہے بلند آواز سے نہیں بولتا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مرد با تمکین اور سنجیدہ ہے، اپنے ہونٹوں کو خشک رکھتا ہے تاکہ خیال کریں روزہ دار ہے، جبکہ ان تمام کاموں کا سبب اور ان کی علت لوگوں کا گمان اور پندار ہے تو ان کے ظاہر کرنے میں دل کو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے، اسی باعث سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب کوئی شخص روزہ رکھے تو چاہیے کہ بالوں میں شانہ کرے اور لبوں کو چکنا کرے (تیل لگائے) اور سرمہ لگائے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ روزہ دار ہے

دوسری قسم وہ ریا ہے جس کا تعلق لباس سے ہے جیسا کہ آدمی کمبل اور موٹا، معمولی، پھٹا ہوا میلا لباس پہنے تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ شخص بہت بڑا زاہد ہے کہ عمدہ لباس سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہے، یا میلے کپڑے اور پیوند دار جاء نماز (مصلیٰ) جیسا کہ صوفیوں کا معمول ہے اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ لوگ اس کو صوفی خیال کریں حالانکہ صوفیوں کے عمل سے قطعی بے بہرہ ہو۔ یا لنگ و دستار کے اوپر چادر اوڑھے اور چمڑے کے موزے (پاتابہ) پہنے تاکہ لوگ خیال کریں کہ اس شخص کو طہارت کا بڑا خیال ہے اور بہت احتیاط کرتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو، یا عبا اور رداء

ہر وقت پاس رکھتا ہو تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ عالم[1] ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔ لباس میں ریا کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو عوام الناس کی عقیدت کے درپے رہتا ہے اور ہمیشہ کے لیے پرانے اور میلے کپڑے پہنتا ہے، اگر ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم لوگ توزی یا خز کا لباس پہنو کہ یہ حلال ہے تو اس پر عمل کرنے سے مرجانا بہتر سمجھتے ہیں، ڈرتے ہیں اگر وہ ایسا عمل کریں گے تو لوگ کہیں گے کہ فلاں زاہد نے اپنے زہد کو ترک کر دیا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو خواص و عوام اور سلاطین کے قرب کے خواہاں رہتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اگر پرانا یا موٹا لباس پہنیں گے تو بادشاہ کی نظر میں حقیر ہوں گے اور اگر لباس فاخرہ زیب تن کریں گے تو عوام کی نظر میں بے قدر ہو جائیں گے۔ پس وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ باریک صوف اور نقش و نگار والی لنگیاں (ازار) استعمال کریں۔ جیسا زاہدوں کے کپڑوں کا رنگ ہوتا ہے، تاکہ عوام اس کو زاہدوں ہی کا لباس خیال کریں اور بظاہر وہ گراں قیمت معلوم ہوں تاکہ اُمراء اور سلاطین حقارت سے ان کے لباس کو نہ دیکھیں، اگر تم ان سے کہو کہ تم لوگ موٹے ریشم کا ایسا لباس پہن لو جو تمہاری اِن ازاروں (لنگیوں) سے قیمت میں کم ہے وہ تمہاری اس بات کو ہرگز قبول نہیں کریں گے، الغرض یہ لوگ ہر ایسے لباس کے پہننے سے بچیں گے جس کے استعمال کرنے سے لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ انہوں نے زہد کو ترک کر دیا ہے اور یہ احمق لوگ دل میں خیال کرتے ہیں کہ زاہدوں کا یہ حلال لباس بازار میں پہن کر نکلنا مناسب نہیں ہے اور گھر میں مخفی طور پر اس کو پہنتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس طرح بندوں کی پرستش کرتا ہے اور اگر کبھی اس کو اس بات کا خیال آتا ہی ہو گا تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

ریا کی تیسری قسم تیسری قسم کا ریا وُہ ہے جو گفتار اور بول چال سے ظاہر ہو، مثلاً ہر وقت اپنے لبوں کو جنبش دیتا رہتا ہے تاکہ لوگ خیال کریں کہ یہ شخص ایک لحظہ کے لیے بھی ذکر سے غافل نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہ ذکر کرتا بھی ہو لیکن دل میں ذکر کرنے اور لبوں کو جنبش نہ دینے پر راضی اور تیار نہیں ہوتا کیونکہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ لب نہیں ہلائے گا اور صرف دل میں ذکر کرے گا تو لوگوں کو اس کے معروف ذکر ہونے پر آگاہی نہیں ہو گی اور جس طرح وہ لوگوں کے سامنے اجتناب کرتا ہے اس طرح خلوت اور تنہائی میں نہیں کرتا، یا اس نے صوفیوں کی باتیں سیکھ لی ہیں اور ان کو بیان کرتا رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ علم تصوّف میں بڑا کامل ہے، یا ہر وقت سر کو ہلاتا اور جھکاتا رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ حالتِ وجد میں ہے یا ہر وقت آہیں بھرتا رہتا ہے، اُداس اور غمگین رہتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دینِ اسلام کا غم کھا رہا ہے، یا بہت سی احادیث اور حکایاتِ صحابہؓ سیکھ لی ہیں اور ان کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگ خیال کریں کہ بہت بڑا عالم ہے، اور اس نے بہت سے شیوخ زمانہ کو دیکھا ہو گا اور بہت سیر و سیاحت کی ہو گی۔

---

[1] جس طرح آج کل سنہری کمانی کا چشمہ لگایا جاتا ہے۔

ریا کی چوتھی قسم

چوتھی قسم کا ریا وُہ ہے جو اطاعتِ الٰہی میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص دُور دراز سے اس کے پاس ملنے آیا تو اس کے سامنے نماز اچھے طریقہ سے ادا کرے، سر کو خوب جُھکائے، رکوع و سجود میں وقفہ کو طویل کرے اور ادھر ادھر نظر بالکل نہ کرے۔ خیرات دے تو لوگوں کو دکھا کر دے، اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں مثلاً رفتار میں آہستگی اختیار کرے اور سر کو آگے جھکاتے رکھے اور اگر تنہا ہو تو تیز رفتاری سے کام لے ادھر اُدھر دیکھتا جائے اور جب کوئی شخص دُور سے اس کی طرف آتا ہوا نظر آئے تو آہستہ چلنے لگے۔

ریا کی پانچویں صورت یہ ہے کہ لوگوں پر ظاہر کرے کہ میرے مرید اور شاگرد کثرت سے ہیں اور کئی اُمراء میری ملاقات کو اپنی سعادت جان کر آتے ہیں، علماء میری عزت و تکریم کرتے ہیں اور مجھے اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھار اس طرح باتیں کرنے لگتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو مخاطب سے کہتا ہے کہ بتا تو تیرا پیر کون ہے اور تیرے مرید کتنے ہیں میں تو اتنے پیروں سے ملا ہوں اور فلاں مرشد کی خدمت میں اتنا رہا ہوں تو نے بھی کسی کو دیکھا ہے غرضکہ اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور اس کے لیے بہت سے دُکھ اُٹھاتا ہے۔ کھانے پینے میں ریا کاری بہت آسان ہے مثلاً ایک راہب کی طرح اپنی خوراک بہت کم کر دے تاکہ لوگ اس کی یہ کم خوراکی دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ ایسے کام پارسائی کے اظہار کی خاطر عبادت میں حرام ہیں کیونکہ زہد اور پارسائی محض اللہ کے لیے ہونا چاہیئے البتہ ایسے کام میں جو داخل عبادت نہیں ہیں اگر خلق میں مقبول ہونے یا کسی مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو روا ہے۔ جیسے گھر سے باہر نکلنے کے وقت اگر اچھے لباس سے آپ کو آراستہ کرے تو یہ مباح بلکہ سنت ہے کیونکہ اس سے آدمیت کی خوبی کا اظہار ہوتا ہے۔ پارسائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص لغت دانی، نحو، حساب اور طب میں، جس کا تعلق طاعت و عبادت سے نہ ہو اگر اپنی فضیلت ظاہر کرے تو ایسا ریا مباح ہے کیونکہ ریا طلب جاہ کو کہتے ہیں اور جب یہ حد سے تجاوز نہ کرے تو مباح ہے لیکن طاعت و عبادت میں ریا قطعی منع ہے اور درست نہیں ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کچھ اصحاب سے ملاقات کے لیے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ آپ نے پانی سے بھرے ہُوئے گھڑے میں روئے مبارک دیکھ کر اپنا عمامہ مقدس اور موہائے مبارک درست فرمائے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ خود کو سنوار رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حق تعالیٰ اس بندے کو دوست رکھتا ہے جو بھائیوں کی ملاقات کو جاتے وقت اچھی پوشاک پہنے اور خود کو سنوارے! اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو سنوارنا عین دینداری کی علامت تھی اس لیے کہ آپ کو بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم ہوا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں اور دلوں میں آپ خود کو سنواریں تاکہ وہ آپ کی طرف مائل ہوں اور آپ کی اقتداء کریں۔ بایں ہمہ اگر کوئی شخص ایسا شان و تجمل کے واسطے بھی کرے تو روا ہے بلکہ سنت ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود کو پریشان صورت اور آدمیت کے جامہ سے باہر

رکھے گا تو لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس سے نفرت کا اظہار کریں گے، اس طرح وہ اس غیبت اور نفرت کا موجب اور سبب خود ہی ہوا لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا، عبادت میں ریاکاری حرام ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ اس میں دغا اور فریب ہے کہ وہ لوگوں پر تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ عبادت اخلاص سے کرتا ہے لیکن جب کہ اس کے دل کی نظر اس معاملہ میں مخلوق کی طرف ہے تو وہ اخلاص نہیں رہا۔ اور اگر لوگوں نے خود یہ معلوم کر لیا کہ اس کی عبادت ریائی ہے تو اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اس کو قبول نہیں کریں گے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ نماز و روزہ حق تعالیٰ کی بندگی ہے پس اگر وہ اس کو بندوں کے لیے کرے گا تو گویا (نعوذ باللہ) خداوند تعالیٰ سے ٹھٹھول کر رہا ہے، ایک ایسے کام میں جو فی الحقیقت خدا ہی کے لیے ہوتا ہے اس نے ایک عاجز اور کمزور بندے کو پیش نظر رکھا۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ کے حضور میں اس کے تخت کے سامنے بظاہر خدمت کے لیے کھڑا رہا لیکن اس کا حقیقی مقصد اور اصل منشا یہ تھی کہ بادشاہ کی لونڈی اس کو دیکھے بادشاہ پر تو وہی ظاہر کرتا ہے کہ میں خدمت میں کھڑا ہوں، حالانکہ اس کا مقصد دوسرا ہی ہے۔ اسطرح وہ بادشاہ کا مذاق اڑا رہا ہے کہ اس کی دوسری غرض (بادشاہ کی لونڈی کا اس کی طرف دیکھنا) پہلی غرض (خدمت شاہ) سے اہم ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص نماز جتلانے اور دکھاوے کو پڑھتا ہے تو واقعہ میں اس کا رکوع و سجود مخلوق کے واسطے ہوگا (خالق کے لیے نہیں ہوگا) اور ظاہر ہے کہ اگر آدمی کو صرف تعظیم ہی کے لیے سجدہ کیا جائے تو یہ شرک ظاہری ہے اور اگر آدمی کی تعظیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی قبولیت کا بھی طالب ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سجدہ خدا کے حضور میں ہو اور ساتھ ہی ساتھ قبولیت خلق بھی حاصل ہو تو اس ریا کو شرک خفی کہتے ہیں۔

ریا کے درجات

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کے درجے مختلف ہیں، کوئی درجہ چھوٹا، بڑا، کوئی سب سے بڑا ہوتا ہے درجات کا یہ اختلاف تین اصول یا وجوہ سے پایا جاتا ہے۔ اس کی پہلی اصل یہ ہے کہ ریا میں ثواب بالکل مقصود نہ ہو۔ جیسے ایک شخص نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا، اگر وہ اکیلا ہوتا تو یہ کام نہ کرتا یہ سب سے عظیم ریا ہے اس ریا پر عذاب بھی بہت بڑا اور سخت ہوگا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ریاکار کو اپنے عمل پر ثواب بھی مقصود ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ تنہا ہوتا تو نہ نماز پڑھتا اور نہ روزہ رکھتا۔ ریا کا یہ درجہ بھی پہلے درجہ سے قریب تر ہے اور ثواب کا یہ ضعیف ارادہ اس کو غضب الٰہی سے نہ بچا سکے گا (اس پر غضب الٰہی نازل ہوگا) ایک صورت یہ ہے کہ عبادت سے ثواب کا قصد غالب ہو۔ مثلاً اگر تنہا ہوتا تب بھی وہ یہ عبادات بجالاتا لیکن دوسرے لوگوں کے سامنے بہت خوشی سے نماز پڑھتا ہے اور خدا کی بندگی و اطاعت کو دشوار نہیں سمجھتا اس صورت میں امید ہے کہ ایسے ریاکار کی عبادت ضائع نہ ہو اور ثواب حبط و اکارت نہ جائے لیکن جس قدر ریا کا غلبہ ہوگا اسی نسبت سے اس کو عذاب دیا جائے گا یا اسی قدر اس کا ثواب کم کر لیا جائے گا۔ اگر دونوں قصد (ریا اور قصد ثواب) برابر ہوں اور

ایک کو دوسرے پر غلبہ نہ ہو تو یہ صورت شرکت کی ہے اور احادیث شریفہ سے ظاہر ہے کہ ایسے ریا سے بھی عذاب میں مبتلا ہو گا۔

اختلاف کی اصل دوم کا تعلق اس چیز سے ہے جس میں ریا کیا جاتا ہے اور وہ خداوند تعالےٰ کی طاعت، بندگی ہے اس کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ریا ہے جو اصل ایمان میں کیا جائے اور ایسا ایمان منافق کا ہے اور اس کا انجام کافر سے بھی بدتر ہے کیونکہ ایسا شخص باطن میں بھی کافر ہے اور ظاہر میں بھی دغا کرتا ہے، ایسے لوگ ابتدائے زمانہ اسلام میں کثرت سے تھے اور اب شاذ ونادر ہیں، البتہ اباحتی اور ملحد جو شریعت اور آخرت کے منکر ہیں اور علانیہ شرع کے خلاف عمل کرتے ہیں یہ لوگ بھی منافقوں میں داخل ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

دوسری قسم کا ریا وہ ہے جو اصل عبادت میں واقع ہو۔ مثلاً کوئی شخص لوگوں کے سامنے بغیر طہارت کے نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے اگر تنہا ہوتا تو نہ رکھتا یہ بھی عظیم ریا ہے لیکن ایمان کے ریا سے اس کی معصیت کم ہے یعنی ایسا شخص خداوند تعالےٰ کے حضور میں مقبول ہونے کی بہ نسبت مخلوق میں مقبول ہونے کو زیادہ دوست رکھتا ہے تو اس کا ایمان ضعیف ہے اگرچہ وہ اس سے کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر موت کے وقت بھی توبہ نہ کرے تو اندیشہ کفر کا ہے۔

تیسری قسم وہ ریا ہے جو اصل ایمان اور فرائض میں نہ کیا جائے لیکن سنتوں اور نفلوں میں کرے۔ مثلاً تہجّد کی نماز پڑھتا ہے، صدقہ وخیرات کرتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، عرفہ، عاشورا، دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے تاکہ لوگ اس کے شاکی نہ ہوں یا اس کی ان اعمال سے باعث تعریف وتوصیف کریں لیکن کبھی وہ ان کو ترک کر کے کہتا ہے کہ ان کا کرنا اور نہ کرنا برابر اور یکساں ہے کیونکہ یہ مجھ پر واجب نہیں ہیں اور نہ میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مجھ پر مواخذہ بھی نہ ہو، ایسا عقیدہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ تمام عبادتیں حق تعالےٰ کے لیے ہیں۔ خلائق کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ جب کوئی شخص ایسی چیز کو جو خداوند تعالےٰ کا حق ہے مخلوق کے لیے کرے گا اور خلائق کو اپنا مقصود بنائے گا تو یہ محض استہزا اور مسخرگی ہے اور مستوجب عذاب ہے۔ اگرچہ فرائض میں ریا کرنے کی بہ نسبت اس میں عذاب کم ہے۔ اور سنتوں میں جو عبادت ہی کی صفتیں ہیں (از قسم عبادت ہیں) ریا کرنا اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی عبادت کو کوئی دیکھ رہا ہے تو رکوع وسجود کو اعتدال سے بجالاتا ہے۔ ادھر اُدھر نظر نہیں کرتا، قرأت طویل کرتا ہے، جماعت میں شریک ہوتا ہے، منفرد نماز ادا نہیں کرتا۔ جماعت میں پہلی صف میں بیٹھتا ہے۔ زکوٰۃ میں اپنا بہترین مال صرف کرتا ہے اور روزے میں زبان پر قابو رکھتا ہے (بیہودہ گوئی سے بچتا ہے) ان تمام امور کو محض مخلوق کے دکھاوے کے لیے بجالاتا ہے۔ یہ تمام باتیں ریا ہی میں داخل ہیں۔

اصل سوم: تیسری اصل کا تعلق ریا کے مقصد میں اختلاف سے ہے کیونکہ ریا بغیر کسی مقصد کے نہیں ہوتا اس کی کچھ نہ کچھ غرض وغایت ہوتی ہے اس کے بھی تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ ریا کا مقصد ایسے مرتبہ اور جاہ کا حصول

ہو جو اس کو ایک فسق اور معصیت تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے اس کی مثال یہ ہے کہ اپنی امانت داری اور پرہیزگاری ثابت کرے اور شبہ کی چیزوں سے بھی احتراز کا ظہار کرے اور ان باتوں سے مقصد یہ ہو کہ اسکو بڑا دیانتدار سمجھ کر مال وقف کا انتظام، قضا کی خدمت (قاضی کا عہدہ) اجرائے وصیت اور یتیم کے مال کی نگہداشت اس کے سپرد کر دی جاتے تاکہ ان کاموں میں خیانت کا امکان نہ رہے، یا حکومت کی طرف سے یا نجی طور پر زکوٰۃ اور خیرات کا مال اس کے سپرد کر دیا جاتے کہ وہ اپنی نگرانی میں اس کے حق داروں کو پہنچادے، یا حج کے سفر میں بطور زادراہ درویشوں اور ضرورت مندوں کو دے دے یا خانقاہ میں درویشوں اور فقیروں کی خدمت میں خرچ کرتا ہے یا اس مال سے سرائے اور مسجد کی تعمیر کرادے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ریاکار مجلس منعقد کرتا ہے اور خود کو پارسا ظاہر کرتا ہے اور کسی عورت کو تاکتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ عورت اس کی پارسائی سے مرعوب ہو کر اس کی طرف مائل ہو جاتے تاکہ اس کے پاس آنا جانا شروع کر دے۔ اگر وہ خود مجلس منعقد نہیں کرتا تو آپ ایسی محفل یا مجلس میں اس ارادے سے جاتا ہے کہ کسی عورت کو تاکے یا کسی خوبصورت لونڈے (امرد) کو دیکھے۔ یہ تمام ارادے معصیت ہیں۔ کیونکہ اس نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کا حیلہ تراش کر معصیت کا پہلو تلاش کیا اور یہی حال اس شخص کا ہے جس پر مال میں خیانت کرنے یا عورت کی طرف مائل ہونے کی تہمت ہو اور وہ اس تہمت اور بہتان سے برآت کے لیے اپنا مال خیرات کرے اور اپنے زہد کا اظہار کرے تاکہ لوگ کہیں کہ صاحب جو شخص اپنا مال اس طرح خیرات کرتا ہو وہ دوسرے کے مال پر کیا نظر ڈالے گا۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ اس کا مقصود کوئی فعل مباح ہو۔ مثلاً ایک واعظ جو خود کو پارسا ظاہر کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کو مال پیش کریں یا کوئی عورت اس سے نکاح کی رغبت کرے لیکن ایسا شخص بھی عتاب الٰہی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ اگرچہ پہلے درجہ کی بہ نسبت اس کی معصیت کم ہے لیکن عذاب ضرور ہو گا کہ اس نے بھی خداوند تعالیٰ کی طاعت کے بہانے سے دنیاوی متاع کی خواہش کی حالانکہ طاعت و بندگی بارگاہِ الٰہی سے تقرب حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتی ہے لیکن اس شخص نے سعادتِ اُخروی کو دنیا طلبی کا وسیلہ بنایا تو اس طرح اس نے عبادت و طاعت میں بڑی خیانت کی۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خواہش نہ ہو (طاعت و بندگی سے کوئی غرض دُنیاوی وابستہ نہ ہو) لیکن اس بات سے بچتا ہو کہ اس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے اس کی عزت و حرمت پر کوئی حرف نہ آئے (عزت و حرمت کا تحفظ پیش نظر ہو) جس طرح ہم زاہدوں اور صلحا کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس کا ہر دم خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً اثنائے راہ میں کوئی نظر آئے تو اس کا سر جھکا ہوا پاتے اور خراماں خراماں چل رہا ہوتا کہ لوگ اس کو دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ شخص غفلت شعار ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ راستہ چلنے میں بھی یہ شخص دین کے

کاموں سے فارغ نہیں ہے، یا اگر اس کو ہنسی آجائے تو اپنی ہنسی کو روک لے تاکہ لوگ اس کو ہنسوڑ اور ٹھٹھے باز نہ سمجھیں، یا وہ محض اس خیال سے خوش طبعی سے الگ رہتا ہے کہ لوگ اس کو خوش طبع اور ظریف نہ کہنے لگیں یا ہر وقت سرد آہیں بھرتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے۔

"اللہ اللہ! انسان کس طرح غفلت میں گرفتار ہے، ایک
مہم ہمارے سامنے ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کی غفلت پر
تعجب ہے۔"

اللہ تعالیٰ اس کے دل کے راز سے آگاہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے تو اس طرح تفکر کرتا ہے لیکن اگر وہ تنہا ہوتا تو اس طرح کبھی بھی استغفار نہ کرتا اور اس طرح دلسوزی کی باتیں نہ کرتا یا جب اس کے سامنے کسی کی غیبت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے "آدمی کو چاہیئے کہ اپنا ضروری کام کرے اور اپنے عیب کو دیکھے۔" اور اس کا یہ قول محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کو لوگ غیبت سے بیزار جانیں یا اس کے سامنے کچھ لوگ تراویح یا تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں یا بعض لوگ دوشنبہ یا جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں اب اگر یہ ایسا نہیں کرتا ہے تو لوگ اس کی اس بات کو سستی اور ضعفِ عبادت پر محمول کریں گے اس لیے وہ بھی اس نماز اور روزے میں شریک ہو جاتا ہے یا وہ عرفہ یا عاشورہ کے دن روزہ تو نہیں رکھتا لیکن پیاس کے باوجود پانی نہیں پیتا تاکہ لوگ اس کو بھی روزہ دار سمجھیں یا اس کے روزہ نہ رکھنے پر واقف نہ ہوسکیں، یا جب اس سے کہا جائے کہ کھانا کھائیے تو جواب میں کہے کہ مجھے ایک عذر ہے یعنی روزہ دار ہوں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ایسی حرکت کر کے اس نے دو برائیوں کو جمع کیا ہے ایک تو نفاق کیونکہ وہ خود روزہ دار نہیں! دوسرے صاف گوئی سے بچ رہا ہے، صاف صاف یہ نہیں کہتا ہے کہ روزہ دار ہوں اور اپنی عبادت کو میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس نے یہ کہا کہ مجھے ایک عذر ہے یہ نہیں کہا کہ میں روزے سے ہوں اور مقصد یہ ہے کہ خود کو مخلص ظاہر کرے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ پیاس سے بیتاب ہو کر اس نے پانی پی لیا لیکن اپنی مشیخت اور بزرگی کے تحفظ کے لیے لوگوں سے کہا کہ کل میں بیمار تھا اس لیے آج روزہ نہیں رکھا یا فلاں شخص نے میرا روزہ کھلوا دیا اور لفظ فی الحال استعمال نہیں کیا محض اس اندیشہ سے کہ لوگ اس کو ریا سمجھیں گے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد اثنائے گفتگو میں کہتا ہے کہ ماں کا دل بہت نرم ہوتا ہے وہ سمجھتی ہیں کہ اگر بیٹے نے نفلی روزہ رکھ لیا تو مر جائے گا یعنی میں نے محض والدہ کی خاطر سے روزہ نہیں رکھا یا اس طرح کہتا ہے کہ جب لوگ روزہ رکھتے ہیں تو رات کو جلد سو جاتے ہیں اور ان سے شب بیداری نہیں ہوتی (یعنی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور شب بیداری بھی کرتا ہوں) غرضیکہ ریا کی اس نجاست کے سبب سے جو اس کے دل میں موجود ہے شیطان اس کی زبان سے ایسی باتیں کہلواتا ہے اور افسوس کہ ایسا قاری جاہل اس بات سے بے خبر ہے کہ اس طرح وہ آپ اپنی جڑ کو کھیر رہا ہے۔ اور اپنی عبادت کو تباہ و برباد کر رہا ہے اور یہ بات

کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ بعض ریا تو چیونٹی کی چال کی آواز سے زیادہ پوشیدہ اور مخفی رہتے ہیں بڑے بڑے ہوشیار اور ہوشمند علماء ریا کی اس چال کو نہیں پہچان سکتے تو پھر نادان اور احمق عابدوں کا کیا مقدور ہے کہ اس کو پہچان سکیں۔

وہ ریا جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے!

اے عزیز معلوم ہونا چاہیے کہ بعض ریا تو ظاہر ہیں۔ مثلاً ایک شخص تہجد کی نماز لوگوں کے سامنے پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں نہیں پڑھتا، یہ ریا ظاہر ہے مخفی نہیں ہے البتہ اس سے مخفی وہ ریا ہے کہ ایک شخص نماز تہجد ادا کرنے کا عادی ہے، تنہائی میں بھی پڑھتا ہے لیکن جب کوئی شخص اس کے سامنے موجود ہوتا ہے تو پھر وہ اس کو بڑے ذوق و شوق سے اور خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرتا ہے اور ادائیگی میں سستی بالکل سرزد نہیں ہوتی۔ یہ ریا بھی ظاہر ہے، چیونٹی کی رفتار کی طرح مخفی نہیں، کیونکہ اس کو ہر ایک پہچان سکتا ہے۔ وہ ریا تو اس سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ آدمی میں نہ نماز کا شوق افزوں ہوا اور نہ اس میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئی ہر شب نماز پڑھتا ہے اور فی الحال ریا کی کچھ علامت اس میں ظاہر نہیں ہوتی لیکن اس کے دل کے اندر ریا بالکل اس طرح موجود ہے جس طرح آگ لوہے میں چھپی رہتی ہے۔ اس کی تاثیر اس وقت ظاہر ہوتی ہے کہ جب لوگوں پر اس کی تہجد گذاری ظاہر ہو اور وہ لوگ کہیں کہ یہ شخص تہجد گذار ہے، اس وقت دل کو خوشی اور انبساط حاصل ہو پس یہی خوشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے باطن میں ریا چھپا ہوا ہے اگر وہ اپنی طبیعت سے اس فرحت و انبساط کو رفع نہیں کرے گا تو اس بات کا ڈر ہے کہ یہ ریا کی آگ بھڑک اٹھے اور پھر در پردہ بھی وہ یہ چاہنے لگے کہ کوئی ایسی صورت کرے کہ لوگ اس کے اس نیک عمل سے واقف ہو جائیں اگر صراحتاً اظہار نہ بھی کرے تو اشارۃً اور کنایۃً اس کا اظہار کرے اور اگر کنایۃً بھی اظہار نہ کرے تو اپنی سج دھج سے اس کا اظہار کرے اور اس کو بہت ہی خستہ حال دکھائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ شخص رات بھر بیدار رہا ہے، اور کبھی ریا اس سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ جب کوئی اس کے پاس آیا اور اس نے سلام میں تقدیم نہیں کی تو اس نے اپنے دل میں تعجب کیا (کہ آنے والے نے سلام کرنے میں پہل کیوں نہیں کی)، یا کوئی شخص اس کی تعظیم نہ کرے یا اس کی خدمت خوشی خوشی بجا نہ لاتے یا خرید و فروخت میں اس کی خاطر ملحوظ نہ رکھے یا بیٹھنے کے لیے اچھی جگہ پیش نہ کرے تو اپنے دل میں متعجب ہو، یہ تعجب اس کے دل میں اسی پوشیدہ عبادت کی وجہ سے پیدا ہوا کہ اس کو خیال ہوا کہ مجھ جیسے عابد شب زندہ دار کی تعظیم و تکریم کرنا چاہیے تھا۔ بطیب خاطر میری خدمت کرنا چاہیئے تھی اور خرید و فروخت میں میرے زہد و بزرگی کا لحاظ رکھنا چاہیئے تھا) اس سے معلوم ہوا کہ اس کا نفس اس مخفی عبادت کے باعث تعظیم و تکریم کا خواہاں ہے۔ پس جب تک اس شخص کے نزدیک اس مخفی عبادت کا ہونا نہ ہونا یکساں اور برابر نہ ہوگا اس وقت تک اس کو سمجھنا چاہیے کہ ابھی تک اس کا باطن مخفی ریا سے خالی اور پاک نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ دنیاوی معاملات میں اگر لاکھ دینار کی کسی چیز کے عوض اگر کسی کو ہزار

دینار دے دے تو ہرگز اس پر احسان نہیں جتائے گا کہ تیری ایک لاکھ دینار کی چیز میں نے ایک ہزار دینار میں خرید لی یہ میرا احسان ہے) اور نہ اس سے کسی تعظیم وتکریم کی وہ آرزو کرے گا اور تعظیم کرنا اور نہ کرنا اس کے نزدیک یکساں ہوگا تو جب اس نے سعادت ابدی کے حصول کے لیے حق تعالیٰ کی بندگی کی ہے تو پھر وہ کسی مخلوق سے کیوں اپنی عزت وتعظیم کا خواہاں ہے اور اُمیدوار ہے، اگر وہ اُمید رکھتا ہے تو یہی وہ مخفی ریا ہے جس کا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد :-

حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے دن علماء سے پوچھا جائے گا کیا تم لوگوں نے اپنا مال ارزاں فروخت نہیں کیا؟ اور کیا لوگوں نے تمہاری تعظیم وتکریم نہیں کی اور تم کو سلام کرنے میں تقدیم نہیں کی"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے عمل کی جزا تھی جو تم نے حاصل کرلی اور اپنے اعمال کو خالص نہیں چھوڑا"۔

ایک بزرگ جو مخلوق سے بھاگ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے، فرماتے ہیں "کہ ہم فتنے سے بھاگے تو ہیں لیکن اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہمارے کام (عبادت) میں خلل نہ واقع ہو، وہ اس طرح کہ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ شخص ہماری تعظیم کرے اور ہمارا حق بجالائے یہی وجہ ہے کہ بے ریا عبادت گذار حضرات اپنی عبادت کو ایسا چھپاتے تھے جس طرح اپنی تقصیر اور اپنی معصیت کو چھپاتے ہیں کیونکہ یہ حضرات اس بات سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ قیامت میں وہی عبادت مقبول ہوگی جو ریا اور غرض کے دخل سے خالی ہو۔

ایک مثال

اور ان حضرات کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ حج کا ارادہ کرے اور جانتا ہو کہ جنگل میں زرِ خالص کے سوا نہیں لیتے (زرِ خالص دیا جائے تب گذرنے دیتے ہیں) اور اگر زرِ خالص نہ دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اور زرِ خالص مغرب میں ملتا ہے اور سونا کھوٹا زرِ ناخالص ہوتا ہے اس کو پھینک دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ ضرورت کے واسطے زرِ خالص بچا بچا کر رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قیامت کے دن سے زیادہ عاجزی اور بیکسی کا دن اور کوئی نہیں ہے، تو آج جو شخص خالص عمل نہیں کمائے گا اس دن اس کے لیے بڑی خرابی ہوگی اور کوئی شخص اس کا مددگار نہیں ہوگا۔ جب ایک انسان اس بات میں تمیز کرے گا کہ اس کی عبادت کو جانور نے دیکھا ہے یا آدمی نے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ریا سے خالی نہیں ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ سلم : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تھوڑا اور مخفی ریا بھی شرک ہے۔ یعنی خدا کی عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا ہے۔ جب اس نے خداوند تعالےٰ کے جاننے کو (کہ وہ اس کی عبادت کو جان رہا اور دیکھ رہا ہے) کافی نہیں سمجھا جب ہی تو دوسرے کا علم اس کی عبادت میں اثر انداز ہوا۔

فصل :- معلوم ہو جانا چاہیئے کہ جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کی عبادت سے واقف رہیں تو یہ ریا سے خالی نہیں ہاں عبادت کی وہ مسرت جو خداوند تعالےٰ کے یہاں نقصان پہنچانے والی نہیں ہے، اس مسرت اور انبساط کے چار درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے خوش ہو کہ وہ اپنی عبادت کو چھپانے کا قصد رکھتا تھا لیکن حق تعالےٰ نے اس کے قصد وارادے کے بغیر اس کو ظاہر کر دیا، یا اس کی معصیت و تقصیر بہت زیادہ تھی اور حق تعالےٰ نے اس کو ظاہر نہیں کیا تو اس بات سے خوشی ہوئی کہ فضلِ الٰہی شاملِ حال ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے اسکے عیب کو ڈھانپا اور نیکی کو ظاہر فرمایا تو اس خوشی کا اصل باعث لطف الٰہی ہوا۔ لوگوں کی تعریف سے اس کو سروکار نہیں! چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا[1] اور دوسرا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا میں میرا عیب ڈھانپا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخرت میں بھی پردہ پوشی فرمائے گا، اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "حق تعالےٰ ایسا کریم ہے کہ دنیا میں بندے کا گناہ ڈھانپتا ہے اور آخرت میں اس کو رسوا نہیں کرے گا تیسرا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ جب لوگوں نے اس کو عبادت میں مصروف دیکھا ہے تو وہ اس کی اقتدار کرتے ہوئے عبادت کریں گے اور سعادت یاب ہوں گے اس صورت میں اس کے نام سے ثواب مخفی بھی لکھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے عبادت کو چھپانے کا ارادہ بھی کیا اور علانیہ ثواب بھی مرحمت ہو گا کہ بغیر قصد کے ایک اور عبادت اس نے کی (دوسروں کو عبادت پر متوجہ کیا) چوتھا درجہ خوشی کا یہ ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوا کہ جو اس کو دیکھتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کا معتقد ہوتا ہے اور آپ دوسرے کی تعریف اور عقیدت کے باعث حق تعالیٰ کا مطیع ہوتا ہے اور اس کی بندگی کرنے پر مسرور و شادماں ہوتا ہے اس کی یہ خوشی اس لیے نہیں نہیں ہوتی کہ دیکھنے والے کے دل میں اس کو قبولیت حاصل ہوئی، اس اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ اگر وہ دوسرے کی اطاعت و بندگی سے مطلع ہو تو اس کو خوشی و خرمی ہو۔

---

[1] اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجیے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادماں ہوں۔

عمل کو باطل کرنے والا

ریا

ریا کے وقوع کی حالتیں: معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کا وقوع یا تو آغاز عبادت میں ہوگا یا عبادت کے بعد یا درمیان عبادت میں، ان تین صورتوں میں پہلی صورت تو یہ ہے کہ آغازِ عبادت میں اس کا وقوع ہو، اس سے عبادت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ نیت میں اخلاص شرط ہے (اور نیت عبادت کی ابتدا ہے) اور جب ریا پیدا ہو گیا تو اخلاص کہاں باقی رہا اور اگر ریا کا ظہور اصل عبادت میں نہ ہو۔ مثلاً دکھاوے کے طور پر اوّل وقت نماز کے واسطے دوڑا ہوا جا رہا ہے اور اگر اکیلا ہوتا تب بھی اصل نماز میں ہرگز قصور نہ کرتا، ایسی صورت میں اوّل وقت نماز کے لیے جانے کا ثواب باطل ہو گیا اور اصل نماز میں چونکہ اس کی نیت پاک ہے اس لیے سزاوار ثواب ہے۔ جیسے کوئی شخص غصب کی ہوئی جگہ یا غصب کے مکان میں نماز پڑھتا ہے تو وہاں فرض پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ عاصی ہے، پر نفل نماز میں عاصی نہیں تو اس صورت میں بھی نفل نماز میں وہ ریا کار نہیں ہے بلکہ مکان یا جگہ کے اعتبار سے عاصی ہے کہ مکان غصب میں اس نے نماز ادا کی، اگر کسی شخص نے نماز کو پورے اخلاص سے ادا کیا اور ادا کرنے کے بعد ریا کا خیال اس کے دل میں آیا اور اس کا اظہار کیا تو جو نماز وہ پڑھ چکا ہے وہ باطل نہیں ہوگی لیکن اس ریا کے باعث اس پر عذاب ہوگا۔

ایک روایت: ایک شخص نے کہا کہ کل رات نماز میں میں نے سورۃ البقرہ پڑھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عبادت سے اس کا حصہ اتنا ہی تھا (یعنی اس نے اظہار کیا) ایک شخص نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ روزہ دار ہو نہ بے روزہ! محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم نے کہا کہ روزہ ہے تو روزہ باطل ہو گیا لہٰذا ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ عبادت کے وقت میں وہ ریا سے خالی نہ تھا۔ اگر ریا سے خالی ہو تو ایک عبادت جبکہ ختم ہو گئی تو پھر اس کا باطل ہونا محال ہے۔ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ روزے بغیر افطار کے مسلسل اور پیاپے رکھنا منع ہے۔

دوسری صورت یعنی وہ ریا جو عبادت کے درمیان وقوع میں آئے تو اگر اس سے اصل نیت مغلوب ہو گئی

تو نماز باطل ہو جائے گی۔ جیسے کوئی قابلِ دید شے سامنے آئے یا کوئی گم شدہ چیز یاد آ گئی تو اگر دوسرے لوگ موجود نہ ہوتے تو نماز کو قطع کر دیتا (نیت توڑ دیتا) لیکن اس وقت (دوسرے لوگوں کی) شرم سے نماز کو تمام کیا تو ایسی نماز درست نہیں کیونکہ عبادت کی نیت فاسد ہو گئی اور یہ قیام اس نے محض لوگوں کے واسطے کیا ہے، اور اگر اصل نیت قائم ہے لیکن لوگوں کے دیکھنے سے خوش ہو کر اچھی طرح نماز پڑھتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے کہ اس کی نماز باطل نہ ہو گی اگرچہ اس ریا کی بنا پر گنہ گار ہو گا البتہ اس کی عبادت کو کسی نے دیکھا اور یہ اس سے خوش ہوا تو شیخ حارث محاسبی[1] فرماتے ہیں کہ اس کی نماز کے باطل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور مجھے اس بارے میں تامل تھا لیکن اب میرا ظن غالب یہی ہے کہ نماز باطل ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس موقع پر اس روایت کو سند لائے کہ کسی شخص نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنی عبادت لوگوں سے مخفی رکھتا ہوں لیکن جب لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تجھے دو ثواب حاصل ہوئے ایک ثواب مخفی کا اور دوسرا آشکارا ہونے کا"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے اسناد متصل نہیں[2] ہیں اور یہ بھی کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ارشادِ گرامی سے مقصود یہ ہو کہ "فراغت کے بعد عبادت کے ظاہر ہونے سے خوش ہوا ہو یا یہ کہ خداوند تعالےٰ نے اپنے لطف و کرم سے اس کی بندگی کو ظاہر کیا جیسا کہ ہم پیشتر کہہ چکے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اپنی عبادت پر لوگوں کی آگاہی سے خوش ہونا زیادتی ثواب کا سبب ہوتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ معصیت کا سبب نہ بن سکے اور شیخ حارث محاسبی کا یہی مقصد ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کی آگاہی کے بعد اپنے عمل عبادت کو طولانی نہ کرے اور اس کی اصل نیت قائم رہے اور جب وہ اس نیت کے موافق عمل کرتا ہے تو نماز باطل نہیں ہو گی۔

ریا کی بیماری کا علاج

اے عزیز معلوم ہونا چاہیئے کہ ریا بڑی خطرناک بیماری ہے اس کا علاج واجب ہے، اور اس کا علاج بڑی کوشش اور سعی سے ہو سکتا ہے کیونکہ جب مرض انسان کے دل میں جگہ کر لیتا ہے اور جگہ پکڑ لیتا ہے تو اس کا

---

[1] ایک مشہور صوفی اور عالم جن کی کتاب المتفکر و الاعتبار تصوف میں مشہور ہے آپ تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی اور عالم ہیں۔

[2] حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اسناد متصل نہ ہوں یعنی درمیان سے کوئی سند ساقط ہو جاتے۔

علاج دشوار ہو جاتا ہے، اس بیماری میں جو صعوبت اور شدت پیدا ہوتی ہے اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ آدمی بچپن سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ریا کاری کرتے ہیں اور خود کو ایک دوسرے کے سامنے بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں (حقیقت کے خلاف) اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اکثر ان کا رویہ ایسا ہی ہوتا ہے، اس سے ریا کی خاصیت بچے کے دل میں نشو و نما پاتی ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جب تک اس کی عقل کمال کو پہنچے اور وہ یہ سمجھنے کے قابل ہو کہ اس (ریا) میں میر النقصان ہے ریا کی عادت اس پر غالب آجاتی ہے اور پھر اس کا نکالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مشکل ہی سے کوئی شخص ایسا ہو گا جس کو یہ مرض لاحق نہ ہو اس لیے تمام لوگوں پر اس کے علاج کی کوشش فرض عین ہے۔

ریا کا علاج دو طرح سے ہوتا ہے:- ریا کا علاج دو طرح پر ہے ایک تنقیح اور دوسر التعدیل! تنقیح سے مراد مسہل ہے یعنی اس مرض کے مادے کو باطن سے بالکل نکال پھینکیے، مسہل کے ذریعہ یہ علاج علم و عمل دونوں سے مرکب ہے۔ علمی علاج یہ ہے کہ انسان اس کے ضرر اور نقصان کو پہچانے کیونکہ وہ ہر ایک کام اسی واسطے کرتا ہے کہ اس کو اس کے کرنے سے لذت حاصل ہو اور جب وہ یہ سمجھے گا کہ اس (ریا) کی مضرت اس قدر ہے کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکے گا اس صورت میں اس لذت سے دست بردار ہونا اس پہ آسان ہو گا۔ مثلاً وہ سمجھ لیگا کہ اس شہد میں زہر قاتل بھی شامل ہے تو اگر چہ اس کو شہد کھانے کا بہت شوق ہے لیکن وہ زہر کے شامل ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرے گا (اس شہد کو نہیں کھائے گا)

ریا کی جڑیں:- ریا کی اصل اگر چہ جاہ و منصب کی محبت کے ساتھ لگی (البتہ (جاہ و منصب کی محبت ریا پر آمادہ کرتی ہے) لیکن اس کی جڑیں تین ہیں، ایک تو اپنی تعریف کی محبت (یہ چاہنا کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔) اس کی دوسری جڑ مذمت کا خوف ہے اور تیسری جڑ مخلوق سے کسی قسم کی طمع رکھنا! جب ایک اعرابی نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو دین کی حمیت سے جہاد کرتا ہے یا اسواسطے جہاد کرتا ہے کہ لوگ اس کی شجاعت کو دیکھیں یا اس لیے کہ اس کا نام مشہور ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص کلمۃ توحید کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرے گا وہ اس نے حق تعالیٰ کی راہ میں کیا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنی شہرت سے اپنی تعریف کا خواہاں نہ ہو اور نہ کسی کی مذمت سے ڈرے۔ جیسا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اونٹ کو باندھنے کی رسی حاصل کرنے کے لیے جہاد کرے گا تو اس نے جس چیز کی نیت کی ہے وہی اس کو ملے گی! پس سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تین باتیں ریا کا باعث ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنی تعریف اور مدح کے شوق کو قیامت کے دن اپنی رسوائی کے اندیشے سے ترک کر دے۔ کیونکہ قیامت کے دن میدان

حشر میں اس طرح منادی کی جائے گی، اے ریاکار! اے فاسق! اے گمراہ! تجھے شرم نہ آئی کہ تو نے خدا کی عبادت کو خلائق کی تعریف کے عوض بیچ ڈالا اور ان کے دلوں کو راضی کیا لیکن خالق کی رضامندی کا تجھے خیال نہ آیا! تو نے خلق کا مقرّب بننے کے لیے خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے دوری اختیار کی، تو نے قبولیت خلق کو قبولیتِ حق سے بہتر جانا، خلائق کی تعریف حاصل کرنے کے لیے تو اس پر راضی ہو گیا کہ حق تعالیٰ تیری مذمت فرمائے! تو نے مخلوق کی رضامندی تلاش کی لیکن خالق کے غصّہ سے نہیں ڈرا۔

جب ایک ہوشمند شخص آخرت کی اس رسوائی پر غور کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگوں کی تعریف اس کا بدل نہیں ہو سکتی! خصوصاً جب کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی بندگی اس کی نیکی کے پلّہ کو بھاری کر دے گی۔ لیکن یہی طاعت جب ریا سے بگڑ جائے تو پھر گناہوں کا پلّہ بھاری ہو جائے گا اگر یہ ریا نہ کرتا تو انبیاء اور اولیاء کا اس وقت رفیق ہوتا اور اب ریا کے سبب سے دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہے اور حرماں نصیب ہے، چونکہ اس نے یہ عبادت خلق کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کی تھی باوجودیکہ تمام مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہونا بھی محال ہے کہ اگر ایک شخص کو راضی کرتا ہے تو دوسرا ناراض رہتا ہے اور اگر ایک شخص اس کی مدح کرتا ہے تو دوسرا مذمت کرتا ہے اور اگر بفرضِ محال تمام مخلوق بھی اس کی تعریف کرے تو ان کے ہاتھ میں نہ اس کا رزق ہے نہ عمر ہے اور نہ دنیا کی سعادت مخلوق کے ہاتھ میں ہے ورنہ آخرت کی شقاوت پر ان کا قابو ہے۔ پس بڑی نادانی اور حماقت کی بات ہوگی کہ انسان اس طرح اپنے دل کو پریشان کرے اور خداوند تعالیٰ کے عتاب میں مبتلا ہو۔ اس وجہ سے انسان کو چاہیے کہ ان تمام باتوں پر دل میں غور کرے۔

طمع کا علاج:- اس طمع کا علاج اس طرح کرنا چاہیے، جس کی تشریح ہم مال کی دوستی کی بحث میں کر چکے ہیں پس دل میں یہ سمجھ لے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ طمع اس سے وفا نہ کرے اور اگر کرے بھی تو خواری اور ذلت اس کا نتیجہ ہو اور خداوند تعالیٰ کی رضامندی سے بھی محرومی ہو۔ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے کے بغیر تو مسخر ہو نہیں سکتے۔ جب وُہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے گا اس وقت اللہ تعالیٰ بھی دوسروں کے دلوں کو اس کا مسخر بنا دے گا۔ اور وہ خداوند تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں کرے گا تو پھر اس کی رسوائی کھل کر ہو گی اور مخلوق کے دل بھی اس سے بیزار ہوں گے۔ اور مخلوق کی مذمت کا اندیشہ! تو اس خطرے اور اندیشے کا علاج یہ سوچ کر کرے کہ اگر باری تعالیٰ کے حضور میں نیک ہوں اس نے مجھے نیکوں میں قبول فرما لیا ہے تو مخلوق کی مذمت سے میرا کچھ نقصان نہیں ہوگا، اور اگر میں حق تعالیٰ کے نزدیک بُرا ہوں تو مخلوق کی تعریف سے مجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ پس اگر میں اخلاص کا راستہ اختیار کر دوں اور مخلوق کی طرف سے دل کو پریشان نہ

کروں تو حق تعالیٰ ضرور سب لوگوں کے دل میں میری محبت پیدا کردے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں میری محبت نہیں ڈالی تو چند ہی دن میں لوگ میرے ریا اور نفاق کو پہچان لیں گے اور جس مذمت سے میں ڈرتا تھا، وہ سامنے آجائے گی اور حق تعالیٰ کی رضامندی بھی ہاتھ سے جائے گی۔

اس طرح جب حضوریٔ قلب حاصل ہوگی اور اخلاص میں ثابت قدم ہو جائے گا تو مخلوق کی خاطر داری سے اس کو چھٹکارا مل جائے گا اور نورِ الٰہی اس کے دل پر چمکے گا۔ دل پر لطائف الٰہی کا نزول ہوگا اور عنایتِ الٰہی متواتر شامل حال رہے گی، اس کے لیے اخلاص کا راستہ کھل جائے گا۔ جو کچھ اب تک بیان کیا گیا یہ علمی علاج تھا۔

عملی علاج :- ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ انسان اپنی خیرات اور اطاعت کو اس طرح چھپاتے جیسے کوئی اپنی برائیوں اور گناہوں کو چھپاتا ہے تاکہ وہ اس بات کا عادی بن جائے کہ میرے لیے بس یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بندگی اور طاعت کو دیکھ رہا ہے (مجھے اور کسی کے جاننے کی ضرورت نہیں) یہ بات ابتدائے حال میں اگرچہ دشوار ہوگی لیکن کوشش کرنے سے بہ آسانی میں بدل سکتی ہے۔ اس وقت وہ مناجات اور اخلاص کی لذت کو محسوس کرے گا اور اس وقت یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر مخلوق اس کی طاعت سے باخبر بھی ہو جائے تو اس کو اس کی خبر نہ ہوگی (کہ کوئی میری طاعت و بندگی سے آگاہ ہے۔)

دُوسرا طریقۂ علاج :- یعنی علاج بذریعہ تعدیل۔ یعنی جب ریا کا دل میں گذر ہو تو اس کو ابھرنے نہ دینا (دبا دینا) ہر چند کہ اس نے خود کو ریاضت سے ایسا بنا لیا ہو کہ لوگوں کے مال کی طمع اور ان کی طرف سے مدح و ثنا کا ذوق و شوق دل سے ہٹ چکا ہو اور یہ سب باتیں اس کی نظر میں حقیر و ناچیز بن گئی ہوں، لیکن شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ عبادت میں ریا کا خیال دل میں پیدا کرے۔ پہلا وسوسہ تو یہ پیدا کرتا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ آیا اس کی عبادت کی خبر کسی کو ہوئی یا خبر ہو جانے کی امید ہے یا نہیں۔ دوسرا وسوسہ شیطان یہ پیدا کرتا ہے کہ دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہوتی ہے کہ وہ جانے کہ مخلوق کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے؟ تیسرا وسوسہ یہ ہے کہ اس رغبت کو دل سے چاہے اور اس بات کی ٹوہ لگاتے اس صورت میں چاہیے کہ سب سے اوّل دل سے پہلے وسوسہ کو دور کرے اور دل میں خیال کرے کہ مخلوق کی آگاہی سے مجھے کیا حاصل، بس حق تعالیٰ کا جاننا کافی ہے کہ میرا واسطہ مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے ہے ہاں اگر اس موقع پر مخلوق میں مقبولیت کی رغبت پیدا ہو تو اس سے قبل جو بات ہم سمجھا چکے ہیں اس پر عمل کرے۔ اور سمجھے کہ مخلوق میں مقبول ل اور بارگاہِ الٰہی میں مردود بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کی صورت میں کیا فائدہ دے گی جب یہ فکر کرے گا تو اس رغبت سے دل میں کراہت پیدا ہوگی۔ اور اس کراہت کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب ریا کا شوق قبولیت خلق کی طرف اس کو بلائے گا تو یہ کراہت بیچ میں حائل ہو جائے گی اور

مانع آئے گی، کہ جو بات قوی تر اور غالب ہوتی ہے نفس اس کا تابع بن جاتا ہے۔ پس ان تین وسوسوں کو دفع کرنے کے لیے ان تین باتوں پر عمل کرے ایک یہ کہ سمجھے کہ خدا کی لعنت اور اس کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔ دوسری وہ کراہت جو اس معرفت سے پیدا ہو جس کے باعث اس نے ریا کو قابل نفرت سمجھا ہے) تیسرے یہ کہ ریا کے وسوسوں کو خود سے دفع کرے

ریا کا غلبہ:- کبھی ریا کا غلبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ دل میں جگہ باقی نہیں رہتی (ریا دل کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے) اس وقت اللہ تعالیٰ کی نارضامندی کا خیال اور ریا کی کراہت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اگرچہ اس کیفیت کے پیدا ہونے سے پہلے اس نے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ ریا سے بچے گا۔ یہ ایسی صورت ہے کہ اس میں شیطان کا غلبہ ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے حلم و بردباری کو اپنایا اور غصہ کی برائی پر خوب غور کیا۔ لیکن جب وقت آیا تو غصہ غالب آگیا اور پچھلی تمام باتیں بھول گیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ معرفت موجود ہوتی ہے لیکن دھوکے سے اس کو بھی ریا سمجھ بیٹھتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب شہوت قوی ہوتی ہے تو کراہت پیدا نہیں ہوتی اور اگر کراہت پیدا بھی ہو لیکن شہوت کی شدت سے مقابلہ کر کے شہوت کو دفع نہ کر سکے اور قبولیت خلق کی طرف اس کی توجہ ہو جاتے۔ اکثر علماء اس بات سے آگاہ ہیں کہ منہ دیکھی بات کرنا نقصان رساں ہے لیکن اس کے باوجود ایسا کرتے ہیں اور اس سے توبہ نہیں کرتے، پس ریا کا دفع کرنا قوت کراہت کے مطابق ہوگا اور کراہت کی قوت انسان کی معرفت کے مطابق ہوگی، اور قوت معرفت قوتِ ایمان کے مماثل ہوگی اور ملائکہ سے اس میں تعاون حاصل ہوتا ہے، بالکل اسی طرح ریا دنیاوی شہوت و خواہش کے مطابق ہوگا اور اسکو شیطان کی مدد پہنچے گی۔ گویا بندے کا دل دو لشکروں کے درمیان پھنسا ہے (ایک لشکر ملائکہ کا ہے اور ایک لشکر شیطان کا ہے) اس کو ہر لشکر کے ساتھ ایک تناسب تعلق کا ہوتا ہے۔ جس سے تعلق کی نسبت قوی ہوگی اسی کا وہ اثر جلد قبول کرے گا اور اسی طرف اس کی رغبت زیادہ ہوگی اور یہ مناسبت وقوع سے پہلے حاصل ہو جاتی ہے کہ بندے نے نماز سے پہلے خود کو ایسا بنایا ہو کہ فرشتوں کے اخلاق و اوصاف اس پر غالب ہو گئے ہوں یا شیطان کے اخلاق غلبہ پا چکے ہوں (ان دو صورتوں میں سے ایک صورت ہوگی)، پس جب عبادت کے درمیان ریا کا خیال آتا ہے تو وہ نسبت تعلق رونما ہو جاتی ہے اور تقدیر ازل اس کو کھینچ کر اسی جگہ اور اسی طرف لے جاتی ہے جو اس کی ازل سرنوشت سے خواہ ملائکہ کی مناسبت کا غلبہ ہو یا شیاطین کی مناسبت اپنا غلبہ رکھتی ہو۔

فصل:- اے عزیز! جب تم نے ریا کے سبب کو توڑ دیا اور تمہارا دل اس سے بیزار ہو گیا تو اگر کچھ وسوسہ دل میں باقی بھی رہ جائے تو تم ماخوذ نہیں ہو گے کیونکہ یہ تو انسانی سرشت اور اس کی فطرت ہے چنانچہ تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تم اپنی اپنی سرشت اور فطرت کو ہی نیست و نابود کر دو بلکہ یہی حکم دیا ہے کہ اس کو مغلوب

اور اپنا زبردست بنا دو تاکہ وہ تم کو جہنم کے غار میں نہ دھکیل سکے! اور اس کی شناخت یہ ہے کہ جب تم کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ تم طبیعت کا حکم نہ مانو تو سمجھ لو کہ وہ تمہاری مغلوب ہو گئی! پس جس کا تم کو حکم دیا گیا تھا اس کا حق بجا لانے کیلئے اتنی بات کافی ہے، اس وقت شہوت و خواہش سے تم کو جو کراہت ہو گی وہ اس شہوت کا جو پیدا ہوتی تھی، کفارہ بن جائے گی اور دلیل اس پر یہ ہے کہ:

وسوسوں کے سلسلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گذارش:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے دل میں ایسے وسوسے اور خیالات آتے ہیں کہ اگر اس کے عوض ہم کو آسمان پر اٹھا کر زمین پر ٹپک دیں تو ہمارے حق میں وہ بھلا ہو اور ان وسوسوں اور خیالات کے باعث ہم بے چین و مضطرب رہتے ہیں حضور علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کیا ایسی حالت تم پر گذرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صریحاً ایمان ہے۔ جب وہ خیالات اور وسوسے جو عبادت میں گذرے تھے ان سے کراہت کرنا صریح ایمان ہوا اور کراہت ان کا کفارہ قرار دیا جائے تو پھر تو وہ چیز جو مخلوق کے وسوسوں سے تعلق رکھتی ہے کراہت سے یقیناً ہٹ جائے گی! البتہ کبھی ایسا ہو گا کہ جب آدمی نفس اور شیطان کی مخالفت پر قادر ہو تو ایسے موقع پر شیطان اس پر حسد کرے اور اس کو اس بہلاوے میں ڈال دے کہ اس وقت شیطان سے جھگڑنے ہی میں اس کے دین کی خوبی ہے۔ حالانکہ شیطان کا مقصد یہ ہے کہ اس جھگڑے سے اس کے دل کو پریشانی لاحق ہو اور دل کی اس پریشانی کے باعث وہ عبادت کی لذت سے محروم رہے۔ پس ایسا جھگڑنا خطا اور غلطی ہے اور اس کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ شیطان سے جھگڑنے میں تضیع اوقات کرے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ صرف شیطان کی تکذیب کر کے اس کو دفع کرے اور مناجات الٰہی میں مشغول رہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ تکذیب اور دفعیہ میں مشغول نہ ہو کیونکہ اس صورت میں بھی کچھ نہ کچھ وقت ضائع ہوتا ہے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ اعمال کے اخلاص میں مزید سعی کرے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اخلاص عمل شیطان کو اور زیادہ کھلے گا اور زِچ ہو کر پھر آئندہ اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا اور یہ درجہ کمال کا ہے کہ جب شیطان بندے کی صفت معلوم کرے گا تو پھر اس سے مایوس اور ناامید ہو جائے گا۔ ان درجات کی مثال: ان چار شخصوں کے احوال سے دی جاسکتی ہے کہ وہ چاروں علم کی طلب کے لیے گھر سے نکلے راستہ میں ان کو ایک حاسد ملا اور ایک شخص کو ان میں سے منع کیا اس نے اس کی بات کو نہیں مانی لیکن اس سے جھگڑنے لگا اور اپنا وقت ضائع کر دیا اور جب اس حاسد نے دوسرے شخص کو منع کیا تو اس نے پاس سے ہٹا دیا اور اس سے لڑنے کے لیے نہیں ٹھہرا اور تیسرا شخص ایسا تھا کہ اس نے نہ اس کو پرے ہٹایا اور نہ اس کی طرف التفات کی اور جلد یا کہ وقت ضائع نہ ہو، اور ان میں سے چوتھے نے نہ اس کی جانب توجہ کی بلکہ اپنی رفتار تیز کر دی (کہ حاسد کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے) اس طرح حاسد نے اول کے دو افراد سے تو کچھ نہ کچھ اپنا

مقصد حاصل کر لیا اور تیسرے سے کچھ بھی مقصد حاصل نہ ہوا اور چوتھے سے اس کی مراد کچھ بھی بر نہ آئی بلکہ اس کا شوق علم منع کرنے سے اور زیادہ ہو گیا اس صورت میں اگر وہ ان تین کے منع کرنے سے شرمندہ نہ ہوا تو اس آخری چوتھے شخص سے وہ ضرور شرمندہ ہوا ہوگا اور اس نے بھی کہا ہوگا کہ کاش میں اس کو منع نہ کرتا کہ میرے منع کرنے سے تو اس کا شوق اور زیادہ ہو گیا، پس اولیٰ یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے شیطان کے وسوسوں سے جھگڑنے میں مصروف نہ ہو، بلکہ مناجات میں جلد مصروف ہو جائے۔

طاعت و بندگی کے اظہار کی رخصت

معلوم ہونا چاہیئے کہ طاعت کو چھپانے میں فائدہ یہ ہے کہ ریا سے نجات حاصل ہو لیکن اس کے ظاہر کرنے میں بھی بڑا فائدہ ہے کیونکہ لوگ اس کی طاعت کو دیکھ کر اس کی پیروی کریں گے اور ان کو خیر کی طرف رغبت ہوگی۔ یہی سبب ہے کہ حق تعالےٰ نے دونوں قسم کے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے کہ

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

تم اگر صدقہ آشکارا اور کھلم کھلا دو گے تو بھلا کام ہے اور اگر پوشیدہ دو گے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔

ایک روایت: روایت ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ رقم کی ضرورت ہوئی، ایک انصاری تھیلی لے کر حاضر ہوتے جب دوسرے لوگوں نے ان کا یہ عمل دیکھا تو دوسرے بھی رقمیں لانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ایک ایسی اچھی طرح ڈالے گا جس میں لوگ اس کی پیروی کریں اس کو ایک اجر تو اپنا اور دوسرا اجر لوگوں کی پیروی کا (کہ اس کو دیکھ کر دوسروں نے وہ عمل خیر کیا) اس طرح جو شخص حج کو یا جہاد کو جانا چاہتا ہے، تو پہلے اس کی تیاری کرے اور باہر نکلے تاکہ لوگ اس کے ارادے سے آگاہ ہوں) اور دوسروں کو بھی اس کا شوق پیدا ہو۔ یا رات کی نماز (تہجد) کی نماز بآواز بلند پڑھتا ہے تاکہ دوسرے لوگ بیدار ہوں (اور وہ بھی عبادت کریں) پس اگر کوئی شخص ریا سے بے فکر ہے (سمجھتا ہے کہ اس کے اندر ریا پیدا نہیں ہو گا) اور اس کے عبادت کے ظاہر کرنے سے دوسروں کو رغبت ہوتی ہے تو یہ بات افضل ہوگی اور اگر ایسا کرنے سے دل میں ریا کا شوق پیدا ہو تو دوسروں کی رغبت سے اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ پس اُسے چاہیئے کہ اپنی طاعت کو پوشیدہ رکھے۔ یہی اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی طاعت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو ایسی جگہ ظاہر کرے جہاں اس کی پیروی اور اقتداء ممکن ہو کیونکہ کوئی شخص ایسا ہوگا کہ گھر کے لوگ اس کی اقتداء کریں گے

اور بازار کے لوگ دیا ہر والے) اس کی اقتدا نہ کریں۔ دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انسان اپنے دل پر نظر کرے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریا کا شوق باطن میں چھپا ہوتا ہے اور اسکو دوسروں کی اقتدا کے بہانے وہ اظہار کر لاتا ہے تا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے، ایک ضعیف شخص سے اگر مثال دی جائے تو اس شخص کی مانند ہے جو تیرنا نہیں جانتا اور وہ ڈوبنے لگے تو دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑ لے پس وہ دونوں ہی ڈوب جائیں گے اور قوی کی مثال اس کی ہے جو شناوری میں استاد کامل ہو آپ بھی ڈوبنے سے بچے اور دوسروں کو بھی بچالے۔ یہ درجہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالے کا ہے ہر ایک اس کا دعوی نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جو عبادت چھپانے کی ہو اس کو نہیں چھپاتا۔ اس امر میں اگر صدق نیت ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی اس سے کہے کہ تم اپنی عبادت کو مخفی رکھو تاکہ اس دوسرے عابد کو دوسروں کی اقتدار کا ثواب حاصل ہو جائے اور تم کو وہی ثواب حاصل ہو گا جو اظہار کی صورت میں حاصل ہوتا تو اس صورت حال میں اگر وہ شخص اپنے دل میں اظہار کا شوق رکھتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مخلوق میں اپنا درجہ تلاش کرنا چاہتا ہے (مخلوق کی نظر میں احترام کا خواہاں ہے) ثواب آخرت کا خواہاں نہیں ہے۔

اظہار عبادت کا دوسرا طریقہ: عبادت کے ظاہر کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عبادت کے اظہار کے بعد کہے کہ میں نے خوب کیا، اس طرح کہنے سے نفس کو ایک طرح کی لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ باتیں زبان سے نکل جائیں۔ پس زبان کو قابو میں رکھنا اور اظہار نہ کرنا واجب ہے جب تک اس کے نزدیک مدح اور مذمت، رد اور قبول برابر نہ ہوں، جب یہ چیزیں اس کے لیے یکساں ہو جائیں اور اس وقت وہ سمجھے کہ بولنے سے لوگوں کو خیر کی ترغیب ہو گی تب کہے۔ اور بزرگان سلف جو صاحبان قوت تھے انہوں نے اس قسم کی باتیں بہت کچھ کہی ہیں: چنانچہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کسی نماز میں بھی دنیاوی خیالات میرے دل میں نہیں گذرے، صرف وہ سوال خیال میں آتا تھا جو آخرت میں پوچھا جائے گا اور اس کا جواب بھی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ میں نے سنا اس کو یقین کے ساتھ میں جانا کہ سب سچ ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح کو جس حالت میں اٹھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ وہ حالت تبدیل ہو۔" حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے اپنی شرمگاہ کو سیدھے ہاتھ سے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔" حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالی عنہ دم مرگ کہتے تھے کہ اے دوستو مجھ پر نہ رونا کہ جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔" اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ قضائے الٰہی سے کوئی حادثہ مجھ پر ایسا نہیں گذرا جس سے میں ناراض ہوا ہوں، جو میری قسمت کا لکھا ہے میں اسی پر خوش رہا۔"

یہ تمام باتیں ارباب قوت کی ہیں، جو ارادے کے مغرور ہیں ان کو چاہیے کہ اس سے مغرور نہ ہوں! حق تعالیٰ نے ان امور میں ایسے اسرار رکھے ہیں جن کی کسی کو خبر نہیں، ہر ایک شر میں ایک خیر پنہاں ہے جس کی ہمیں آگاہی نہیں اور ریا میں بھی خلائق کے واسطے بہت کچھ خیر ہے ہر چند کہ اس کے باعث ریا کار کو خرابی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جو ریا سے کام کرتے ہیں لیکن دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس شخص میں اخلاص ہے اور یہ سمجھ کر اسکی اقتدا کرتے ہیں۔ دپس اقتدا کرنے والوں کو اجر و ثواب حاصل ہوا لیکن ریا کار کے لیے خرابی بسیار ہے۔

نقل ہے کہ زمانہ سابق میں بصرہ کے ہر گلی کوچے سے ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن پاک کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور اس طرح لوگوں کو ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن پاک کی ترغیب ہوتی تھی۔ اتفاقاً اس زمانے میں کسی عالم نے دقائق ریا کے بارے میں ایک رسالہ لکھا اس رسالہ کی جب اشاعت ہوئی تو تمام لوگ ذکر و تلاوتِ جہری سے دست بردار ہو گئے اور ترغیب میں کمی آ گئی لوگوں نے کہا کاش اس عالم نے یہ رسالہ نہ لکھا ہوتا! بس ریا کار خود کو ہلاکت میں ڈال کر دوسروں پر فدا ہوتا ہے اور ان کو اخلاص کی طرف بلاتا ہے۔

معصیت اور گناہ کو چھپانے کی رخصت

معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی تو عبادت کا ظاہر کرنا بھی ریا کاری ہوتی ہے لیکن معصیت کو چھپانا ان سات عذروں یا اسباب کی بنا پر ہمہ وقت درست ہے۔

معصیت کو چھپانے کے سات عذر: پہلا عذر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فسق و معصیت کو پوشیدہ رکھو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی سے ایک معصیت سرزد ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ خدا کا پردہ اس پر ڈالے! دوسرا عذر یہ ہے کہ جب معصیت دنیا میں مخفی رہے گی تو امید ہے کہ آخرت میں بھی پوشیدہ رہے گی، تیسرا یہ کہ معصیت کے نہ چھپانے میں لوگوں کی ملامت کا ڈر ہے (لوگوں کی ملامت کے ڈر سے اس کو چھپایا جا سکتا ہے) جس کے باعث پریشانی خاطر اور پراگندگی دل پیدا ہوتی ہے اور عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے۔

چوتھا عذر یہ ہے کہ عاصی ملامت اور مذمت سے اداس ہوتا ہے یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ ملامت سے اُداس ہونا اور اس سے گریز کرنا حرام نہیں ہے ہاں ثنا اور مذمت کو برابر سمجھنا کمال معرفت و خدا شناسی کی نشانی ہے اور ہر ایک اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا! البتہ خلق کی مذمت کے خوف سے عبادت کرنا درست نہیں۔

کیونکہ طاعتِ الٰہی کے لیے اخلاص درکار ہے۔ اگر کوئی شخص تعریف نہ کرے تو اس پر صبر کرنا آسان ہے۔ لیکن مذمت کو برداشت کرنا مشکل ہے پانچواں عذر یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہو کہ لوگ اس کو ماریں گے پیٹیں گے اور شریعت نے اجازت دی ہے کہ آدمی ایسے گناہ کو بھی چھپائے جس سے حد واجب ہوتی ہو اس کو چاہیئے کہ توبہ کرے البتہ دوسری شرط سے پرہیز کرنا روا ہے۔ چھٹا عذر یہ ہے کہ لوگوں کی شرم دامنگیر ہو اور شرط ایمان کی ایک شاخ ہے شرم کچھ اور چیز ہے اور ریا کچھ اور ہے (دونوں میں فرق ہے) ساتواں عذر یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہو کہ جب وہ علی الاعلان معصیت میں مبتلا ہو گا یا گناہ کرے گا تب فاسق اس کی پیروی کریں گے اور گناہ کرنے پر دلیر ہو جائیں گے اس نیت سے اگر اس نے معصیت کو پوشیدہ رکھا تو وہ معذور ہے اور اگر اس کے چھپانے سے نیت یہ ہو کہ لوگ اس کو متقی اور پرہیزگار سمجھیں گے تو یہ ریا ہے اور حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو یہ درجہ صدیقوں کا ہے۔ یہ بات اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ خلوت میں بھی گناہ سے پاک رہے۔ لیکن اگر خلوت میں اس سے معصیت سرزد ہوئی اور اس نے کہا کہ جو بات اللہ تعالےٰ سے پوشیدہ نہیں اس کو مخلوق جانا کرے (کچھ پرواہ نہیں) تو ایسا کہنا حماقت ہے اور کسی طرح درست نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا پردہ اپنے اوپر بھی ڈالے اور دوسروں کو بھی اس پردے سے ڈھانپنا واجب ہے۔

ریا کے خوف سے کس محل و مقام پر نیک کاموں سے رُک جانے کی رخصت ہے[1]

جاننا چاہیے کہ طاعت تین قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس کا تعلق خلائق سے نہیں ہے، جیسے نماز اور روزہ اور حج اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق خلق سے ہے۔ جیسے خلافت، قضا اور حکومت، تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق مخلوق سے بھی ہے اور عامل طاعت سے بھی! جیسے وعظ و نصیحت!

قسم اوّل کا ترک ہرگز درست نہیں: قسم اوّل میں جو نماز، روزہ اور حج ہے، ریا کے خوف سے ان کا چھوڑنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے خواہ وہ فرض ہو یا سنت ہاں اگر ریا کا خیال عبادت کی ابتدا میں یا درمیان میں آجائے تو کوشش سے اس کو دفع کرے اور عبادت کی نیت

[1] حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں "پیدا کردن رخصت در دست داشتن از خیرات از بیم ریا" (کیمیائے سعادت نولکشور اڈیشن ص ۳۶۳ مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

تازہ کرے لوگوں کے دیکھنے کے باعث نہ عبادت کو گھٹائے نہ بڑھائے۔ البتہ جہاں عبادت کی نیت ہی باقی نہ رہی ہو اور از اول تا آخر ریا ہی ریا ہو اس وقت وہ عبادت، عبادت نہیں رہتی ہاں جب تک اصل نیت باقی رہے عبادت سے دست بردار ہونا روا نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا قول:-

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی نظر کرنے کے، اندیشے سے عبادت چھوڑ دینا ریا ہے اور جب انسان مخلوق کے واسطے عبادت کرے تو یہ شرک ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تو خدا کی بندگی نہ کرے اور جب اس کا یہ مطلب پورا نہیں ہوتا تو وہ ورغلاتا ہے کہ لوگ تجھے دیکھ رہے ہیں اور یہ طاعت نہیں بلکہ ریا ہے، تاکہ وہ اس طرح تم کو فریب میں مبتلا کر کے بندگی اور طاعت سے باز رکھے اور اگر تم بالفرض اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوتے زمین کے نیچے بھی بھاگ جاؤ تب بھی شیطان یہی کہے گا کہ، لوگ جانتے ہیں کہ تو خلق سے بھاگا ہے اور زاہد بن گیا ہے اور یہ زہد نہیں ہے بلکہ ریا ہے۔" تو اس وقت تم کو اس کا جواب یوں دینا چاہیئے کہ، مخلوق کا خیال کر کے ان کے باعث طاعت کا ترک کرنا بھی تو ریا ہے۔ مخلوق کا دیکھنا اور نہ دیکھنا میرے نزدیک یکساں ہے اور میں تو اپنی عادت پر عمل کر رہا ہوں اور یہی سمجھتا ہوں کہ لوگ میری طاعت و بندگی کو نہیں دیکھ رہے ہیں" کیونکہ خلق کے ڈر سے طاعت کا ترک کر دینا ایسا ہے جیسا کسی نے اپنے غلام کو گیہوں دیئے کہ ان کو صاف کر دے اور اس نے صاف نہیں کیے اور یہ عذر پیش کیا کہ مجھے ڈر تھا کہ میں ان کو اچھی طرح صاف نہیں کر سکوں گا۔" تو اس وقت اس غلام سے یہی کہا جائے گا کہ اے نادان! تو اصل کام سے باز رہا اور اس صورت میں بھی یہ صاف و پاک نہ ہو سکے۔

پس معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اخلاص عمل کے واسطے حکم دیا ہے اور جب وہ عمل ہی سے دست بردار ہو گیا تو اخلاص کا وجود کہاں رہا کیونکہ اخلاص تو نیک عمل سے وابستہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم نخعی قدس سرہ کا واقعہ لوگ پیش کرتے ہیں کہ جب وہ تلاوت میں مصروف ہوتے اور اچانک کوئی شخص آ جاتا تو وہ پہلے قرآن پاک کو بند کر دیتے تھے تب ہمکلام ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ مناسب نہیں کہ کوئی دیکھے کہ میں ہر وقت تلاوت میں مصروف رہتا ہوں۔" تو اس کا باعث بہت ممکن ہے یہ ہو کہ وہ یہ سمجھ کر قرآن پاک کو بند کر دیتے تھے کہ جب یہ شخص آ جاتے تو اس سے، ہمکلام ہونا ضروری ہوگا اور تلاوت سے باز رہنا پڑے گا اس طرح انہوں نے تلاوت کو مخفی رکھنا زیادہ بہتر سمجھا ہوگا۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق میں ایک شخص تھا کہ جب اس کو رونا آتا تو وہ اپنا منہ ڈھانپ لیتا تھا تاکہ لوگ اس کو نہ پہچانیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ خلوت میں (خوف الٰہی سے) رونا لوگوں کے سامنے رونے سے بہتر ہے اور اس کی فضیلت ہے اور یہ کوئی عبادت نہیں تھی جس سے وہ باز رہا، یہاں بات عبادت

کے سلسلہ میں ہو رہی تھی)

خواجہ حسن بصریؒ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زمانہ سابق میں کوئی شخص ایسا تھا کہ وہ راستہ سے اذیت پہنچانے والی چیز کو ہٹانا چاہتا تھا لیکن مخفی بظاہر وجہ سے نہیں ہٹاتا تھا کہ لوگوں پر اس کا تقویٰ اور پارسائی ظاہر نہ ہو جائے یہ حکایت اس بیچارے کے حال سے بالکل مطابقت رکھتی ہے کہ اس بات کے خوف سے کہ مخلوق اس کی عبادت سے واقف ہو جائے گی اس کی دوسری عبادتوں میں خلل واقع ہو، اس لیے شہرت کے ڈر سے اس سے حذر کرنا درست نہیں ہے بلکہ طاعت کو بجالانا اور ریا کو دفع کرنا ضروری ہے ہاں اگر کوئی شخص ضعیف و ناتوان ہے اور اس نے ترکِ عمل میں اپنی مصلحت دیکھی ہو تو اس کے حق میں روا ہے لیکن یہ بھی نقصان کے ساتھ ہے (اس کا اس ترکِ عمل میں نقصان ہے۔)

دُوسری قسم: دوسری قسم جیسا کہ بیان ہو چکا وہ طاعت ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہو، جیسے سرداری، قضاءت اور خلافت ان کاموں میں عدل و انصاف عمل میں لایا جائے تو یہ بھی ایک بڑی عبادت ہے اور اگر عدل نہیں ہے تو سرتاسر معصیت ہے اگر کسی کو ان کاموں میں اپنے عدل کا اطمینان نہ ہو تو ان عہدوں کو قبول کرنا حرام ہے کہ ان میں بڑی آفات ہیں، اگرچہ عین روزہ اور نماز میں لذت نفس نہیں ہے لیکن جب دوسرے دیکھتے ہیں تو ان سے بھی حظ نفس حاصل ہوتا ہے، اس کے برعکس حکومت اور سرداری میں تو بہت حظ موجود ہے اور ان کاموں میں نفس کی پرورش خوب ہوتی ہے۔ حکومت اور سرداری صرف ایسے شخص ہی کو زیبا ہے جس کو اپنے عدل پر اطمینان ہو اور اس نے خود کو اس باب میں آزمایا ہو اور حکومت سے پہلے بھی اس نے امانت داری کی ہو مگر اس میں اس بات کا خوف ہے کہ جب اسکو حکومت اور سرداری ملے تو بدل جائے یا منصب سے معزولی کے خوف سے بے انصافی پر آمادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منصب قبول کرے کہ عدم عدل محض ایک گمان ہے جبکہ اس نے خود کو آزما لیا ہے تو اسی پر اعتماد رکھے (کہ عدل کرے گا) ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ منصب قبول نہ کرے کیونکہ جب نفس انصاف کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو احتمال ہے کہ اس میں نفس کا فریب ہو اور سرداری کے منصب پر پہنچتے ہی بدل جائے اور جب اس کو منصب پر فائز ہونے سے پہلے ہی یہ تردد ہے تو اغلب ہے کہ بدل جائے اس لیے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ حکومت تو انہی حضرات کو زیبا ہے جو قوتِ (ارادی) کے مالک ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت رافعؓ[1] سے فرمایا کہ حکومت قبول نہ کرنا خواہ وہ دو

---

[1] حضرت رافع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جنہیں آپ نے آزاد فرما دیا تھا۔

شخصوں ہی پر کیوں نہ ہو۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو حضرت رافع رؓ نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے تو حکومت قبول کرنے سے منع فرمایا تھا اور اب آپ نے خود قبول فرمالی۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اب بھی منع کرتا ہوں، اللہ کی لعنت ہو اس حاکم پر جو عادل نہ ہو!

ضعیف شخص والے اعتراض کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے اپنے فرزند سے کہا کہ دریا کے کنارے نہ جانا اور وہ خود دریا میں تیرا کرتا ہے۔ اب اگر لڑکا پانی میں اترے گا تو یقیناً ڈوب جائے گا۔ پس جب سلطان ظالم ہو تو قاضی قضاء میں عدل کس طرح کر سکے گا، یقیناً وہ سلطان کا پاس خاطر کرے گا۔ لہٰذا ایسی صورت میں منصب قضاء قبول کرنا درست نہیں۔ اگر کسی شخص کو ناچار قبول ہی کرنا پڑا ہے تو پھر وہ اپنی معزولی کے خوف سے کسی کا پاس خاطر نہ کرے بلکہ عدل پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اس کو معزول کر دیا جائے اس لئے اگر یہ حکومت (منصب قضاۃ) خداوند تعالیٰ کے لیے کی تھی تو اس کو اس معزولی پر شادماں ہونا چاہیئے۔

تیسری قسم

تیسری قسم وعظ کرنا، فتویٰ دینا، تعلیم و تدریس اور روایت حدیث ہے اس میں بھی بہت کچھ حظ موجود ہے اور اس میں نماز روزے سے زیادہ ریا کا دخل ہے۔ اگرچہ یہ کام بھی حکومت کرنے کے قریب ہیں (حکومت کرنے کے مثل ہیں) لیکن فرق اتنا ہے وعظ و نصیحت اور ذکر احادیث جس طرح سننے والے کے لیے نافع ہے اسی طرح کہنے والے کے لیے بھی مفید ہے کہ وہ دین کی طرف بلاتا ہے اور ریا سے آدمی کو باز رکھتا ہے، حکومت کا حال اس جیسا نہیں ہے، پس اگر ان امور میں ریا دخیل ہوتا ہو تو وعظ و تذکیر کو ترک کر دینا ضروری نہیں ہے۔

ہر چند صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) نے اس کام سے گریز فرمایا ہے، صحابہ کرام سے جب کوئی فتویٰ دریافت کرتا تو وہ ایک سے دوسرے کے حوالے کر دیتے (خود ذمہ داری قبول نہیں فرماتے تھے) حضرت بشر حافی قدس سرہ نے حدیث شریف کے کئی مجموعے زمین میں دفن کر دیئے اور فرمایا کہ میں نے اس لیے ان مجموعوں کو دفن کر دیا کہ میرے دل میں محدث بننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اگر یہ شوق پیدا نہ ہوتا تو میں روایت کرتا۔ سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ دنیاداری کے ابواب میں سے حدثنا بھی ایک باب ہے یعنی جو حدثنا کہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے صدر نشین بناؤ اور مسند پر بٹھاؤ۔

وعظ کرنے کی اجازت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں دی

کسی شخص نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ ہر صبح لوگوں کو وعظ سنائے آپ نے اس کو منع کر دیا اور فرمایا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ تمہارا دماغ آسمان پر نہ پہنچ جائے (خود بینی اور خودی پیدا نہ ہو جائے۔) شیخ ابراہیم تیمیؒ کا ارشاد ہے کہ جب تم اپنے دل میں بات کرنے کی رغبت دیکھو تو خاموش رہو

اور جب خاموشی کی رغبت پاؤ اس وقت بات کرو"۔ پس ہمارا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ واعظ یا محدث اپنے دل پر نظر کرے اگر اطاعتِ الٰہی کا جذبہ موجزن ہو اور اس کے ساتھ کچھ خیال ریا کا بھی ہے (یعنی ریا سے بالکل خالی نہیں ہے) تو اس وقت کہے کہ میں اپنی اس نیت کو دل میں استقامت دیتا ہوں تاکہ وہ اور قوی ہو جائے اس کا حکم بھی سنت اور نفل نمازوں جیسا ہے کہ اگر ریا کا شائبہ ہو تو اس شائبہ کی بنیاد پر ان نمازوں کو ترک کرنا نہیں چاہیئے۔ جب تک کہ اصلی نیت ہو دریہ ریا کا شائبہ اثر انداز نہیں ہوگا۔ لیکن حکومت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جب ریا کا خیال پیدا ہو تو اس وقت اس سے گریز ہی بہتر ہے اس لیے کہ باطل کی نیت اس میں جلد غلبہ پالیتی ہے۔ یہی وجہ تھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے، جب ان کو خدمت قضاء سپرد کرنا چاہتے تھے[۱] تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا تھا کہ "میں اس کام کی لیاقت نہیں رکھتا"۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں سچ کہتا ہوں (کہ میں اس خدمت کے لائق نہیں) تو مجھے اس سے معذور رکھنا چاہیئے اور اگر جھوٹ کہتا ہے تو جھوٹا خدمتِ قضاء کے لائق نہیں! لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلیم و تدریس سے دست بردار نہیں ہوتے، ہاں اگر کوئی شخص ان کاموں میں عبادت کی نیت بالکل نہ پائے اور اس کا موجب ریا اور طلب جاہ ہو تو اس کا ترک کرنا فرض ہے اگر کوئی اس پر اعتراض کرے تو ہم کہیں گے کہ اگر اس کے وعظ میں خلق خدا کا نفع نہ ہو، مثلاً وہ اپنے وعظ میں مسجّع و مقفّی عبارت میں تقریر کر رہا ہے یا وہ گوئی سے کام لے رہا ہے یا ایسے دقائق بیان کر رہا ہے جو عوام کے فہم سے بالاتر ہیں یا وہ رحمتِ الٰہی کا بیان کر کے لوگوں کو معصیت پر دلیر کر رہا ہے یا اس کی تقریر میں اختلاف یا مناظرہ کا رنگ ہے جس سے دلوں میں حسد اور فخر کا بیج نشوونما پائے تو ہم اس کو اس کام سے منع کریں گے، اس کو اس سے باز رکھنے ہی میں اس کی اور مخلوق کی بھلائی ہے ہاں اگر اس کا وعظ اور تقریر خلق کے لیے مفید ہے اور شرع کے موافق ہے اور لوگ اس کو مخلص سمجھتے ہیں اور اس کی تعلیم سے دینی علوم کا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کو باز رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس کے باز رہنے میں لوگوں کا نقصان ہے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گنوانے سے فقط اس ایک شخص کا نقصان ہے۔ لہٰذا سو آدمیوں کی نجات (بھلائی) ایک کی نجات کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے پس اس کو دوسروں پر فدا کیا جا سکتا ہے۔

✣

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) [۱] یعنی مجھ سے حدیث۔ کی فلاں نے یا مجھ سے فلاں نے اس حدیث کی روایت کی حضرت امام غزالی کے الفاظ یہ ہیں "وچنیں گفتہ اند سلف کہ .... باب است از ابواب دنیا" کیمیائے سعادت ص ۲۶۵

[۲] تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے! امیر المسلمین منصور عباسی آپ کو منصب قضا دینا چاہتا تھا آپ نے اسکو یہ جواب دیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد ایسے گروہ سے کرے گا جن کو دین سے زیادہ حصہ نہیں ملا ہے۔ پس یہ شخص بھی اسی گروہ میں داخل ہے۔" پس ہم اس شخص سے یہی کہیں گے کہ تو اپنے کام سے دست بردار مت ہو اور کوشش کر کہ ریا پیدا نہ ہو اور نیت درست کرے اور اپنے وعظ سے پہلے خود کو نصیحت کر اور خدا سے ڈر اس کے بعد دوسروں کو ڈرا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ اس واعظ کی نیت پاک و صاف ہے اور اس کی علامت کیا ہو گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ پاکیٔ نیت کی علامت یہ ہے کہ واعظ کا مقصد یہ ہو کہ خدا کے بندے، خدا کی طرف رجوع ہوں اور دنیا سے روگردانی اختیار کریں اور اس کی علامت اس کی وہ شفقت ہو گی جو اس کو بندگانِ خدا سے ہے اگر کوئی دوسرا واعظ ایسا وہاں موجود ہو جو اس سے زیادہ تقریر کرنے والا ہو اور لوگ بھی اس کی بات کو بہت مانتے ہوں تو چاہیے کہ اس کی بات پر خوش ہو کیونکہ اگر ایک کسی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کنویں میں گرا ہوا ہے اور اس کے اوپر ایک بھاری پتھر بھی پڑا ہے اور اس کے حال پر اس شخص کو شفقت پیدا ہوئی اور چاہا کہ اس کو کنویں سے نکال لے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے آکر پتھر ہٹا کر پہلے شخص کو زحمت سے بچا لیا تو اس کو خوش ہونا ہی چاہیے۔ اسی طرح ایک واعظ کو بھی دوسرے واعظ سے خوش ہونا چاہیے اور اگر یہ واعظ خوش نہ ہوا اور اس پر حسد کیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مخلوق کو اپنا مطیع اور گرویدہ بنا لے، خدا کی اطاعت اور محبت کا لوگوں میں پیدا کرنا اس کا مقصد نہیں ہے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب کوئی حاکم یا امیر اس کے وعظ کے وقت مسجد میں آئے تو اپنی بات قطع نہیں کرنی چاہیے، نہ اپنے سخن کو بدلے اور اپنی روشِ تقریر پر قائم رہے۔ واعظ کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اس کو ایک ایسی بات یاد ہے جسے سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روئیں گے لیکن وہ بات بہت کام کی نہیں ہے۔ تو اس کو ترک کر دے بیان نہ کرے۔ پس چاہیے کہ ایسی باتوں کو دل میں ٹٹولے اور دیکھے کہ ان باتوں سے اُسے کراہت نظر آتی ہے یا نہیں اگر کراہت نظر نہیں آتی تو وہ خود بڑا ریاکار ہے اور اگر کراہت پیدا ہوتی ہے تو سمجھ لے کہ دوسری نیت میں صدق و خلوص بھی موجود ہے تو اس صورت میں کوشش کرے کہ اخلاص کی نیت غالب آجائے۔

فصل:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ لوگ اس کو مصروفِ عبادت دیکھ رہے ہیں۔ یہ خوشی درست ہے ریا نہیں ہے، کیونکہ اس طرح بندۂ مومن ہمیشہ عبادت کا شائق رہتا ہے اور کبھی اگر کوئی ایسا مانع پیدا ہو گیا جو اس شخص کو عبادت سے باز رکھے تو بہت ممکن ہے کہ اپنی عبادت دیکھنے والوں کے سبب سے یہ مانع دور ہو جائے اور وہ بخوشی خاطر عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے اس کی مثال یوں سمجھنا

چاہیئے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں ہوتا ہے تو تہجد کی نماز اکثر اس پر دشوار ہو جاتی ہے کیونکہ عورتوں سے اختلاط یا نیند کا غلبہ یا دوسری باتوں میں مشغولیت سے یا بستر بچھا ہونے کے باعث نماز میں مشغول نہیں ہوتا لیکن اگر دوسروں کے گھر پر ہے تو وہاں یہ اسباب موجود نہیں ہوتے اس وقت عبادت کی خوشی ظاہر ہوتی ہے یا اجنبی مکان میں نیند نہیں آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتا ہے یا کچھ لوگوں کو وہاں دیکھا کہ نماز میں مصروف ہیں تو اس کا شوق بھی بڑھا اور خیال کیا کہ میں بھی ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں کہ میں بھی ان کی طرح ثواب کا محتاج ہوں، یا ایسی جگہ گیا ہوا ہے جہاں روزہ دار موجود ہیں یا کھانا تیار نہیں ہے تو خود بخود روزے کا شوق پیدا ہوتا ہے، یا ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ وہ تراویح کی نماز میں مصروف ہیں اور خود گھر میں کاہلی میں مبتلا پڑا ہوا ہے اور ان لوگوں کی وجہ سے خود بھی شرکت کا شوق پیدا ہوتا ہے یا جمعہ کے دن کثرت سے لوگوں کو خدا کی عبادت میں مشغول دیکھتا ہے تو آپ بھی نماز اور تسبیح و تہلیل معمول سے زیادہ کرتا ہے اور ان تمام باتوں کا وقوع میں آنا بغیر ریا کے ممکن ہے لیکن شیطان اس کو ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرے اندر یہ شوق لوگوں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ ریا ہے بہت ممکن ہے کہ یہ شوق لوگوں کے سبب سے پیدا ہوا ہو یا دوسروں کی رغبت سے اور زوال کے موانع موجود نہ ہوں اور شیطان کہتا ہے کہ یہ کام کر کیونکہ اس کی رغبت تیرے دل میں موجود تھی صرف ایک مانع موجود تھا اور اب وہ مانع دور ہو گیا۔ پس ایسے شخص کو چاہیئے کہ ان دونوں امور میں فرق کرے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بالفرض دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ ان کو دیکھ رہا ہے پس اگر یہ شوق عبادت اسی طرح قائم ہے تو خیر کی رغبت کا سبب بن گیا ہے اور اگر اس کے بعد یہ شوق ختم ہو گیا ہے تو سمجھ لے کہ یہ ریا ہے اُس وقت چاہیئے کہ اس سے دست بردار ہو جائے اور اگر طبیعت میں خیر کی رغبت اور اپنی ثنا کی محبت دونوں موجود ہیں تب بھی غور کرے اور دونوں میں سے جو غالب ہو اس پر اعتماد کرے۔

ایک اور مثال: اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ رہا ہے اور لوگ کسی آیت کو سن کر رونے لگے تو مخلوق کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا۔ اگر تنہا ہوتا تو اس آیت کو سن کر نہ روتا تو یہ بھی ریا نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں کا رونا قلب کی رقت کا باعث ہوتا ہے اور جب اُس نے مخلوق کو روتے دیکھا تو یہ بھی اپنی حالت یاد کر کے رونے لگا تو بہت ممکن ہے کہ رونے کا سبب دل کی نرمی (رقت قلب) ہو اور [illegible] آواز نکالنے میں ریا ہو تاکہ دوسرے لوگ اس کی آواز سنیں یا کبھی ایسی صورت ہو کہ وجد میں آ کر گر پڑے اور اٹھ کھڑے ہونے کی قدرت کے باوجود نہ اُٹھے تاکہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں کہ اس کا وجد بناوٹی تھا۔ اس صورت میں اس کو ریاکار کہا جائے گا۔ حالانکہ وجد کے وقت گرتے وقت ریاکار نہ تھا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رقص کی حالت میں ہوتا ہے اور باوجود طاقت و قوت ہونے کے کسی کا سہارا لیتا ہے اور

آہستہ آہستہ چلتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وجد کی کیفیت بڑی جلد ختم ہوگئی! اسی طرح کبھی استغفار پڑھتا ہے اور کبھی تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) تو اس کا سبب یا تو وہ گناہ ہوتا ہے جو اس سے سرزد ہو چکا ہے اور اب اُسے یاد آگیا ہے یا دوسرے لوگوں کو عبادت میں مصروف دیکھ کر اپنے گناہوں کے باعث پڑھتا ہے اس میں ریا نہیں ہے، ہاں کبھی یہ بھی ریا ہو سکتی ہے۔ غرضکہ چاہیئے کہ ان تمام باتوں پر نظر رکھے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں پس چاہیے کہ جب ریا کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس دم یہ خیال کرے کہ اللہ تعالےٰ اس کے باطن کی ناپاکی پر واقف ہے اور آخرت میں عذاب دے گا، اس سوچ اور خیال کے ذریعہ اس ریا کو دل سے دور کر دے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی: اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے نعوذ باللہِ من خشوعِ النفاقِ یہاں خشوع نفاق کے یہ معنی ہیں کہ جسم خشوع و خضوع میں محو ہو اور دل نہ ہو۔

فصل: معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کام اطاعتِ الٰہی سے متعلق ہے جیسے نماز و روزہ، ان کاموں میں اخلاص واجب ہے اور ان میں ریا حرام ہے اور جو کام مباح ہیں تو اگر ان میں ثواب کا آرزومند ہے تب بھی اخلاص واجب ہے مثلاً جب کوئی شخص کسی مسلمان کی حاجت روائی کے واسطے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کوشش کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس میں اپنی نیت کو درست رکھے اور اس حاجت روائی پر اس سے شکر اور عوض کی امید نہ رکھے اسی طرح اگر کوئی استاد اور معلم ہو وہ اگر شاگرد سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس کے پیچھے چلے یا خدمت کرے تو اس طرح گویا وہ ثواب کا طالب ہو گیا اور اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ ہاں اگر استاد کی خواہش کے بغیر شاگرد اس کی خدمت کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ استاد اس کو قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے (اور جبکہ اس کا یہ مقصد نہیں تھا) تو ظاہر ہے کہ تعلیم کا ثواب ضائع نہیں ہوگا بشرطیکہ اگر شاگرد کسی موقع پر اس خدمت سے باز رہے تو استاد متعجب نہ ہو، جو علماء احتیاط بجا لاتے ہیں وہ اس صورتِ حال سے بھی گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک استاد کنوئیں میں گر گیا، لوگ اس کے نکالنے کے لیے رسی لے کر آگئے تو استاد نے ان لوگوں کو قسم دی کہ جس کسی نے مجھ سے قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے خبردار وہ اس رسی کو ہاتھ نہ لگائے، استاد نے اس خوف سے منع کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خدمت تعلیم کے ثواب کو باطل کر دے۔

حضرت سفیانؒ ثوری کی احتیاط: کوئی شخص حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس ہدیہ لے کر گیا، آپ نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ ممکن ہے تم نے مجھ سے کبھی درسِ حدیث

لیا ہو، اس شخص نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آپ سے کبھی درس حدیث نہیں لیا ہے، آپ نے فرمایا تم تو سچ کہتے ہو لیکن تمہارا بھائی مجھ سے پڑھتا ہے تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں میں اس ہدیہ کی وجہ سے تمہارے بھائی پر زیادہ شفقت نہ کرنے لگوں۔

اسی طرح ایک شخص نے اشرفیوں کے دو توڑے حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس لے کر گیا اور ان سے کہا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ میرے والد آپ کے دوست تھے، ان کی کمائی حلال کی کمائی تھی، مجھے اس مال میں سے یہ مال میراث میں ملا ہے آپ اس کو قبول کر لیجیے۔ حضرت سفیانؒ نے وہ مال لے لیا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے بیٹے کو اس شخص کے پیچھے وہ توڑے دیکر روانہ کیا اور وہ اشرفیاں پھیر دیں! اس لیے کہ حضرت سفیانؒ کو یاد آگیا تھا کہ اشرفیاں دینے والے شخص کے باپ سے ان کی دوستی محض اللہ کے لیے تھی۔ (کسی دنیاوی غرض سے نہیں تھی)، اشرفیاں واپس کر کے جب حضرت سفیان کے بیٹے گھر واپس آئے تو بڑی بے صبری کے ساتھ باپ سے کہا کہ بابا آپ کا دل بہت ہی سخت ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں بال بچوں والا شخص ہوں اور افلاس اور غربت میں گرفتار ہوں، آپ نے مجھ پر رحم نہیں کیا (وہ اشرفیاں آپ اگر مجھے دے دیتے تو میرے بہت سے کام نکلتے) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ اے فرزند! تم خود تو فراغت سے گذر بسر کرنا چاہتے ہو لیکن قیامت کے دن مؤاخذہ مجھ سے ہو گا اور مجھ میں اس مؤاخذہ کی طاقت نہیں ہے۔

استاد کی طرح شاگرد کو بھی چاہیئے کہ علم حاصل کرنے سے اس کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور استاد سے (سوائے علم کے) کسی بات کی امید نہ رکھے ممکن ہے کہ کبھی اپنے دل میں وہ اس طرح خیال کرے کہ اگر میں استاد کا مطیع اور فرمانبردار رہوں گا تو استاد میری تعلیم میں زیادہ دلچسپی لے گا اور دل سے توجہ کرے گا یہ بات غلط اور قطعی طور پر ریا ہے۔ شاگرد کو چاہیئے کہ استاد کی خدمت کر کے اپنا درجہ خداوند تعالیٰ کے حضور سے طلب کرے نہ کہ استاد سے اس کا خواہاں ہو۔ اسی طرح ماں باپ کی رضامندی محض خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے چاہے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے سامنے پارسا ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ اس میں فوری معصیت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جس کام میں ثواب کی امید رکھتا ہو اس کو خالصاً للہ بجا لاتے۔ (واللہ اعلم)

اصلِ نہم

تکبّر اور غُرور کا علاج

معلوم ہونا چاہیئے کہ تکبّر اور خود بینی ایک غلط روش اور بُری رفتار ہے اور حقیقت میں یہ حق تعالےٰ کے ساتھ ایک قسم کا مقابلہ ہے کہ بزرگی اور عظمت تو صرف اسی کی ذات کو سزاوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جبّار اور متکبّر کی بہت مذمّت آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ — اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور جابر کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (قرآن حکیم)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا :-

خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ — جتنے سرکش اور ضدی لوگ ہیں وہ سبھی سب بے مراد ہوتے۔

اور فرمایا گیا :

اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ — میں اس سے جو میرا اور تم سب کا رب ہے ہر مغرور و متکبّر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا

ارشاداتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم :- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبّر ہو گا وہ بہشت میں نہیں جائے گا۔" یہ بھی حضور علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کہ جو شخص تکبّر اختیار کرے گا اس کا نام متکبّرین میں لکھا جائے گا اور وہی عذاب اس کو دیا جائے گا جو ان (متکبّرین) کو پہنچتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دیو پری اور جن و انس کو حکم دیا کہ سب باہر نکلیں دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جنات جمع ہوئے اور ان کے تخت کو آسمان کے پاس اُڑا کر لے گئے، آپ نے ملائکہ کی تسبیح کی آواز سُنی، وہاں سے زمین پر اترے اور اتنے نشیب میں پہنچے کہ قعرِ دریا تک پہنچ گئے اس وقت ندا آئی کہ اگر ایک ذرّہ تکبّر سلیمان (علیہ السلام) کے دل میں ہوتا تو ان کو ہوا میں لے جانے سے پہلے ہی زمین میں غرق کر دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تکبّر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں اُٹھایا جائے گا لوگ ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "دوزخ میں ایک غار ہے اس غار کو ہب ہب کہتے ہیں حق تعالیٰ مغروروں اور متکبروں کو اس میں ڈالے گا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تکبر ایسا گناہ ہے کہ کوئی عبادت اس متکبر کو نفع نہیں دے گی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ ایسے شخص پر جو تکبر سے اپنے لباس کو زمین پر کھینچتا چلے، نظر نہیں فرماتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک شخص فاخرہ لباس پہن کر تکبر سے چلتا اور اپنے آپ کو دیکھتا تھا (خود بین تھا) حق تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا رہے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص تکبر کرتا ہے اور ناز سے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا۔"

جناب محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے لڑکے کو دیکھا کہ تکبر سے چل رہا ہے آپ نے پکار کر اُس سے کہا کہ اے لڑکے کیا تو اپنی حقیقت نہیں جانتا، سُن تیری ماں کو میں نے دو سو درہم میں خریدا تھا، اور مسلمانوں میں تیرے باپ جیسے بہت سے لوگ ہیں۔" شیخ مطرف ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے مہلب[1] کو دیکھا کہ تکبر سے چل رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ اے خدا کے بندے! ایسی چال سے حق تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے۔ مہلب نے مجھ سے کہا کہ کیا تم مجھ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا جانتا ہوں، پہلے تو ایک ناپاک نطفہ تھا اور آخر میں ایک مُردار ہوگا، اور دو حالتوں کے بین بین تو نجاستوں کو اٹھائے لیے پھرنے والا ہے۔

تواضع کی فضیلت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی تواضع کرتا ہے حق تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سر کی لگام دو فرشتوں کے ہاتھوں میں نہ ہو۔ جب وہ شخص تواضع کرتا ہے تو ملائکہ اس لگام کو اوپر چڑھاتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں الٰہی اس کو سر بلند رکھ" اور اگر وہ تکبر کرتا ہے تو لگام کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں الٰہی اس کو سرنگوں رکھ۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو بغیر لاچار ہونے کے تواضع کرے اور ایسا مال جو اس نے بغیر کسی معصیت کے جمع کیا ہے دوسروں پر خرچ کرے۔ غریبوں پر رحم کرے اور ان کے پاس اُٹھے بیٹھے اور عالموں کی ہم نشینی اختیار کرے وُہ نیک بخت ہے۔

ابوسلمہ مدینی رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے یہاں مہمان بنے آپ اس دن روزے سے تھے آپ کے افطار کے لیے میں نے ایک پیالہ دودھ جس میں شہد

[1] مہلب ابن ابی داؤد غالی معتزلی تھا۔ امیر المسلمین معتصم باللہ کے دور میں اس کا انتقال ہوا

ملا ہوا تھا پیش کیا آپ نے اس کو چکھا اس میں مٹھاس محسوس فرمائی آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میں شہد ملا ہوا ہے آپ نے وہ پیالہ یونہی رکھ دیا اور نوش نہیں فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے لیکن جو شخص خدا کے لیے تواضع کرے گا حق تعالیٰ اس کو سر بلند فرمائے گا اور اگر تکبر کرے گا تو اس کو حقیر کر دے گا اور جو شخص اسراف کے بغیر خرچ کرے گا اللہ تعالےٰ اس کو تونگری عطا فرمائے گا اور جو کوئی اسراف کرے گا حق تعالےٰ اس کو محتاج کر دے گا اور جو کوئی حق تعالیٰ کو زیادہ یاد کرے گا اللہ تعالےٰ اس کو دوست رکھے گا۔

نقل ہے کہ ایک بار ایک عاجز و درماندہ درویش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ نبوت پر سوال کیا۔ اس وقت آپ کھانا تناول فرما رہے تھے آپ نے اس کو بلایا اور اس کو زانوئے اطہر پر بٹھا کر فرمایا کھانا کھاؤ۔ سب لوگوں نے جو شریک طعام تھے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، قریشیوں میں سے ایک نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور کراہت کا اظہار کیا، آخر کار (اس تکبر کی سزا میں) وہ بھی اس فقر و فاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہو کر مرا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مجھے دو چیزوں کا اختیار دیا گیا چاہوں تو رسول اور بندہ رہوں اور چاہوں تو صاحب نبوت بادشاہ بنوں۔ میں نے توقف اختیار کیا اور اپنے دوست جبریل (علیہ السلام) کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کے لیے تواضع اختیار کیجیے۔ چنانچہ میں نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ رسول اور بندہ رہوں

حق تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں ایسے شخص کی نماز قبول کروں گا جو میری عظمت کے لیے تواضع اختیار کرے گا اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہ کرے۔ اور اپنے دل میں خوف کو جگہ دے اور تمام دن میری یاد میں بسر کرے اور خود کو میرے لیے گناہوں سے محفوظ رکھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کرم تقویٰ میں، بزرگی تواضع میں اور تونگری یقین میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ تواضع کرنے والے دنیا میں منبر نشیں رہیں گے اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کرا دیں اور ان کا مقام فردوس ہوگا اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جن کے دل دنیا سے پاک ہوں اُن کو خدا کا دیدار میسّر ہوگا۔

خدا کا مقبول بندہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو خداوند تعالیٰ نے اسلام کا راستہ دکھایا، اس کی اچھی صورت بنائی اور اس کی حالت باعث ننگ نہیں بنائی اور اس کو تواضع کی توفیق بھی دی گئی وہ خدا کے مقبول بندوں میں سے ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص چیچک کے مرض میں مبتلا تھا وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچا تو وہ جس شخص کے پاس بیٹھتا وہی شخص اس کے پاس سے (کراہت کی وجہ سے) اُٹھ جاتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم